بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ

# اکرم التفاسیر

## اِلَیْهِ یُرَدُّ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

25

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

# اکرم التفاسیر

## اِلَیْهِ یُرَدُّ


الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی


25

# اکرم التفاسیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ


پارہ ...................... 25

بار اوّل ................. مئی 2017ء

تعداد .................. دو ہزار

قیمت .................. -/470 روپے

ناشر .................. ملک عبدالقدیر اعوان

ناظم اعلیٰ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دار العرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا


جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں


اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی
کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

# بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

**www.QuranTafseer.net**

**0092 323 520 5255**

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کر سکتے ہیں۔

**اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں**

# بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

**www.QuranTafseer.net**

## حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقۂ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔

# www.QuranTafseer.net

الحمد وللہ اس ویب سائیٹ سے ہزاروں لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور مزید آسانی سے لوگوں تک قرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے اب اسی ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی متعارف کروادی گئی ہے۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

انسٹال کرنے کے بعد اسی جگہ **Rate this app** میں 5 سٹار کو ٹچ کر کے سبز کر کے **Submit** کر دیں۔

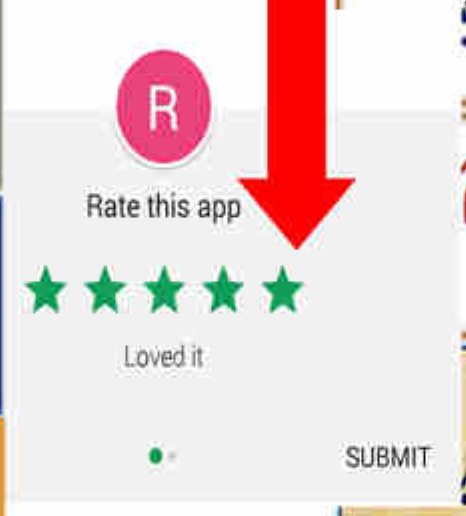

# از دلِ خیزد بر دلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کر دوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان علیہ الرحمۃ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب، جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں، آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

امیر محمد اکرم

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دار العرفان منارہ ضلع چکوال

# امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کررہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن وحدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربّانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ' ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت و دوزخ یا ثواب وعذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔

امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

# فہرست مندرجات


| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
| --- | --- | --- |
| 1 | سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 6 آیات 47 تا54 | 15 |
| 2 | تفسیر و معارف | 17 |
| 3 | حمل کا حتمی حال، علمِ الٰہی کا خاصہ ہے: | 18 |
| 4 | قیامت کا حال: | 18 |
| 5 | کلمۂ توحید ہر برائی کے آگے دیوار بن جاتا ہے: | 22 |
| 6 | حاصلِ جستجو: | 23 |
| 7 | ان کا اصل مرض: | 24 |
| 8 | سورۃ الشوریٰ رکوع 1 آیات 1 تا9 | 25 |
| 9 | تفسیر و معارف | 26 |
| 10 | حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر خصوصی فضل: | 26 |
| 11 | وحی کا ماحصل کیا ہے؟ | 27 |
| 12 | آسمانی مخلوق اور اس کے کام: | 28 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
| --- | --- | --- |
| 13 | قرآن اللہ سے ہم کلامی کی لذت عطا کرتا ہے: | 32 |
| 14 | معرفتِ الٰہی کی ایک روشن مثال: | 35 |
| 15 | سورۃ الشوریٰ رکوع 2 آیات 10 تا19 | 36 |
| 16 | تفسیر و معارف | 38 |
| 17 | عالمِ انسانیت کا پہلا بڑا اختلاف: | 38 |
| 18 | ایک سوال: | 39 |
| 19 | ایک مثال: | 42 |
| 20 | شرک کا سبب: | 44 |
| 21 | اقامتِ دین: | 44 |
| 22 | دین میں تفرقہ ڈالنا حرام ہے: | 45 |
| 23 | احکام کی تشریح میں اختلاف رحمت ہے: | 45 |
| 24 | اللہ کسے چن لیتا ہے اور کسے نہیں؟ | 46 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 25 | فرقہ بندی کی وجہ: | 46 |
| 26 | استقامت: | 47 |
| 27 | ایک واقعہ، ایک مثال: | 50 |
| 28 | ایک مثال: | 51 |
| 29 | سورۃ الشوریٰ رکوع 3 آیات 20 تا 29 | 53 |
| 30 | تفسیر و معارف | 55 |
| 31 | مومن کا مقصد: | 55 |
| 32 | کافر کی طلب، محض دنیا: | 55 |
| 33 | رشتہ داری کے حقوق کی رعایت: | 58 |
| 34 | ایمان باللہ کے لیے ایمان بالرسالت: | 60 |
| 35 | سورۃ الشوریٰ رکوع 4 آیات 30 تا 43 | 66 |
| 36 | تفسیر و معارف | 68 |
| 37 | مصیبت وہ ہے جو غضبِ الٰہی کا سبب بن جائے: | 68 |
| 38 | اللہ کی عظمت کی نشانی: | 70 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 39 | اُخروی نعمتوں کو پانے والے کون ہوں گے؟ | 73 |
| 40 | سورۃ الشوریٰ رکوع 5 آیات 44 تا 53 | 78 |
| 41 | تفسیر و معارف | 80 |
| 42 | اسلام کی خوبی، مثالیں: | 83 |
| 43 | ایک اعتراض: | 85 |
| 44 | تعلق مع اللہ میں کمی اور دورِ حاضر کی مثالیں: | 86 |
| 45 | ولایت: | 92 |
| 46 | سورۃ الزخرف رکوع 1 آیات 1 تا 15 | 95 |
| 47 | تفسیر و معارف | 96 |
| 48 | عربی زبان کی خصوصیت: | 97 |
| 49 | خاص رتبے والی کتاب: | 98 |
| 50 | نصیحت جاری رہے گی: | 99 |
| 51 | سفر کی دعا: | 104 |

| نمبرشمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
| --- | --- | --- |
| 52 | سورۃ الزخرف رکوع 2 آیات 16 تا 25 | 105 |
| 53 | تفسیر و معارف | 106 |
| 54 | بناؤ سنگھار خواتین کا حق ہے: | 108 |
| 55 | ایک سوال اور اس کا جواب: | 111 |
| 56 | دنیا کی آسانیاں بھی دامانِ رسالت میں ہیں: | 114 |
| 57 | سورۃ الزخرف رکوع 3 آیات 26 تا 35 | 116 |
| 58 | تفسیر و معارف | 117 |
| 59 | اتباع حق کا ہوگا: | 117 |
| 60 | اولاد کی تربیت فرض ہے: | 119 |
| 61 | رسولٌ مُبین: | 120 |
| 62 | برصغیر، ایک مثال: | 124 |
| 63 | سورۃ الزخرف رکوع 4 آیات 36 تا 45 | 127 |
| 64 | تفسیر و معارف | 128 |
| 65 | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کون ہے؟ | 133 |
| 66 | سورۃ الزخرف رکوع 5 آیات 46 تا 56 | 135 |
| 67 | تفسیر و معارف | 136 |
| 68 | یہ سب کیوں بتایا جا رہا ہے؟ | 138 |
| 69 | قومیں بیوقوف کیوں بنتی ہیں؟ | 140 |
| 70 | سورۃ الزخرف رکوع 6 آیات 57 تا 67 | 141 |
| 71 | تفسیر و معارف | 142 |
| 72 | اعتراض محض جھگڑنے کے لیے: | 142 |
| 73 | سوائے اتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی جائے پناہ نہیں: | 144 |
| 74 | دین صراطِ مستقیم ہے: | 146 |
| 75 | سورۃ الزخرف رکوع 7 آیات 68 تا 89 | 148 |
| 76 | تفسیر و معارف | 150 |
| 77 | اللہ کے بندے کون؟ | 150 |
| 78 | اَزْوَاجُكُمْ سے مراد: | 151 |
| 79 | اللہ، کریم ہیں: | 153 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 80 | اللہ کی تجویز: | 155 |
| 81 | دنیا میں سب سے بڑی سزا: | 158 |
| 82 | سورۃ الدخان رکوع 1 آیات 1 تا 29 | 159 |
| 83 | تفسیر و معارف | 161 |
| 84 | لیلۂ مبارکہ لیلۃ القدر ہے: | 162 |
| 85 | دورِ حاضر کی زبوں حالی: | 162 |
| 86 | ایک واقعہ، ایک مثال: | 163 |
| 87 | یقین لانے والوں کے لیے یہ دلائل کافی ہیں: | 165 |
| 88 | فاعلِ حقیقی: | 165 |
| 89 | ایک مثال: | 165 |
| 90 | دخان کی تفصیل: | 167 |
| 91 | نبیؐ سے الگ ہوجانے کا انجام: | 170 |
| 92 | سورۃ الدخان رکوع 2 آیات 30 تا 42 | 173 |
| 93 | تفسیر و معارف | 174 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 94 | انعامات ہی آزمائش بھی ہوتے ہیں: | 174 |
| 95 | تبع کی قوم: | 176 |
| 96 | حق کا تقاضا ہے کہ ایک یوم حساب ہو: | 176 |
| 97 | جس کو جتنی استعداد دی اتنا اس سے حساب لیا جائے گا: | 177 |
| 98 | دنیا کی زندگی میں ہی رحمتِ الٰہی کو پالو: | 177 |
| 99 | سورۃ الدخان رکوع 3 آیات 43 تا 59 | 179 |
| 100 | تفسیر و معارف | 180 |
| 101 | متقین، مقامِ امن میں: | 181 |
| 102 | حوریں، ایک مغالطے کی اصلاح: | 181 |
| 103 | قرآن کا معنی وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا: | 185 |
| 104 | سورۃ الجاثیہ رکوع 1 آیات 1 تا 11 | 187 |
| 105 | تفسیر و معارف | 188 |
| 106 | عظیم الشان مخلوق کے لیے بہترین راہنمائی: | 189 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 107 | ایک مثال: | 192 |
| 108 | سورۃ الجاثیہ رکوع 2 آیات 12 تا 21 | 196 |
| 109 | تفسیر و معارف | 197 |
| 110 | اللہ کا شکر کیسے ادا ہو؟ | 198 |
| 111 | معاشرتی زندگی کے اصول: | 199 |
| 112 | انسانی مزاج یہ ہے۔۔۔: | 201 |
| 113 | اہلِ یقین کے لیے رحمت کا سبب: | 205 |
| 114 | بھلائی اور برائی کا اپنا اپنا انجام: | 205 |
| 115 | سورۃ الجاثیہ رکوع 3 آیات 22 تا 26 | 207 |
| 116 | تفسیر و معارف | 208 |
| 117 | ہر چیز عدل پر قائم ہے لہٰذا انسانی کردار کے ساتھ عدل ہوگا | 208 |
| 118 | دہر یا زمانہ کیا ہے؟ | 212 |
| 119 | جاہل کج بحثی کرتا ہے: | 213 |
| 120 | عالِم بے عمل کے لیے: | 214 |
| 121 | سورۃ الجاثیہ رکوع 4 آیات 27 تا 37 | 216 |
| 122 | تفسیر و معارف | 217 |
| 123 | زمین و آسمان اللہ کی بادشاہت کے تابع ہیں: | 217 |
| 124 | سب سرِ تسلیم خم کیے ہوں گے: | 218 |
| 125 | حقیقی کامیابی: | 219 |
| 126 | اہلِ باطل کے لیے ابدی خسارہ: | 219 |
| 127 | دورِ حاضر کا فتنہ: | 220 |
| 128 | اللہ کے بھلا دینے سے کیا مراد ہے: | 221 |
| 129 | بڑائی صرف اللہ کو سزاوار ہے: | 222 |

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:32)

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

# پارہ 25 الیہ یرد

## سورۃ حٰمٓ السجدہ رکوع 6 آیات 47تا54

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا
تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِىْ ۙ
قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۚ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ
قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ
الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ
بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِىْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ
رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىْٓ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا
عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ
اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِىْ
شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ
لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ

اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

قیامت کے علم کا حوالہ اُسی (اللہ) کی طرف دیا جاتا ہے اور نہ تو پھل اپنے گابھوں سے نکلتے ہیں اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اُسی کے علم سے۔ اور جس دن وہ (اللہ) ان کو پکاریں گے (اور فرمائیں گے) میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے ہم آپ سے ہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو (ان کی) خبر ہی نہیں ﴿۴۷﴾ اور جن کو وہ پہلے (دنیا میں) پوجا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہوجائیں گے اور وہ جان لیں گے کہ ان کے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ﴿۴۸﴾ انسان بھلائی کی دعائیں کرتا تو تھکتا نہیں اور اگر اس کو تکلیف پہنچ جاتی ہے تو ناامید (اور) ہراساں ہوجاتا ہے ﴿۴۹﴾ اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اس کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو وہ ضرور کہتا ہے یہ تو میرے لیے ہونا ہی چاہیے تھا اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر (ایسا ہو کہ) میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو میرے لیے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے سو ہم ان کافروں کو ان کے یہ سب کردار ضرور بتائیں گے اور ان کو سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے ﴿۵۰﴾ اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو اپنا منہ موڑ لیتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے ﴿۵۱﴾ فرما دیجیے بھلا دیکھو! اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو، پھر تم اس سے انکار کرو تو اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو پرلے درجے کی مخالفت میں ہو ﴿۵۲﴾ ہم عنقریب ان کو اطرافِ عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے کہ وہ (قرآن) حق ہے تو کیا آپ کے پروردگار کو یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہیں ﴿۵۳﴾ دیکھیں، بے شک یہ اپنے پروردگار کے روبرو ہونے سے شک میں ہیں یاد رکھو! بے شک وہ ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے ﴿۵۴﴾

# تفسیر ومعارف

پچیسواں پارہ شروع ہوتا ہے۔ سورۃ حٰمٓ السجدہ جاری ہے۔ کفار ومشرکین کے اعتراضات ہر نبیؑ اور اُنؑ کے پیغام پر وارد ہوتے رہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کفار ومشرکین اور علمائے یہود ونصاریٰ اس طرح کی حجت بازیاں کرتے تھے۔ ان ہی میں سے ایک اعتراض قیامِ قیامت پر تھا تو فرمایا: اِلَیۡہِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَکۡمَامِہَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِہٖ۔۔۔ قیامت کے علم کا حوالہ اسی (اللہ) کی طرف دیا جاتا ہے اور نہ تو پھل اپنے گابھوں سے نکلتے ہیں اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اسی کے علم سے۔

فرمایا، یہ جاننا صرف اللہ کو زیبا ہے کہ قیامت کب ہوگی۔ یہ مخلوق کے بس کی بات نہیں۔ ہر لمحے کتنی مخلوق وہ نئی پیدا فرما رہا ہے اور کتنی مخلوق صفحۂ ہستی سے مٹ رہی ہے، کون جانتا ہے؟ کسی کو اس کا علم کیسے ہوسکتا ہے! وہ جو پیدا کرنے والا ہے، بنانے والا ہے صرف وہی جانتا ہے کہ یہ تمام چیزیں کب اختتام کو پہنچیں گی، کب یہ کائنات ختم ہوگی، کب آسمان پھٹ جائیں گے، کب قیامت کا زلزلہ آئے گا؟ تم جو یہ حجت بازیاں کرتے ہو، تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ کس ذرے سے کون سی شے کب تخلیق ہو رہی ہے، جتنی نباتات ہیں، چھوٹی چھوٹی جڑی بوٹیوں سے لے کر بڑے بڑے درختوں تک کس گابھے سے کون سی کونپل پھوٹ رہی ہے! تخلیق کوئی ایسا عمل نہیں کہ اللہ نے چیزیں پیدا کر دیں تو ختم ہوگیا۔ یہ مسلسل جاری ہے۔ چیزیں پیدا ہو رہی ہیں اور مٹ بھی رہی ہیں۔ ایک لمحے میں، روئے زمین پر کتنی کونپلیں پھوٹتی ہیں، کتنے بڑے بڑے درخت فنا ہوتے ہیں، ذوالارواح میں، انسان، حیوان، جانور، پرندے، زمین پر ساری مخلوق، کہاں کہاں اور کتنی پیدا ہو رہی ہے، صرف وہ جانتا ہے۔ بات علم کی یا جاننے کی نہیں، وہ تو خود پیدا فرما رہا ہے۔ جب یہ سب جاننا اسی کو سزاوار ہے تو یہ سارا کھیل کب ختم ہوگا، یہ جاننا بھی اسی کو زیبا ہے جس نے یہ سب بنایا ہے جو اسے چلا رہا ہے، صرف وہی جانتا ہے کہ اسے کب ختم کرنا ہے۔ بندے کا اتنا علم ہے نہ اتنی استعداد۔ جو اپنی تخلیق کو نہیں جانتا وہ دوسرے کی کیا جانے گا؟

کس کو علم ہوتا ہے کہ اس کا وجود کن کن ذرات سے بنا۔ جب وہ شکمِ مادر میں بن رہا ہوتا ہے تو کس کو پتا ہوتا ہے کہ اس کی شکل کیسی ہوگی، قد کاٹھ کیسا ہوگا، نصیب کیسا ہوگا، شعور کس درجے کا نصیب ہوگا، علم کتنا نصیب ہوگا، کیا توفیق ہوگی، کردار کیسا ہوگا؟ کوئی نہیں جانتا۔ جب کوئی کچھ نہیں جانتا تو اسے قیامت کے آنے کے بارے سوال کرنے کی جرأت کیونکر ہے؟

## حمل کا حتمی حال، علمِ الٰہی کا خاصہ ہے:

دورِ حاضر کے میڈیکل آلات کے ذریعے یعنی الٹرا ساونڈ مشین وغیرہ سے معلوم کیا جارہا ہے کہ ہونے والا بچہ، لڑکا ہے یا لڑکی لیکن یہ بھی سو فیصد درست نہیں ہوتا۔ انسانی علم اندازوں پر مشتمل ہے۔ کیا محض صنف جان لینا علم ہے؟ کیا الٹرا ساونڈ یا کوئی ایسی مشین یہ بھی بتا سکتی ہے کہ بچے کا شعور کیا ہوگا، وہ نیک ہوگا یا بد، حکمران بنے گا یا مزدور، عالم ہوگا یا جاہل، طبعی موت مرے گا یا حادثاتی، کیا مشین انسان کے بارے حتمی طور پر سب جان سکتی ہے؟ نہیں۔ یہ حتمی علم صرف اللہ، واحد و لاشریک، حقیقی خالق کا ہے۔ حتمی طور پر صرف وہی جانتا ہے جو خود بنا رہا ہے۔

بتایا جارہا ہے کہ جب تم ایک پتھر کے بارے بھی نہیں جان سکتے کہ کب ٹوٹ جائے گا، دریا کے بارے نہیں جانتے کہ وہ کب سوکھ جائے گا، آنے والے لمحے میں کیا ہوجائے گا، اس سے بھی آگاہ نہیں تو تمہیں کیسے معلوم ہو کہ قیامت کب آئے گی! اپنے دائرہ کار میں رہو۔ جو شعور اور جو علم اللہ نے دیا ہے اس سے اپنے کردار کی تعمیر کرو، جو تمہارے کرنے کا کام ہے وہ کرو۔ یہ جاننا صرف اللہ کا حق ہے کہ کب آئے گی۔ ہاں! اس میں کیا ہوگا، یہ سب اللہ کریم نے تمام انبیاؑ کو بتا دیا۔ انبیاؑ نے امتیوں کو بتا دیا، سارا ذکر قرآن کریم میں کر دیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ کیا ہوگا، اس کی تیاری کرو۔ کب ہوگا یہ تمہارا مسئلہ نہیں۔ بس یہ یقین رکھو کہ یہ واقعہ بہر طور واقع ہوگا!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ (صحیح بخاری و مسلم) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو مر جائے اس کی ایک طرح سے قیامت قائم ہوگئی۔ اس کا دار العمل ختم ہوگیا، دار الجزا شروع ہوگیا۔ کتنی مخلوقات دنیا میں آرہی ہیں اور جارہی ہیں۔ انسانوں کا ایک ہجوم روزانہ زیر زمین جارہا ہے اور کتنے ہی اور پیدا ہو رہے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ کہاں سے آرہے ہیں، کہاں جارہے ہیں؟ درمیان میں جو تھوڑا سا وقت ہے اس میں آخرت کی تیاری کرو۔

## قیامت کا حال:

قیامت کو جھوٹی دوستیاں ختم ہوجائیں گی۔ فرمایا: وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿٤٧﴾ اور جس دن وہ (اللہ) ان کو پکاریں گے (اور فرمائیں گے) میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے ہم آپ سے ہی عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو (ان کی) خبر ہی نہیں۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٤٨﴾ اور جن کو وہ پہلے (دنیا میں) پوجا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہوجائیں گے اور وہ جان لیں گے کہ ان کے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔

قیامت قائم ہوگی تو سب سے پہلے یہ پوچھا جائے گا کہ آج وہ کہاں ہیں، جنہیں تم میرا شریک بناتے تھے۔ جن سے تم یہ امید لگاتے تھے کہ وہ تمہاری مشکلیں حل کریں گے۔ کہاں گئے تمہارے وہ بُت، وہ بادشاہ، وہ حکمران جن کی تم پوجا کرتے تھے؟

یاد رہے! اللہ کی نافرمانی کر کے کسی بھی دوسرے کی اطاعت کرنا ہی اُس کی عبادت کرنا ہے۔ اور اللہ کی اطاعت کی حد کے اندر کسی کی بات ماننا، یہ اسلام ہے۔ یہ اللہ کی عبادت ہے کیونکہ اصل حکم اللہ کا ہے، سبب کوئی بن رہا ہے۔ جہاں اللہ کی نافرمانی ہو اور کسی فرد کا حکم مانا جائے، اس ڈر سے کہ نہیں مانوں گا تو وہ میرا نقصان کرے گا اور مانوں گا تو مجھے نفع دے گا۔ یہی اس کی عبادت کرنا ہے۔ یہی شرک ہے۔ اکثر لوگ یہی شرک کرتے ہیں۔ کوئی حکمرانوں، امراء وسلاطین کو معبود مان لیتا ہے کوئی بتوں کو اور کوئی اپنی خواہشاتِ نفس کو معبود بنالیتا ہے۔

قیامت قائم ہوگی تو یہی پوچھا جائے گا کہ دنیا میں جو میرے شریک بنائے تھے، وہ کہاں ہیں، انہیں لاؤ، پتا چلے وہ کون تھے اور تمہاری آج کتنی مدد کرتے ہیں؟ مشرکین کہیں گے، یااللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ ہم ان میں سے کسی کو نہیں جانتے۔ ہمیں نہیں پتا وہ کون تھے، کیا ہوئے، کہاں گئے، ہمیں کوئی خبر نہیں۔ اگر یہ بات اپنی زبان میں کہیں تو یوں ہوگی:

لڈو مُک گئے یارانے ٹُٹ گئے
کچی یاری لڈواں دی

موت آئی اور خام اُمیدوں پر پانی پھیر گئی، ہم نے جو جھوٹی امیدیں غیروں سے باندھی تھیں، بہالے گئی۔ یہ حق ہے کہ اللہ کے احکام کو چھوڑ کر جن کی وہ اطاعت کرتے تھے، وہ اس دن ان سے کھو جائیں گے، گم ہو جائیں گے۔ کوئی نظر نہیں آئے گا اور کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ شرک اتنی بڑی مصیبت ہے کہ میدانِ حشر میں، مشرک کے لیے کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔ وکالت کرنے والا ہوگا نہ چھڑانے والا ہوگا!

انسان کا مزاج اگر سلیم نہ رہے تو کیسا بگڑتا ہے؟ اس ربّ کو بھول جاتا ہے جس نے اسے تخلیق کیا، پرورش کی نعمتیں دیں اور شیطانی وسوسوں، جھوٹی امیدوں پر جم جاتا ہے۔ اس مزاج کے لوگوں کے بارے فرمایا: **لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَــٔـُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿٤٩﴾ انسان بھلائی کی دعائیں کرتا تو تھکتا نہیں اور اگر اس کو تکلیف پہنچ جاتی ہے تو نا امید (اور) ہراساں ہو جاتا ہے۔**

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے آداب میں الحاح وزاری کرنے کی فضیلت ارشاد فرمائی ہے۔ صحیح مسلم اور بخاری میں احادیث مذکور ہیں۔ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو دامانِ رسالت کو چھوڑتے ہیں۔ جس کا ہاتھ

دامانِ رسالت سے چھوٹتا ہے یا جو دین سے ہٹتا ہے، اس کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ وہ مالِ دنیا سمیٹتے سمیٹتے تھکتا ہی نہیں۔ اسے دنیا کے خزانے مل جائیں تب بھی وہ مزید کی ہوس میں مبتلا رہتا ہے۔

وطنِ عزیز میں ایسے ایسے حکمران اور ان کے ساتھی موجود ہیں جنہوں نے ملکی دولت، عوام کا پیسہ لوٹ کر اتنا جمع کرلیا ہے کہ ان کی کئی نسلیں کچھ بھی نہ کریں تو نسلوں تک یہ دولت ختم نہ ہو لیکن وہ ہیں کہ دولت سمیٹنے میں، اقتدار کے لالچ میں مبتلا رہتے ہیں، کہیں بس نہیں کرتے۔ اتنی دولت کو سود پر رکھا ہوا ہے۔ اس پر سود ملتا رہتا ہے، سرمایہ قائم رہتا ہے اور پھر بھی یہ مزید کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

قرآن بالکل کھری باتیں کرتا ہے، سچ بتاتا ہے، کوئی لحاظ نہیں کرتا۔ ایسے حکمران بھی دیکھے ہیں کہ کارِ قضا جنہیں چند دن حوالات رہنا پڑا تو رونے پیٹنے لگے۔ کچھ صبر، کچھ حوصلہ بھی نہ کرسکے۔ اس لیے کہ اللہ سے تعلق ہو تو مصیبت میں بھی حوصلہ ہوتا ہے، صبر آجاتا ہے۔ یہی فرمایا گیا: وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۔۔۔ اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اس کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو وہ ضرور کہتا ہے یہ تو میرے لیے ہونا ہی چاہیے تھا اور میں یہ نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی نعمتیں پا کر شکر نہیں کرتے، نافرمانی پر کمر کس لیتے ہیں۔ فراخی میں اللہ کو بھلائے رکھتے ہیں۔ وقتِ مصیبت بھی دعا کرتے ہیں تو اللہ کی عظمت دل میں نہیں آتی صرف مصیبت سے خلاصی مقصود ہوتی ہے۔ یہی گستاخی انہیں لے ڈوبتی ہے۔ فرمایا، جب ہم اُسے مصیبت سے خلاصی اور نجات دے دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا کسی نے مجھ پر احسان نہیں کیا۔ دنیا سمیٹتے سمیٹتے تھکتا نہیں۔ مصیبت آجائے تو مایوسی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے، نجات مل جائے تو کہتا ہے یہ تو میرا حق بنتا تھا، کسی کا مجھ پر احسان نہیں۔ یہ روش اُسے انکار پر لے جاتی ہے۔ کہتا ہے، کہاں ساری مخلوق پھر سے زندہ ہوگی اور کہاں حساب کتاب ہوگا، یہ تو ایسے ہی لوگوں نے قصے گھڑ رکھے ہیں! پھر وہ تکبر میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ کہتا ہے: وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۔۔۔ اور اگر (ایسا ہو کہ) میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا یا بھی جاؤں تو میرے لیے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے۔ اس کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ بالفرض قیامت قائم ہو بھی گئی، مجھے اپنے پروردگار کے پاس جانا بھی پڑا تو یہاں دنیا میں بھی جو ہمیں مزے کرا رہا ہے، وہاں بھی وہ ہمیں ہی مزے کرائے گا۔

یہاں تک تو بات تھی انسان کی۔ آگے اللہ کریم اپنی بات فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ ان سے بات ہوگی۔ فرمایا: فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۵۰ سو ہم ان

کافروں کو ان کے یہ سب کردار ضرور بتائیں گے اور ان کو سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔

دنیا کی عدالتیں پوچھتی ہیں کہ مجرم نے کیا جرم کیا پھر ثبوت مانگے جاتے ہیں۔ اللہ کی عدالت کسی سے پوچھے گی نہیں۔ وہ خود بتائے گی کہ تو نے یہ جرم کیا اور اس کا ثبوت، تیرا یہ اعمال نامہ ہے، کراماً کاتبین ہیں جو زندگی بھر تیرے اعمال لکھتے رہے۔ تیرے ہاتھ پاؤں، اعضائے بدن تیرے گواہ ہیں۔ یعنی ناشکری کرنے والوں کو، کفار و مشرکین کو وہاں ان کا کردار بتایا جائے گا اور شدید ترین عذاب میں مبتلا کر دیے جائیں گے۔ بندے کو سوچنا چاہیے کہ اللہ کریم کی نافرمانی چھوٹی سی بھی ہو تو وہ بہت بڑی ہوتی ہے، اس لیے کہ نافرمانی ہے کس ذات کی! کبھی یہ بھی سوچا کہ کس کا حکم توڑ رہا ہوں، سزا بھی اسی اعتبار سے ملے گی! حاکم کی حیثیت کے مطابق، اس کی نافرمانی یا گستاخی سے جرم کا درجہ بدل جاتا ہے۔ ایک عام آدمی سے بدسلوکی، بدتمیزی، جرم ہے لیکن معافی بھی مل سکتی ہے، سرزنش اور تنبیہ کر کے خلاصی ہو سکتی ہے۔ وہی بدتمیزی کسی مجسٹریٹ سے کریں تو بات بدل جائے گی اور ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کے جج سے بدتمیزی کریں تو جرم بہت بڑا ہو جائے گا! جرم کی سزا اسی اعتبار سے ملے گی۔

انسان اگر اللہ سے تعلق نہ رکھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں نہ آئے تو اس کا مزاج ایسا بگڑتا ہے جیسا یہاں ارشاد ہو رہا ہے۔ فرمایا: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿٥١﴾ اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو اپنا منہ موڑ لیتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔

جب ہم انسان کو نعمتیں دیتے ہیں، دولت و اقتدار، صحت و اولاد، زمینیں جائیداد، قبائل اور رشتہ دار تو وہ بھی اکڑ میں آ جاتا ہے۔ چاہیے تھا کہ اللہ نے جتنی نعمتیں دیں، اتنا اللہ کا شکر کرتا، جتنی آسانیاں دی تھیں اتنی زیادہ اطاعت کرتا، اللہ کے احسانوں سے اس کی گردن جھک جاتی۔ اللہ کے انعامات پر وہ ممنون ہوتا، اس کی مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا لیکن یہ تو بپھر جاتے ہیں، بگڑ جاتے ہیں۔ جتنا اللہ کریم عطا کرتے ہیں اتنا ہی ان میں غرور آتا جاتا ہے۔ لوگوں سے رخ پھیر کر چلتے ہیں۔ یہی انسان جب بیمار ہو جائے، کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے، قید ہو جائے، تکلیف آ جائے تب بھی اللہ کی بارگاہ میں توبہ نہیں کرتے۔ دنیا کے حیلے کرتے ہیں۔ فلاں پیر صاحب کو بلا لو، فلاں خانقاہ پر دیگیں چڑھا دو، فلاں مولوی صاحب سے وظیفے پوچھو، فلاں پیر کو نذر نیاز دے آؤ، لمبے لمبے وظیفے کرا لو!

چاہیے تو یہ تھا کہ اگر عیش و آرام میں اللہ کو یاد نہیں کیا تو مصیبت میں ہی اللہ سے رجوع کرتا، معافی مانگتا، توبہ کرتا۔ اس کی بارگاہ میں دعا کرتا! فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ فرمایا دیجیے بھلا دیکھو! اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو، پھر تم اس سے انکار کرو تو

اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو پرلے درجے کی مخالفت میں ہو۔

فرمایا، میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلّم) انہیں سمجھائیے کہ جب تمہیں اللہ کی بات پہنچادی گئی، تم تک اللہ کا پیغام پہنچ گیا، تمہیں پتا چل گیا کہ یہ اللہ کا علم ہے پھر تم نے ماننے سے انکار کر دیا تو تم سے بڑا گمراہ کون ہوگا۔ اور اس سے بڑا جرم کیا ہوگا۔ تمہارا مخالفت کرنا تمہیں گمراہی اور تباہی کی طرف لے جارہا ہے۔ حق پہنچنے کے بعد محض مخالفت کے باعث نہ ماننا، بڑی گمراہی ہے اور اس سے بڑی گمراہی کوئی نہیں۔

یہ وعید منکرین کے لیے ہے لیکن ہمیں بھی سوچنا ہوگا کہ کافر کیوں کافر ہے؟ کافر کیا کرتا ہے؟ نہیں مانتا، انکار کرتا ہے، تب ہی کافر ہے تو جس نے حکم سن کر زبانی کہہ دیا کہ مانتا ہوں اور عمل کو ترک کر دیا، عمل نہیں کیا تو اُس نے کیا کیا؟ ذرا سوچو تو سہی، تنہائی میں بیٹھ کے سوچو۔ اللہ کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم سے فرما رہے ہیں، انہیں سمجھائیے کہ اللہ کی بات، اس کا پیغام یقینی وسائل، یقینی مستند ترین ذرائع سے آپ تک پہنچا۔ اصدق الصادقین جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان حق ترجمان سے پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خدام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا دین ہم تک پہنچا دیا۔ ہمیں علم ہو گیا کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے۔ میرے اللہ نے یہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے روکا ہے اور پھر جو اس کو نہیں مانتا، عملی زندگی میں اس پر عمل کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس سے بڑی گمراہی کیا ہوگی؟ مان کر، سن کر، جان کر عمل نہ کرنا کیا ہے؟ یہ فعل کافر جیسا ہے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: عَنْ اُمِّ اَیْمَنَ اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم لَا تَتْرُكِ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَاِنَّهُ مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللهِ وَرَسُولِهِ۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ایمنؓ نے روایت کیا (مسند امام احمد بن حنبل، حدیث ام ایمن، جلد 45، ص 357) آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جان بوجھ کر نماز ترک نہ کرو: پس جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اس پر سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔

حضرت بریدہ الاسلمی روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: حَدَّثَنَا عبدُاللہ بن بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ تَرْكُ الصَّلَاةِ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (مسند امام احمد بن حنبل، حدیثِ بُرَیدۃ اسلمی ج 38 ص 115) فرمایا: ہمارے اور ان (کفار) کے درمیان ترکِ صلوٰۃ کا فرق ہے۔ پس جس نے اسے ترک کیا گویا اس نے کفر کیا۔

## کلمۂ توحید ہر برائی کے آگے دیوار بن جاتا ہے:

مراد یہ ہے کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے ایسا کام کیا جو کافر کرتا ہے۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ ہمارے کلمہ پڑھنے کو وہ قبول فرمالے لیکن جب ہر کام میں ہم اس کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ نافرمانی بتاتی ہے کہ

ہمارے کلمے میں کوئی جان نہیں محض ایک زبانی دعویٰ ہے۔ صرف ایک بات ہے جو ہم نے کر دی ورنہ کلمہءطیبہ تو ہر برائی کے آگے دیوار بن جاتا ہے۔ ہر نافرمانی کے آگے لا الہ الا اللہ۔۔۔ کھڑا ہوتا ہے۔ ہر گناہ کے آگے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہر کلمہ گو اس آیت کے آئینے میں اپنے عمل کو دیکھے، اپنے کردار کو جانچے اور کلمہءاسلام جیسی نعمت کا ادراک کریں، اس کا پاس کرے۔

منکرین سے خطاب جاری ہے کہ اتنی دیدہ دلیری سے لوگوں کو قتل کرتے ہو، مال لوٹتے ہو رشوتیں لیتے ہو، ظلم کرتے ہو، غریبوں کا حق کھا جاتے ہو پھر کہتے ہو، ''ہم نے کیا کیا؟'' اس سے بڑی گمراہی کیا ہوگی، اس سے بڑے کسی جرم کا کیا تصور ہے؟ ٹھہرو! ابھی ہم انہیں قرآن کے حق ہونے کے بارے اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ ارشاد ہے:

**سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٣﴾ ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ (قرآن) حق ہے تو کیا آپ کے پروردگار کو یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہیں۔**

## حاصلِ جستجو:

اگر کوئی تلاش کرے، جستجو کرے، کائنات کے نظام پر غور کرے اور اپنے وجود اور اس کے اعضاء کی کارکردگی پر غور کرے تو اس میں ایسی عظیم نشانیاں ہیں کہ عام سے عام آدمی بھی جان لے گا کہ الہ ہی قادرِ مطلق ہے، ربّ کریم ہے، بے مثل و بے مثال خالق ہے۔ وہ حق ہے، اس کا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام حق ہے، اس کا کلام حق ہے۔ کائناتِ بسیط میں کیا کچھ ہو رہا ہے! کتنے ستارے، سیارے، جوِ آسمانی میں سرگرداں ہیں۔ ہر ایک کی زمین سے ایک نسبت ہے، ایک تعلق ہے۔ ان کی گردش سے زمین پر تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ سورج چاند کی روشنی اور گرمی سے مخلوقات کے کام ہوتے ہیں، تخلیق کا عمل ہر آن جاری ہے۔ چیزیں بن رہی ہیں، بگڑ رہی ہیں۔ آفاق کے بارے علوم اور انسانی وجود کے بارے علم، اللہ نے انسانوں کو عطا کر دیا۔ آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے اللہ کریم نے ارشاد فرمادیا کہ ہم اپنی عظمت کی نشانیاں تمہیں بتائیں گے۔ تحقیق و جستجو کا مادّہ رکھا، حصولِ علم آسان کر دیا، کائنات کو انسان کے لیے مسخر کر دیا تاکہ انسان جستجو کرے اور ان نشانیوں سے اللہ کی عظمت کو پا سکے۔ فرمایا، آپ کے پروردگار کی یہ شان کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر خود گواہ ہے، ہر ذرّے کو خود بنا رہا ہے! ضروری نہیں کہ ہر بندہ سائنسدان ہی ہو، علمِ طب کا ماہر ہی ہو یا بہت عالم و فاضل ہی ہو۔ ہر بندہ اپنی حیثیت کے مطابق تو جانتا ہے کہ سورج ہے، چاند ہے، ستارے، سیارے ہیں، نباتات و جمادات ہیں، اتنی مخلوق ہے تو وہ اکیلا جو ایک ایک ذرہ جوڑ کر سب کچھ لمحہ لمحہ بنا رہا ہے، پرورش کر رہا ہے، فنا کر رہا ہے اس کی یہی شان کافی نہیں۔ ہے کوئی اس جیسا دوسرا! یہ ایک بات انسان کی سمجھ میں آجائے تو وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے امیدیں وابستہ کرے گا؟

## ان کا اصل مرض:

فرمایا، ان کا اصل مرض یہ ہے: اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿٥٤﴾ دیکھیں، بے شک یہ اپنے پروردگار کے روبرو ہونے سے شک میں ہیں۔ یاد رکھو! بے شک وہ ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ فرمایا، ان کا اصل مرض یہ ہے کہ انہیں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے میں شکوک وشبہات ہیں۔ یہ کیسے ہوگا، کون زندہ کرے گا، کتنی مخلوق مر چکی ہے، کتنی اور آئے گی، سب مٹی ہو جائیں گے پھر اس خاک سے بندے بنیں گے؟ ان کی مصیبت یہ ہے کہ ان کے غلط نظریات نے، ان کی حلال، حرام سے بے پروائی نے، جائز ناجائز کی پروا نہ کرنے سے انہیں قیامت میں شک ہو گیا ہے۔ **گناہ کی خصوصیت ہے۔** ہر گناہ ایک حد تک قیامت سے بیزار کرتا ہے۔ چھوٹا ہو تو، تھوڑی بیزاری پیدا کرتا ہے، زیادہ ہو تو زیادہ کرتا ہے۔ انسان گناہوں میں آگے بڑھ جائے، کبھی توبہ نہ کرے تو بڑھتا، بڑھتا کفر میں چلا جاتا ہے۔ پھر انکار کر دیتا ہے کہ کون سی قیامت، کب ہوگی، کیسے ہوگی، کون کرے گا؟ یہ تو محض قصے ہیں۔

بتایا جا رہا ہے کہ یہ گناہوں کی تاریکی ہے، اللہ سے دوری کا اندھیرا ہے۔ اللہ کے نور کی محرومی سے شعور میں تاریکی آ گئی ہے۔ انہیں قیامِ قیامت میں شبہ ہے اس لیے اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔ اللہ سے دوری کا نتیجہ ہے کہ بندہ گناہ کرتا ہے اور اس پر جو سزا ہے اس سے بے خوف ہوتا ہے۔ لوگوں سے چھپ کر چوری کیوں کرتے ہیں؟ اسی لیے کہ انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ لوگ تو شاید نہیں دیکھ رہے مگر اللہ تو ہر آن دیکھ رہا ہے۔ گناہوں کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ذاتِ باری کا انکار پیدا کرتا ہے اس انکار میں آگے سے آگے بڑھ جاتا ہے اور سمجھتا ہے، ہے ہی کوئی نہیں۔ اگر عظمتِ الٰہی کا ادراک ہو، پتا ہو کہ اللہ روبرو ہے، قیامت پر ایمان ہو، حساب کتاب پر یقین ہو تو کون بددیانتی کر سکتا ہے؟ ان کا یقین متزلزل ہو گیا ہے۔ انہیں یہ خیال ہی نہیں رہا کہ اللہ کے حضور جانا ہے اور جوابدہی بھی ہونی ہے۔ **غفلت سب سے بڑا گناہ ہے جو باقی گناہوں کا سبب بنتا ہے۔ یادِ الٰہی سب سے بڑا ہتھیار ہے جو حفاظت کرتا ہے۔ اللہ کی یاد سے غفلت گناہوں کی بنیاد ہے۔** ہر گناہ ایک الگ قسم کی تاریکی چھوڑتا ہے۔ آدمی اس میں اندھا، بہرا ہو جاتا ہے، انکار کر بیٹھتا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ ہر شئے اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کا دستِ قدرت ہر چیز پر، ہر وقت محیط ہے۔

# سورۃ الشوریٰ رکوع 1 آیات 1 تا 9

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ ۙ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ
الْحَکِیْمُ ۝۳ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝۴
تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِہِنَّ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّہِمْ
وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝۵
وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ اللّٰہُ حَفِیْظٌ عَلَیْہِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْہِمْ
بِوَکِیْلٍ ۝۶ وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ
حَوْلَہَا وَتُنْذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَیْبَ فِیْہِ ؕ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی
السَّعِیْرِ ۝۷ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَہُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ
رَحْمَتِہٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَہُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝۸ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ
اَوْلِیَآءَ ۚ فَاللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ وَھُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی ۫ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۹

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ اللہ غالب (و) دانا اسی طرح آپ پر وحی بھیجتے ہیں جس
طرح آپ سے پہلے لوگوں کی طرف وحی بھیجتے رہے ہیں ﴿۳﴾ جو کچھ آسمانوں
میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے اور وہ عالی مرتبہ (اور) گرامی قدر
ہے ﴿۴﴾ ہو سکتا ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے
پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور زمین میں بسنے
والوں کے لیے معافی طلب کرتے ہیں خوب جان لو! کہ بے شک اللہ ہی معاف
کرنے والے، رحمت کرنے والے ہیں ﴿۵﴾ اور جن لوگوں نے اس (اللہ) کے

سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، اللہ ان کو دیکھ بھال رہے ہیں اور آپ کو ان پر داروغہ بنایا گیا ﴿۶﴾ اور اسی طرح آپ پر (یہ) قرآن عربی (زبان میں) وحی فرمایا ہے تا کہ آپ (پہلے پہل) بڑے شہر (مکہ مکرمہ کے رہنے) والوں کو اور ان کے اردگرد والوں کو ڈرائیں اور قیامت کے دن سے ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ﴿۷﴾ اور اگر اللہ چاہتے تو ان کو ایک ہی جماعت بنا دیتے ولیکن وہ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت میں داخل فرما لیتے ہیں اور ظالموں کا کوئی حامی اور مددگار نہیں ﴿۸﴾ کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں سو کارساز تو اللہ ہی ہیں اور وہی مُردوں کو زندہ کریں گے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں ﴿۹﴾

# تفسیر و معارف

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ حروفِ مقطعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر قرآن کے معنی نہ بھی آتے ہوں تو اس کی تلاوت سے قلب پر کیفیات ضرور وارد ہوتی ہیں جسے تلاوت کا ثواب کہتے ہیں۔ ثواب کا معنیٰ اجر ہے۔ قرآنِ حکیم میں آتا ہے: هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (المطففین: 36) تو کافروں کو ان کے کردار کا (پورا پورا) بدلہ مل گیا۔ قرآن کے مطابق ثواب، بدلے، اجرت یا اجر کو کہتے ہیں۔ اصل ثواب کیا ہے؟ ایک کیفیت ہے اللہ کی عظمت کی کیفیت، گناہ سے نفرت کی کیفیت، آخرت سے رغبت کی کیفیت، حق پر قائم ہونے کی کیفیت جو دل پر وارد ہوتی ہے۔ حروفِ مقطعات قرآن کا حصہ ہیں انہیں تلاوت کرنا ضروری ہے۔ ان کے معنی جاننا ضروری نہیں۔ یہی بات ثابت کرتی ہے کہ اگر قرآن کے معنی نہ بھی آتے ہوں تو تلاوتِ قرآن سے یہ کیفیاتِ ایمانی دل پر ضرور اثر کرتی ہیں لہٰذا تلاوت کرتے رہنا چاہیے۔ معنی آتے ہوں تو نورٌ علیٰ نور اور تفسیرِ قرآن، قرآن کو سمجھنے کی کوشش ہے۔ یہ کوشش کریں گے تو عمل بھی قرآن کے مطابق کر سکیں گے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر خصوصی فضل:

جب سے دنیا میں انسان آیا تب سے اللہ کے احکام بھی آئے اور مسلسل آتے رہے تا کہ لوگوں کو

ہدایت کے راستے کی راہنمائی ہوتی رہے۔ فرمایا: كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ اللہ غالب (و) دانا اسی طرح آپ پر وحی بھیجتے ہیں جس طرح آپ سے پہلے لوگوں کی طرف وحی بھیجتے رہے۔

فرمایا، اے میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہم پہلے انبیاؑ پر بھی وحی بھیجتے رہے اسی طرح آپ پر بھی وحی بھیجتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر اللہ کریم کا خصوصی کرم ہے کہ تمام انبیاؑ پر وحی آتی رہی لیکن سب سے زیادہ بار آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر آئی۔ علامہ سیوطی نے شمار کر کے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر دس (10) مرتبہ وحی آئی۔ آپؑ کی عمر مبارک سینکڑوں برسوں میں تھی۔ نوح علیہ السلام تقریباً ساڑھے چودہ سو سال دنیا میں رہے۔ آپؑ پر پچاس (50) مرتبہ وحی نازل ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تقریباً سوا سو (125) سال عمر پائی۔ آپؑ پر اڑتالیس (48) مرتبہ وحی نازل ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیام دنیا میں تھوڑا تھا پھر آسمانوں پر تشریف لے گئے، پھر تشریف لائیں گے۔ آپؑ پر دس (10) مرتبہ وحی آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر تئیس برس وحی نازل ہوتی رہی اور تئیس برسوں میں چوبیس (24) ہزار مرتبہ وحی نازل ہوئی! یہ چوبیس ہزار مرتبہ کی وحی کیا ہے؟ یہ قرآنِ کریم ہے، یہی وہ وحیٔ الٰہی ہے جو مردہ دلوں، مردہ روحوں کو حیات بخشتی ہے۔ یہ نظامِ حیات ہے۔

## وحی کا ماحصل کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور تمام انبیا علیہم السلام پر جتنی وحی آئی اس کا خلاصہ کیا ہے، اس کا ماحصل کیا ہے؟ یہی کہ اللہ سب پر غالب ہے۔ اس کی عظمت میں کوئی شریک نہیں۔ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ اس کے مقابلے میں کسی کی بات نہیں مانی جائے گی۔ وہ سب سے زیادہ طاقت والا ہے لیکن وہ حکیم بھی ہے، حکمت والا ہے۔ اس کی حکمت ہے کہ اس نے انسانوں کو مہلت دے دی ہے۔ اگر ہر گناہ پر پکڑا جاتا تو پہلے گناہ پر ہی پکڑا جاتا۔ شاید مزید گناہ نہ کرتا کہ فرصت اور مہلت ہی نہ ملتی۔ یاد رہے! اس نے مہلت دی ہے، بے مہار نہیں چھوڑا۔ لوٹ کر اسی کی بارگاہ میں آنا ہے وہ غالب ہے پکڑ کر لائے گا اور لوگوں کو اپنے افعال و اعمال کا جواب دینا ہوگا۔

سب کچھ اسی کا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب اسی کا ہے اور وہ عالی مرتبہ (اور) گرامی قدر ہے۔

انسان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ کائنات میری ہے تجھے میں نے اپنی نیابت کا بلند مرتبہ دیا ہے۔ اپنی کائنات تیری خدمت کے لیے مسخر کر دی ہے۔ تجھے اپنا نائب بنایا ہے کہ میری چیزیں میرے حکم کے مطابق استعمال کر۔

میرے سورج، چاند سے، میری زمین کھیتی سے استفادہ کر لیکن یاد رکھ یہ سب کچھ میرا ہے، میری منشا کے خلاف نہ کر ورنہ مارا جائے گا۔ تُو یہ کیسے کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے، میری جائیداد ہے، میری ریاست ہے۔ کچھ نہیں تیرا! ایک دن تُو خود مردہ ہوگا۔ لوگوں کے بس میں ہوگا۔ چاہے تجھے کفن دیں یا یونہی پھینک دیں۔

میرے تمام انبیاؑ یہ پیغام لائے کہ اللہ بہت عالی مرتبت، بہت عظیم ہے۔ اس کی شان بہت بلند ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ واحد لاشریک ہے۔ انبیاؑ نے انسانوں کو بتایا کہ زمین و آسمان اللہ کے ہیں۔ تم اس کے گھر میں ایک مہمان ہو۔ تم اس سرائے میں چندروز کے لیے ہو۔ اس مہمان گھر کو خراب نہ کرو، بدتمیزی سے مت رہو کہ دیواروں پر سالن مل دو اور بستر جو سونے کے لیے دیا تھا اُسے آگ لگا، کمروں میں توڑ پھوڑ کر دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم سے پوچھوں گا کہ میرا گھر تھا، استعمال کے لیے دیا تھا، تم نے کیا کیا؟ زندگی اسی طرح کی مہلت ہے۔ انسان، یہاں اللہ کے حکم کے مطابق اس کی چیزیں استعمال کرنے کا پابند ہے۔ یہی دین ہے اور دین ہرگز مشکل نہیں۔ اللہ کریم شعور دیں، سمجھ دیں، توفیقِ عمل دیں۔ (آمین)

## آسمانی مخلوق اور اس کے کام:

ہمارے سامنے زمین اور اس کے باسی ہیں۔ ہم انہیں شمار نہیں کر سکتے۔ خشکی پر، ہوا و فضا میں، پانیوں میں، سمندروں میں اللہ کی کتنی مخلوق ہے، وہ خود ہی جانتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر:31) اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ صرف وہ خود ہی جانتا ہے کہ کہاں کہاں ہیں۔ وہ خود ہر ایک کو پال رہا ہے۔ جب ہم زمین کی ہی مخلوق سے کماحقہٗ آگاہ نہیں تو کیا جانتے ہیں کہ آسمانوں میں کتنی مخلوق ہے۔ آسمانوں میں اتنی مخلوق ہے کہ ایسا لگتا ہے، ان کے بوجھ سے آسمان پھٹ جائیں گے۔

فرمایا: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ہوسکتا ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور زمین میں بسنے والوں کے لیے معافی طلب کرتے رہتے ہیں۔ خوب جان لو! کہ بے شک اللہ ہی معاف کرنے والے، رحمت کرنے والے ہیں۔

فرمایا، آسمانوں کی مخلوق تعداد میں اس قدر زیادہ ہے کہ ایسا لگتا ہے گویا ان کے بوجھ سے آسمان پھٹ جائیں گے۔ زمینی مخلوق تو نظر آتی ہے اور ان کے کام بھی نظر آتے ہیں۔ ہر ایک کو اللہ نے اس کی زندگی کا پروگرام دے رکھا ہے وہ اس میں لگے ہوتے ہیں۔ انسان سے لے کر ادنیٰ حیوان تک روزی تلاش کرنے، گھر بنانے اور بسانے،

مرنے جینے کے بکھیڑوں میں پڑے رہتے ہیں تو آسمانی مخلوق کیا کام کرتی ہے؟ فرشتوں کا پہلا کام ذکرِ الٰہی ہے۔ وہ ہمہ وقت اس کو یاد کرتے ہیں۔ اس کی عظمت کے گن گاتے ہیں۔ اس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں۔ کوئی لمحہ ان کا، یادِ الٰہی سے خالی نہیں ہوتا۔ انہیں زمینی مخلوق کی طرح کوئی ضرورت اور حاجت نہیں ہے۔ روزی کی تلاش ہے نہ کمرہ مکان چاہیے۔ ان کے لیے گرمی، سردی نہیں اور اس کے لوازمات نہیں۔ ان کی غذا بھی ذکرِ الٰہی ہے، دوا بھی ذکرِ الٰہی اور ان کی حیات بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ اللہ کریم نے ان کا دوسرا کام یہ بنا دیا ہے کہ زمین پر رہنے، بسنے والے انسانوں کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ ان کی بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ انسان تو دنیا کو مصیبت سمجھتا ہے، شکایت کرتا ہے کہ بارالٰہا! اتنی رنگین دنیا بنا کر، اتنے خوبصورت رشتے، بیویاں، اولاد دے کر، اتنے پرکشش عہدے، اقتدار، گھر، گاڑیاں دے کر مجھے ان کی برائیوں سے بچنے کا حکم دے دیا ہے۔ یہ کتنا مشکل ہے! انسان یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ نے مرض تھوڑے دیے ہیں اور دوائیں زیادہ دی ہیں۔ دنیا کو پرکشش بنا کر ساتھ اپنی ہدایات بھی دی ہیں کہ ان کو اس طرح استعمال کرو تاکہ دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔ انبیاؑ جیسے طبیب دیے ہیں جو ہر مرض کی شفا کا اہتمام کرتے ہیں پھر اگر کوئی مریض، دوا بھی چھوڑ دے تو یقیناً مرے گا۔ اس میں کسی کا کیا قصور! اللہ تو اتنے کریم ہیں کہ آسمانوں میں ایک کثیر مخلوق پیدا کر کے انہیں اس کام پر لگا رکھا ہے کہ اہلِ زمین کی بخشش کی دعائیں کرتے رہیں۔ اللہ کریم تو بہت کرم کرنے والے ہیں، بڑے رحیم ہیں۔ فرشتوں کو اپنے بندوں کی بخشش کی دعائیں کرنے پر مامور کر رکھا ہے۔

اللہ کریم کے اتنے اہتمام کے بعد بھی کوئی نافرمان ہی رہنا چاہے تو کیا ہو سکتا ہے؟ جیسے کوئی ہمدرد کسی مریض کو ہسپتال لے جائے، اسے بیڈ دیا جائے، ہسپتال کے ڈاکٹر اس کا علاج کریں، اس کی حفاظت پر گارڈ لگا دیے جائیں اور وہ دوا بھی نہ لے، ڈاکٹروں کو چھوڑ کر، گارڈوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے تو پھر مرتا ہے تو مرے!

اللہ کریم نے اتنا احسان کیا کہ انبیاؑ بھیجے، کتابیں نازل کیں، توبہ کا دروازہ کھول دیا کہ ساری عمر کفر کرتے رہے ہو، ایک بار سچی توبہ کرلو، ساری زندگی گناہ کرتے رہے ہو، خلوصِ دل سے توبہ کرلو، اطاعت اختیار کر لو: یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (الفرقان: 70) اللہ ایسے لوگوں کو ان کے (گزشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائیں گے۔

تم برائی کرتے رہے ہو، لیکن میں تمہاری توبہ قبول کر کے تمہیں انعامات دوں گا، نیکیوں کا بدلہ دوں گا۔ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ اگر توبہ کرلو تو بہت اچھی طرح سن لو! یقیناً اللہ بہت بڑا بخشنے والا ہے۔ تمہارا کوئی گناہ اس کی بخشش کو عاجز نہیں کرسکتا۔

توبہ کر لینے کے بعد انسان کو توبہ پر قائم رہنے کے لیے ایسی مخلوق اور مجالس میں جانا چاہیے جہاں نیکی کرنا آسان ہو کیونکہ انسان جیسی مجالس میں رہتا ہے وہ اسے متاثر کرتی ہیں۔

بخاری شریف میں ایک واقعہ ملتا ہے جو کچھ یوں ہے: عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال: ''كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ إِنْسَانًا، ثُمَّ خَرَجَ يَسْأَلُ فَأَتَى رَاهِبًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ: هَلْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ: لَا. فَقَتَلَهُ. فَجَعَلَ يَسْأَلُ. فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ ائْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَكَذَا فَأَدْرَكَهُ الْمَوْتُ. فَنَاءَ بِصَدْرِهِ نَحْوَهَا. فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ. فَأَوْحَى اللهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَقَرَّبِي وَ أَوْحَى اللهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَبَاعَدِي، وَقَالَ: قِيسُوا مَا بَيْنَهُمَا. فَوُجِدَ إِلَى هَذِهِ أَقْرَبَ بِشِبْرٍ. فَغُفِرَ لَهُ'' (بخاری: کتاب احادیث الانبیا باب حدیث الغار)

ترجمہ: روایت کیا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے خون ناحق کیے تھے پھر وہ نادم ہو کر توبہ کا مسئلہ پوچھنے نکلا۔ وہ ایک عالم کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کیا اس گناہ سے توبہ قبول ہونے کی کوئی صورت ہے؟ درویش نے جواب دیا کہ نہیں۔ یہ سن کر اس نے اس درویش کو بھی قتل کر دیا (اور سو خون پورے کر دیے) پھر وہ (دوسروں سے) پوچھنے لگا۔ آخر اس کو ایک درویش نے بتایا کہ فلاں بستی میں ایک مرد حق کے پاس چلا جا۔ (وہ آدھے راستے بھی نہیں پہنچا تھا کہ) اس کی موت واقع ہو گئی۔ مرتے مرتے اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف جھکا دیا۔ آخر رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں باہم جھگڑا ہوا۔ (کہ کون اسے لے جائے) لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو (جہاں وہ توبہ کے لیے جا رہا تھا) حکم دیا کہ اس کی نعش سے قریب ہو جائے اور دوسری بستی کو (جہاں سے وہ نکلا تھا) حکم دیا کہ اس کی نعش سے دور ہو جا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اب دونوں کا فاصلہ دیکھو اگر وہ اس بستی کے زیادہ قریب ہے جہاں وہ توبہ کے لیے جا رہا تھا تو اس کی بخشش ہو گئی۔ جب فاصلہ ناپا گیا تو اس بستی کو (جہاں وہ توبہ کے لیے جا رہا تھا) ایک بالشت نعش سے نزدیک پایا اس لیے وہ بخش دیا گیا۔

اس کی تشریح یوں ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص لڑائی جھگڑے اور قتل وغیرہ میں بڑا معروف تھا۔ ننانوے قتل کر چکا تھا لیکن اس کے ضمیر میں خلش تھی کہ زیادتی کر رہا ہوں، توبہ کرنی چاہیے تو وہ کسی عالم کے پاس گیا۔ صورتِ حال بتائی کہ میرے ہاتھوں ننانوے لوگ قتل ہو چکے ہیں لیکن چاہتا ہوں کہ توبہ کروں تو کیا میرے جیسے شخص کے لیے بھی کوئی گنجائش ہے؟ جیسا کہ عموماً عام علمائے ظاہر کی عادت ہوتی ہے (سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے) تو وہ بھڑک اٹھے کہ تم نے ننانوے لوگ قتل کر دیے، بدمعاش! اب توبہ یاد آئی ہے۔ وہ تو پہلے ہی غصیلہ آدمی تھا۔ جب

عالم صاحب نے لعن طعن کی تو اس نے تلوار گھمائی اور اس کا سر بھی اڑا دیا۔ کچھ عرصہ گزرا تو وہ جو اندر کی خلش تھی وہ کسک پھر اٹھی۔ اس مرتبہ کسی صاحبِ دل کے پاس جا پہنچا۔ انہوں نے فرمایا، انسان کے گناہ اللہ کریم کی بخشش کو عاجز نہیں کر سکتے۔ تُو ایک سو قتل کر چکا ہے، تُو اس سے بھی زیادہ کر چکا ہوتا اور اللہ کریم سے توبہ کرتا، بخشش مانگتا، رجوع الی اللہ کرتا تو وہ بخشنے پر قادر ہے۔ خلوصِ دل سے توبہ کر لے، اللہ معاف کرنے والا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھ! اسی ماحول میں واپس جائے گا تو پھر ویسا ہی ہو جائے گا۔ کوئی طعنہ دے گا کہ اب نیک ہو گیا ہے، کوئی تیری گردن اڑا دے گا لہٰذا اپنے علاقے میں واپس نہ جا بلکہ فلاں علاقے میں چلا جا۔ وہاں نیک لوگ بستے ہیں۔ اللہ کو ہمہ وقت یاد کرتے ہیں۔ وہ تیری توبہ اور یادِ الٰہی میں معاون ہوں گے۔ وہ اس بستی کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اسے موت آ گئی۔ نیکوں کی بستی تک پہنچ ہی نہ سکا۔ موت آئی تو جنت کے فرشتے بھی آ گئے اور دوزخ کے فرشتے بھی پہنچ گئے۔ جہنم کے فرشتے اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ جنت والے کہتے تھے یہ توبہ کر چکا ہے۔ فرشتے زمین ماپنے لگے تو اللہ کریم نے زمین کو حکم دیا کہ نیکوں کی طرف سمٹ جا۔ آخر وہ میرے راستے پر چل پڑا تھا۔ دنیا کو اللہ نے اسباب پورے کرنے کی جگہ بنایا ہے۔ فرشتوں کو سبب پورا کرنے کا حکم دیا اور خود اسباب کو بدل دیا۔ اللہ کے کرم کی کوئی حد نہیں اور اس کی بخشش کی وسعت لامحدود ہے۔ اس کے باوجود انسان کہتا ہے:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زُہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی
(غالبؔ)

ہم لوگ بھی عموماً ایسی ہی بات کہتے ہیں کہ دل نہیں چاہتا۔ فرصت نہیں۔ ہو نہیں پاتا۔

اس آیۂ کریمہ میں یہ بات واضح کر کے بتائی گئی ہے کہ دیکھو! میں نے تمہاری بخشش کے کتنے اسباب بنائے ہیں۔ آسمانوں میں اپنی اتنی مخلوق بنائی ہے جس کے بوجھ سے، لگتا ہے آسمان ٹوٹ جائیں گے۔ وہ ہمہ وقت تمہاری بخشش کے لیے دعا گو ہوتے ہیں۔ زمین پر انبیا علیھم السلام تشریف لاتے رہے۔ اللہ کی مقدس کتابیں آتی رہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم النبیّین مبعوث فرما دیے، قرآنِ حکیم اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کو تا قیامت قائم کر دیا۔ تمہیں اپنی پہچان کی استعداد عطا کر دی۔ تمہیں اختیار دے دیا کہ میری اطاعت کا راستہ چن لو، اطاعت کر لو، نہیں کرنا چاہتے تو نہ کر کے دیکھ لو! اور تم اپنی ضد پر اڑ گئے تم نے کہا، بس طبیعت نہیں مانتی! تو پھر بھگتو! جہنم کا راستہ ذلت کا راستہ ہے۔ برائی کرو گے، ظلم کرو گے جہنم ہی میں پہنچو گے۔ ہر گناہ پر دنیا میں بھی لعن طعن ہے، جرم پر قید ہے، برائی پر بے سکونی ہے۔ اللہ کی اطاعت کرو گے تو کائنات کا ذرہ ذرہ تمہاری عزت بھی کرے گا، پیار بھی کرے

گا، ماحول اور معاشرہ پسند کرے گا، دل مطمئن ہوگا، روح خوش ہوگی اور ابدی ٹھکانہ جنت ہوگا۔

فیصلہ تمہارا ہے۔ اگر ان سب احسانات کے باوجود اسی پر قائم رہنا چاہتے ہو کہ اطاعتِ الٰہی پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی تو پھر جدھر طبیعت ہوتی ہے جاؤ اور انجام کو بھگتو۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ اور جن لوگوں نے اس (اللہ) کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، اللہ ان کو دیکھ بھال رہے ہیں اور آپ کو ان پر داروغہ نہیں بنایا گیا۔

اس سب کے باوجود جو اللہ کی بارگاہ چھوڑ کر غیر اللہ کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے والا، اپنا دوست، مشکل کشا سمجھ لے۔ اللہ کے حکم کے خلاف اس کی اطاعت کرے، چاہے کسی فرد کی اطاعت کرے، کسی درخت کی، پتھر کے بُت کی، کوئی چیز بھی ہو۔ اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق سے امیدیں رکھے تو وہ یہ جان لے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زبانوں پر ہے اور جو کچھ دل میں ہے۔

اس آیت کا یہ پہلو بہت لرزا دینے والا ہے جس میں اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو ان پر داروغہ نہیں بنایا گیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منصبِ جلیلہ یہ نہیں ہے کہ آپ بھاگتوں کو پکڑیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام اتنا ہے کہ جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیغام کو قبول کرلے اسے آپ سینے سے لگا لیں۔ اور جو منہ پھیر کر چل دے آپ اسے جانے دیں اس کی پروا چھوڑ دیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ یاد رہے! یہ زمانہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہے۔ قرآن کے احکامات نافذ کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ قرآن کے احکام وہی ہیں۔ قیامت تک عہد نبوت ہے اور قرآن کی حکومت ہے۔ اسے اپنانا ہمارا کام ہے۔ ورنہ ہم بھی ان لوگوں میں سے ہوجائیں گے جن کی پروانہ کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔

## قرآن اللہ سے ہم کلامی کی لذت عطا کرتا ہے:

قرآنِ حکیم اللہ کریم کا ذاتی کلام ہے۔ اس کی اگر ایک آیت کو ہی لے لیں تو ہدایت کا حق ادا کردیتی ہے۔ ایک آیت پوری زندگی کا احاطہ کر لیتی ہے۔ یہ تو اس کا احسان ہے کہ اس نے پورا قرآن نازل فرما دیا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہی دونوں جہانوں کے سوالوں کے جواب کے لیے کافی تھا۔ یہ اتنا خوب صورت کلام اس لیے عطا ہوا کہ بندہ اپنے اللہ سے ہمکلام ہو، اس کی لذت پاسکے۔

فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦ اور اسی طرح آپ پر (یہ) قرآن عربی (زبان

میں ) وحی فرمایا ہے تاکہ آپ ( پہلے پہل ) بڑے شہر ( مکہ مکرمہ کے رہنے ) والوں کو اور ان کے اردگرد والوں کو ڈرائیں اور قیامت کے دن سے ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں۔ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم عربی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان عربی ہے۔اللہ کا ذاتی کلام، قرآنِ حکیم عربی میں ہے۔ اہل جنت عربی میں گفتگو کریں گے۔عربی زبان اس لیے دنیا بھر کی زبانوں میں مقدس ترین زبان ہے۔عربی زبان کی وسعت اور جامعیت ایسی ہے کہ دنیا بھر کی زبانوں سے مقابلہ کر کے دیکھ لیں ایک وسیع المعانی مضمون کو عربی کس جامعیت سے چند جملوں میں سمو لیتی ہے، بعض اوقات ایک جملہ ہی کافی ہو جاتا ہے جبکہ وہی مضمون کسی دوسری زبان میں بیان کیا جائے تو ایک طویل عبارت لکھنا پڑتی ہے۔ یہ ساری خوبیاں اپنی جگہ لیکن جو لذت اس کلامِ الٰہی میں ہے وہ اس کی خاص صفت ہے۔اس میں عظمت وجلالتِ باری کی لذت الگ ہے، نورِ نبوت کی ضوفشانیاں الگ ہیں۔اللہ کی باتیں ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ حق ترجمان سے نکلی ہیں۔ یہ اللہ سے ہمکلامی کی لذت دیتی ہیں۔

فرمایا، میں نے یہ عظیم کتاب، سب سے بڑے مکرم شہر مکہ مکرمہ میں نازل فرمائی۔وَمَنْ حَوْلَهَا سے مراد ہے، مکہ کے اردگرد اور تمام اہلِ زمین۔ مکہ مکرمہ میں جہاں بیت اللہ شریف ہے، یہ وہ نقطہ ہے جس سے زمین تخلیق ہوئی۔ پہلے پانی ہی پانی تھا۔اس پر یہ ایک نقطہ تھا جس پر بیت اللہ شریف ہے۔اس کو پھیلا کر اللہ نے ساری زمین بنائی۔اسی شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر قرآن نازل فرمایا۔ **جس طرح زمین پھیلی تھی یہ پیغام بھی اسی طرح یہاں سے پھیل کر چاردانگ عالم میں پہنچا۔**

اللہ کریم کے ان سارے انتظامات کا، نبوت ورسالت کا، اپنے ذاتی کلام نازل کرنے کا مقصد کیا تھا؟ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم لوگوں کو بروقت مطلع کر دیں، انہیں بتادیں کہ ایک دن ایسا آرہا ہے جب تمام نوعِ انسانی ایک جگہ جمع ہوگی۔آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کا آخری انسان، سب ایک ہی دن، ایک ہی وقت میں، ایک ہی میدان میں کھڑے ہوں گے۔اس دن کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ڈرو اس دن سے۔اس کا اہتمام کرو۔ اپنے بچاؤ کے اسباب اختیار کرو۔ وہاں ساری انسانیت دو دھڑوں میں بٹ جائے گی۔ایک طبقہ جنت میں چلا جائے گا، دوسرا دوزخ میں چلا جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ جنت والوں کے اپنے اپنے مدارج ہیں اور دوزخ والوں کے اپنے اپنے درجے لیکن بنیادی طور پر ساری مخلوق دو حصوں میں بٹ جائے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثتِ عالی کا مقصد یہ ہے کہ بندہ خود کو تلاش کرے وہ کس طبقے میں ہے۔قرآن، جنتیوں کی کیا نشانیاں بتاتا ہے؟ ان کے عقائد کیا ہوں گے، ان کا کردار کیسا ہوگا۔اپنا جائزہ لے کر میرے عقائد کیا

ہیں، میرا کردار کیا ہے؟ جہاں غلطی ہے اصلاح کر لے۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے، رجوع الی اللہ کر لے، اپنی اصلاح کر لے۔ نہیں تو پھر جہنم سامنے ہے۔

اللہ چاہتا؟ تو سب کو ایک جیسا کر دیتا؟ لیکن اس نے راستہ منتخب کرنے کا اختیار بخش دیا لوگوں نے اپنے لیے راستہ منتخب کرنا ہے۔ دونوں میں سے جو راستہ اختیار کریں اسی طبقے میں چلے جائیں گے۔

فرمایا: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞ اور اگر اللہ چاہتے تو ان کو ایک ہی جماعت بنا دیتے ولیکن وہ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت میں داخل فرما لیتے ہیں۔ اور ظالموں کا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔

اللہ چاہتا تو سب ایک جیسے ہوتے، کوئی انکار نہ کر سکتا لیکن اسے یہ بات پسند آئی کہ جب میں نے انسان کو بہترین طور پر تخلیق کیا، اسے دل دیا، وہ شعور دیا کہ وہ میری معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ وہ جان سکتا ہے کہ اللہ کون ہے، کہاں ہے، کیسا ہے، اس کی عظمت کیا ہے، اس کا حکم کیا ہے، وہ کس بات پر راضی ہے، اس کے مجھ پر کس قدر احسانات ہیں۔ انسان کو یہ سب عقل و شعور عطا کرنے کے بعد اللہ کریم پسند نہیں کرتا کہ وہ اسے رسّی سے باندھ کر اپنی بارگاہ میں رکھے اس نے اسے آزاد رکھا ہے کہ یہ سب سننے، جاننے کے بعد وہ میری اطاعت کرنا چاہتا ہے تو آ جائے اور نہیں چاہتا تو نہ کر کے دیکھ لے! اگر اللہ چاہتا تو یہ اختیار بھی نہ دیتا اور سب ہی اس کی بارگاہ میں سربسجود ہوتے لیکن اللہ نے چاہا کہ اس نے انسان کو اتنے کمال عطا کیے ہیں تو ایک آزمائش اور امتحان بھی ہونا چاہیے۔ یہ اپنی مرضی سے کسے چنتا ہے۔ مجھے چنتا ہے یا وقتی لذات کو؟

اس سب کے باوجود پھر جو اللہ کا در چھوڑ کر دوسرے دروازوں پر سر پٹکتے ہیں، وہ یہ دیکھ لیں کہ جب قیامت قائم ہوگی تو ان کا کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مدد کرے گا۔ ان کے لیے کوئی حمایتی نہیں ہوگا۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ؗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں۔ سو کارساز تو اللہ ہی ہیں اور وہی مردوں کو زندہ کریں گے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

یہ لوگ ایسے جاہل ہیں کہ اللہ کے مقابلے میں دوسروں کو اپنا کارساز مانتے ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ ان سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔ ان کی جہالت کی کوئی حد نہیں! کوئی ان سے پوچھے، بھلا مردوں کو کون زندہ کرے گا؟ تمہارے پیر صاحب کریں گے، کوئی برہمن کرے گا، کوئی بت کرے گا، کون مردے زندہ کرے گا، کون ان سے حساب لے گا؟ وہی جس نے عدم سے وجود دیا۔ خاک سے انسان بنایا، انسان سے پھر خاک

کردیا، پھر خاک سے کون کھڑا کر کے میدانِ حشر میں لائے گا۔ اس سے پناہ چاہو، اس سے مدد مانگو۔ یہ جنھوں نے خود مرکر مٹی ہوجانا ہے وہ تمہاری کیا دادرسی کریں گے۔ صرف اللہ ہی وہ ذات ہے جو ہر فرد کا، ہر ذرّے کا ولی ہے۔ مالک ہے، خالق ہے، کارساز ہے، حمایت کرنے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔

## معرفتِ الٰہی کی ایک روشن مثال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف فرما تھے، ایک بدو حاضرِ خدمت ہوا عربی میں دیہاتیوں، گاؤں کے رہنے والوں، صحراؤں میں بسنے والوں کو بدوی کہتے ہیں۔ اس نے عرض کی کہ مرنے کے بعد ہمارا حساب کون لے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اللہ کریم لیں گے! یہ سن کر وہ بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا، پھر تو ہم بچ گئے، ہم بخشے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا، وہ کیسے؟ کہنے لگا، اللہ بڑا کریم ہے اور کریم جب کسی پر قابو پالیتا ہے تو معاف کردیتا ہے۔ اس سے بدلے نہیں لیتا۔ یہ کہہ کر وہ خوش خوش چل دیا۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ جب تک وہ نظر آتا رہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اسے دیکھتے رہے اور فرماتے رہے کہ اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا، اپنے پروردگار کو پہچان لیا! آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس کی یہ بات بہت پسند آئی۔

اس آیہءِ کریمہ کو اللہ کی قدرت اور اس کی شان کے بیان پر مکمل فرمایا کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔ یہ سوال بے جا ہے کہ وہ کیسے زندہ کرے گا۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ تم نہیں تھے تو تمہیں وجود دے دیا۔ عدم سے پیدا کر دیا۔ اسی وجود کو فنا کر کے دوبارہ کھڑا کردے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ اس کی عظمت بہت ارفع اور اس کی قدرت ہر شَے پر محیط ہے۔

# سورۃ الشوریٰ رکوع 2 آیات 10 تا 19

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿١٠﴾ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ
شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿١١﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٢﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ
الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ
وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى
الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ
مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ
الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿١٤﴾ فَلِذٰلِكَ
فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ
وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ ﴿١٥﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ
حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ

الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَالۡمِیۡزَانَ ؕ وَمَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ
قَرِیۡبٌ ﴿۱۷﴾ یَسۡتَعۡجِلُ بِہَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہَا ۚ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ
مِنۡہَا ۙ وَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ
بَعِیۡدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰہُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِہٖ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَہُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ ﴿۱۹﴾

اور تم جس بات میں کچھ اختلاف کرتے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے یہی اللہ میرا پروردگار ہے، میں اُسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ﴿۱۰﴾ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا، اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے ہیں اور چارپایوں کے بھی جوڑے (بنائے) اسی طرح تمہاری نسل چلاتا ہے کوئی چیز اُس کی مثل نہیں اور وہ سنتا (اور) دیکھتا ہے ﴿۱۱﴾ اُسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی جس کو چاہے زیادہ روزی عطا کرے اور (جس کو چاہے) کم کردے بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿۱۲﴾ اُس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر فرمایا ہے جس کا اُس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو حکم فرمایا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس بات کی طرف آپ مشرکین کو بلاتے ہیں وہ ان کو بڑی گراں گزرتی ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو اُس کی طرف رجوع کرے اُسے اپنی طرف راستہ دکھا دیتا ہے ﴿۱۳﴾ اور یہ لوگ جو الگ الگ ہوئے ہیں تو علم آچکنے کے بعد صرف آپس کی ضد سے (ہوئے ہیں) اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقررہ تک بات نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور بے شک جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے وہ اس سے ایسے شک میں پڑے ہیں جس نے (ان کو) تردد میں ڈال دیا ہے ﴿۱۴﴾ سو آپ اُسی (دین) کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہیے اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اس پر

قائم رہیے اور ان کی خواہشات پر نہ چلیے اور فرما دیجیے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میں ان سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تم میں انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارے اور تمہارے پروردگار ہیں ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، ہماری اور تمہاری کوئی بحث نہیں اللہ ہم سب کو جمع فرمائیں گے اور ان ہی کے پاس جانا ہے ﴿۱۵﴾ اور جو لوگ جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی بات میں جب کہ یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ان کی دلیل ان کے پروردگار کے ہاں جھوٹی ہے اور ان پر (اللہ کا) غصہ ہے اور ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے ﴿۱۶﴾ اللہ وہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور ترازو (انصاف کے لیے) اور آپ کو کیا خبر کہ شاید قیامت قریب ہو ﴿۱۷﴾ جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور جو ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے یاد رکھو! کہ یقیناً جو لوگ قیامت میں جھگڑتے ہیں بڑی دور کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں ﴿۱۸﴾ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہیں، جس کو چاہتے ہیں رزق عطا کرتے ہیں اور وہ قوت والے، زبردست ہیں ﴿۱۹﴾

# تفسیر و معارف

## عالمِ انسانیت کا پہلا بڑا اختلاف:

نسلِ انسانی میں سب سے بڑا اور پہلا اختلاف تب پیدا ہوا جب انسان نے اللہ کریم کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا حاجت روا، ضرورتیں پوری کرنے والا، تمنائیں آرزوئیں بَرلانے والا ماننا شروع کردیا۔ علما کے نزدیک، آدم علیہ السلام پر جو شریعت نازل ہوئی، وہ تھا امورِ دنیا کو جاننا، سیکھنا، حصولِ رزق کے جائز ذرائع اختیار کرنا، اللہ کے منع کردہ طریقوں سے بچنا۔ حلال حرام کی تمیز۔ عقائد ضروریہ یعنی توحید، رسالت، آخرت، فرشتے، حساب کتاب مرکر جی اٹھنا۔ عباداتِ ضروریہ نماز روزہ، بنیادی احکام تھے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام تک عبادات کا یہی انداز رہا کہ انسان نکاح، طلاق کے احکام سیکھے۔ حلال طریقے سے زندگی بسر کرے، حرام اختیار نہ کرے، حصولِ رزق کے وسائل سیکھے۔ ہل کیسے چلانا ہے، بیج کیسے بونا ہے، کھیتی کیسے اُگانا ہے۔ جس کے پاس کھیتی نہیں اس نے کھیت والے کے پاس کیسے مزدوری کرنی ہے۔

## ایک سوال:

سوال یہ کیا گیا کہ اللہ کریم تو قادر ہیں، کیا وجہ ہے کہ گزشتہ انبیاؑ کی شریعتوں میں اور طرح کے احکام تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اور احکام آئے ہیں؟ اللہ تو قادر ہے شروع ہی سے تمام شریعتوں میں ایک جیسے احکام ہوتے۔

میں نے عرض کی کہ شریعت ہمیشہ دو بنیادی چیزوں پر مشتمل رہی ہے۔ ایک خبر دوسری احکام۔ خبر کیا ہے؟ توحیدِ باری تعالیٰ، رسالت، وحیٔ الٰہی فرشتے، آخرت، قیامِ قیامت،، حساب کتاب۔ آدم علیہ اسلام سے لے کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک خبر میں کبھی تبدیلی نہیں آئی۔ کلمہء اسلام ہمیشہ یہی رہا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ احکام وقت کے ساتھ بدلتے رہے۔

جس طرح کوئی پھل حاصل کرنے کے لیے درخت لگاتا ہے اور اس کا بیج مٹی میں دباتا ہے تو اس وقت کے احکام اور ہوتے ہیں کہ پہلے مٹی نرم کرو، اس میں کھاد ملاؤ، بیج ڈالو۔ مٹی سے ڈھانپو پھر پانی دو اور جب اس کی کونپل پھوٹتی ہے تو احکام بدل جاتے ہیں۔ پھر آپ اس کو مٹی سے نہیں ڈھانپتے بلکہ اس کی حفاظت کرتے ہیں، دیکھ بھال کرتے ہیں۔ جب وہ پودا بن جاتا ہے تو پھر اس کے احکام بدل جاتے ہیں۔ اب اس کے اردگرد باڑ لگانے کی ضرورت نہیں، وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اب اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی یہ حفاظت کی جائے کہ کوئی اس کی شاخ نہ کاٹے، زخمی نہ کرے، کلہاڑا نہ چلا دے۔ جب وہ پودا درخت بن جاتا ہے تو احکام بدل جاتے ہیں۔ اب اس سے پھل حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح جب انسانیت کا بیج بویا گیا، آدم علیہ السلام دنیا پر تشریف لائے تو احکام سادہ تھے۔ میاں بیوی کیسے بنیں گے، حلال حرام کیا ہوگا، کیا طریقہ جائز ہے اور کیا ناجائز؟ یہ بیج اُگ رہا تھا۔ اس کے احکام اور تھے۔ پودا بن گیا، احکام اور ہو گئے۔ چیز وہی ہے، حقیقت وہی ہے، بیج وہی ہے، بڑا ہو کر درخت بنے گا، پھل دے گا۔ یعنی خبر وہی رہی، حقیقت وہی رہی، احکام بدلتے رہے۔ جب وہ پورا کامل، مکمل درخت بن گیا تو احکام بدل گئے۔

انسانیت کی کونپل پھوٹی، احکام اور تھے۔ پودا بنا، احکام اور تھے۔ جب انسانیت اپنے کمال کو پہنچ گئی تب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں آئے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری انسانیت کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جب انسانیت نے اپنے کمال کو پہنچنا تھا تب ہی موقع تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے۔ اللہ نے ہر نبیؑ کو اپنے اپنے زمانے میں مبعوث

فرمایا۔ آدم علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی پہلے انسان اور پہلی امت کو جس قدر ضرورت تھی اتنے احکام آدم علیہ السلام کو عطا فرما دیے۔ جوں جوں نسلِ انسانی بڑھتی گئی، انبیائے کرام آتے رہے۔ خبر ایک ہی رہی۔ احکام، اس وقت کے لوگوں کی اہلیت، ان کے شعور، ان کے کاروبارِ حیات کے مطابق آتے رہے۔

اللہ ایسے کریم ربّ ہیں کہ ضرورت بعد میں پیش آتی ہے، تکمیلِ ضرورت کا اہتمام پہلے کر دیتے ہیں۔ جب انسانیت اپنے کمال کو پہنچی اور دنیا ایک عالمی گاؤں ( گلوبل ولیج ) بننے جا رہی تھی تو اللہ کریم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے مبعوث کر دیا۔ جنہوں ( آپ صلی اللہ علیہ وسلم ) نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے صدا بلند کی کہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:158)

اے لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔ اللہ نے قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے آسانی فرما دی کہ مغرب ہو یا مشرق، امریکہ ہو یا برطانیہ، ایشیا یا آسٹریلیا، سب کی ایک شریعت، ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اور ایک دین ہے۔ اللہ کریم کو پہلے سے علم تھا کہ انسانیت گلوبل ولیج بننے جا رہی ہے۔ وہ خود ہی انسانوں کو اس کی توفیق وقابلیت دے رہا تھا تو اس نے ان کے لیے پہلے سے نبوت کا اہتمام فرما دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا۔ اب احکام بدلنے کی ضرورت ختم ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تمام احکام روئے زمین پر ہر دور، ہر زمانے، ہر قوم اور ہر علاقے کے لیے یکساں قابلِ عمل ہیں۔ کہیں کوئی عمل مشکل نہیں اور نہ ہی تبدیلی کی کوئی ضرورت باقی رہنے دی گئی ہے۔

علما لکھتے ہیں کہ پہلا اختلاف ذاتِ باری کے ساتھ شرک کرنے سے شروع ہوا۔ آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام سے پہلے تک لوگ گناہ کرتے تھے، غلطیاں کرتے تھے لیکن شرک سے بچے ہوئے تھے۔ نوح علیہ السلام کی قوم سے شرک شروع ہوا۔ ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے۔ انسانیت کو تھوڑی سی ہوش آنی شروع ہوئی۔ نفع نقصان کا اندازہ ہونے لگا کہ اس کا کہا مانا تو یہ نفع دے گا، اس کا کہا نہ مانا تو نقصان پہنچا سکتا ہے تو اس کی پوجا شروع کر دی۔ اسے اپنا حاجت روا سمجھ لیا۔

یہ اختلاف جو اللہ کی ذات اور صفات میں ہے جو شرک ہے، یہ جھگڑا، یہ اختلاف انسان کا انسان سے نہیں ہے کہ کوئی انسان اس کا فیصلہ کرے۔ یہ بندے اور اس کے ربّ کا معاملہ ہے لہٰذا اس کا فیصلہ اللہ کریم خود کریں گے۔ فرمایا: وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ۔۔۔ اور تم جس بات میں کچھ اختلاف کرتے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے جس کے ساتھ تم شریک بناتے ہو، اس جیسا دوسرا کوئی ہے ہی نہیں۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ۝۱۰ یہی اللہ میرا پروردگار ہے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا

ہوں۔فرمایا،جس کے ساتھ تم شرک کر کے اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہو وہی اس کا فیصلہ کرے گا۔تم ذاتِ باری میں اختلاف کرتے ہو، بتوں کو اس کا شریک بناتے ہو، جادوگروں، نجومیوں، ستارہ شناسوں کو حاجت روا سمجھتے ہو۔تمہارا یہ جھگڑا، اللہ سے ہے لہٰذا وہی اس کا فیصلہ کرے گا۔ہاں! میں تمہیں بتادوں کہ سیدھی راہ کیا ہے؟ وہ اللہ جو اس معاملے کا فیصلہ سنائے گا، وہی میرا پروردگار ہے۔میرا حاجت روا، میرا پالن ہار، میری ضرورتیں پوری کرنے والا، مجھے پیدا کرنے والا، مجھے موت دینے والا، حساب لینے والا، رحم کرنے والا، وہی واحد ولاشریک ہے میرا بھروسہ اسی ذات پر ہے، میری ساری امیدیں اس سے وابستہ ہیں۔میں صدق دل سے اسی کی رضا کا طالب ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔انابت کا یہ مفہوم ہے یعنی دل کی گہرائیوں سے اللہ کی طرف مائل ہوجانا۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۔۔۔ پیدا کرنے والا ہے، آسمانوں اور زمین کا، اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے ہیں اور چارپایوں کے بھی جوڑے (بنائے) اسی طرح تمہاری نسل چلاتا ہے۔

دعوتِ فکر دی جارہی ہے کہ غور کرو، کچھ بھی نہیں تھا تو اس نے سب کچھ پیدا کردیا۔وہ خالق ہے اس نے عدم سے وجود عطا فرمائے۔کوئی شئے نہیں تھی اور اس نے سب اشیاء بنادیں۔نسلِ انسانی کے جوڑے انسانی نسل سے ہی بنائے اور چارپایوں کے جوڑے ان کی نسل سے بنائے۔بندہ غور کرے، زمین میں کتنی روئیدگی ہوتی ہے۔سارے اجزاء زمین میں منتشر ہیں۔چھوٹی سی جڑی بوٹی سے لے کر بڑے درخت تک سب کا حصہ مقرر ہے۔ایسا باریک اور مضبوط نظام ہے کہ ہر تخلیق اسی زمین سے صرف اپنا حصہ ہی کھاتی ہے، کسی دوسرے کا نہیں۔ایک قطار میں انار، انگور اور آم لگادیں، کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ انگور کی بیل پر آم اُگ جائیں یا انار کے درخت پر کوئی دوسرا پھل لگے۔سب صرف اپنے اجزاء ہی لیتے ہیں۔اسی طرح اللہ نے جانداروں کے جوڑے بنادیے ہیں۔گائے کی نسل سے ریچھ نہیں پیدا ہوتا اور بھینس کے ہاں کسی اور جانور کا بچہ نہیں پیدا ہوتا تو کیا تمہیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ کون مٹی سے اجزاء نکال کر مختلف غذاؤں اور دواؤں کی صورت میں اس وجود تک پہنچاتا ہے جس کے لیے متعین کر رکھا ہوتا ہے۔والدین غذا کھاتے ہیں۔باپ کے وجود میں وہ حصہ اس کی اولاد کا نصیب ہے وہ اس کی صلب میں محفوظ رہتا ہے۔وہ غذا باپ کے بدن کا حصہ نہیں بنتی۔ماں کے پیٹ میں بچے کو وہی غذا ملتی ہے جو اجزاء اللہ نے اس کے لیے مقرر کیے ہیں۔وہاں بھی اللہ کریم کا نظام ان اجزاء کو خلط ملط نہیں ہونے دیتا۔کیا اب بھی تمہیں سمجھ نہیں آتی کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے جو نظام کا خالق مالک اور پروردگار ہے! لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪ کوئی اس کی مثل نہیں اور وہ سنتا (اور) دیکھتا ہے۔

خالق، وہی واحد ولاشریک ہے۔ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ صرف وہی ہے جو ہر آن، ہر چیز کو دیکھتا ہے، ہر ایک کو سنتا ہے، ہر چیز اس کے سامنے ہے باقی سب مخلوق ہے صرف وہ خالق ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بے شک وہ سنتا، دیکھتا ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ اُسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی جس کو چاہے زیادہ روزی عطا کرے اور (جس کو چاہے) کم کردے۔ بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

مقالید کے معنی چابیاں یعنی اختیار۔ ایک خزانہ ہو جس پر تالے لگے ہوں۔ پھر جس کے پاس چابی ہے، سارا اختیار اسی کے پاس ہوگا۔ جس کے حکم پر وہ تالے کھلتے ہوں جس کے حکم پر بند ہوتے ہوں اختیار تو اُس کا ہے۔ فرمایا، آسمانوں اور زمینوں کے جتنے خزانے ہیں اس کا اختیار واحد اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ جس کی چاہے روزی فراخ کردے اور جس کی چاہے کم کردے۔ یہ سب اس کے اپنے فیصلے ہیں اور اس کے ہر فیصلے میں بھلائی ہے۔ یہ سب اسی کی حکمت ہے۔ دولت کے زیادہ یا کم ہونے کا نیک ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ نیکوں کو مفلس اور بدکاروں کو امیر بھی دیکھا ہے اور نیکوں کی حکومت کرنے اور بدکاروں کو گداگر بھی دیکھا ہے۔ اس پر تاریخ گواہ ہے۔

سلیمان علیہ السلام نبیؑ تھے اور بادشاہ بھی۔ آپؑ کے والد گرامی نبیؑ تھے۔ سلیمان علیہ السلام کی حکومت بے مثال تھی۔ جنوں، انسانوں، پرندوں، جانوروں، خشکی، تری سب پر آپؑ کی حکومت تھی۔ کتنا بڑا بادشاہ ہوگا جس کا حکم اللہ کی اتنی مخلوق پر چلتا تھا، کتنا نیک انسان ہوگا جو اللہ کا رسول علیہ السلام تھا! یہ اللہ کا اپنا کام ہے، اپنا نظام ہے جس کو چاہے، جہاں چاہے، وہاں رکھتا ہے۔

## ایک مثال:

استاذ نا المکرم کو کسی ساتھی نے خط لکھا کہ میں ذکر بھی باقاعدگی سے کرتا ہوں، نمازیں بھی پڑھتا ہوں، تلاوت بھی کرتا ہوں لیکن جو دعا مانگتا ہوں وہ پوری نہیں ہوتی۔ حضرت جی خط پڑھ کر مسکرائے اور مجھے خط پکڑا کر فرمایا، اسے تم جواب لکھو۔ میں نے اُسے لکھا، میرے بھائی! میرے اور تمہارے دنیا میں آنے سے پہلے کتنی مخلوق آئی اور گزر گئی۔ حضرت آدمؑ کے دنیا پر تشریف لانے سے پہلے یہاں جنات آباد تھے۔ آدم علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد کتنے افراد آئے، نسلوں کی نسلیں گزر گئیں، کوئی گن نہیں سکتا۔ ان سب لوگوں کے فیصلے اللہ نے خود کیے، اکیلے ہی کیے۔ اب اس نے تمہیں پیدا کر دیا، تم کتنے سال جی لوگے آخر تم بھی چلے جاؤ گے۔ اب اس تھوڑے سے عرصے میں

کیا وہ تمہارے مشورے کا پابند ہو گیا؟ مر جاؤ گے تو کس سے مشورہ کرے گا؟ لہٰذا تم اپنی جگہ پر رہو۔ اس کے کام میں مداخلت نہ کرو وہ اپنا کام خوب جانتا ہے۔ دعا کیا کرو۔ دعا کرنا عبادت ہے۔ اس کا اجر ملتا ہے۔ اللہ کریم راضی ہوتے ہیں لیکن حکم نہ دیا کرو کہ ایسا ہی ہو جیسا تم کہہ رہے ہو۔ یہ کہنا کہ میں نے دعا کی ہے اب ایسا ہو جائے۔ یہ دعا تو نہیں، یہ حکم ہے۔ اللہ پر کوئی حکم چلا سکتا ہے!

سب کچھ اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ مادّی اور روحانی نعمتیں سب اس کی اپنی ہیں جس کو چاہے عطا کر دے۔ اس نے اپنی مخلوق میں سے جسے چاہا نبیؐ بنا دیا۔ کسی کا مشورہ لیا انبیاؑ کے انتخاب میں؟ کسی کا مشورہ لیا اولیاء اللہ کے انتخاب میں؟ جس انسان نے اپنے اختیار سے نافرمانی اور انکار کا راستہ چنا، اسے اس نے دھتکار دیا۔ کوئی روک سکتا ہے اس کو! اسی طرح مادّی رزق بھی وہ خود تقسیم کرتا ہے۔ کسی کو امیر بنا دیتا ہے، کسی کو غریب۔ امتحان غربت اور امارت کا نہیں۔ امتحان اطاعتِ الٰہی کا ہے۔ دیکھتا ہے کہ جسے زیادہ ملا ہے وہ میرا فرمانبردار رہتا ہے یا اکڑ جاتا ہے۔ جسے تھوڑا ملا ہے، وہ میرے در کا ہی امیدوار رہتا ہے یا غیروں کی جُبّہ سائی کرنے لگ جاتا ہے۔ دونوں طرف آزمائش ہے اور امیری کی نسبت، کم روزی میں فائدے زیادہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فقر کو پسند فرمایا ہے۔ کتنے گناہ ایسے ہیں جو غریب، غریبی کی وجہ سے نہیں کر سکتا۔

الحمدللہ! ادوارِ زمانہ کو بڑے قریب سے اور آزما کر دیکھا ہے۔ اپنے آپ پر آزما کر دیکھا ہے۔ غریبی بھی دیکھی، متوسط آمدنی والے طبقہ کا حصہ بھی رہا۔ الحمدللہ! اللہ نے امیر بھی کر دیا۔ آج امراء میں شمار ہے لیکن جو مزے غریبی میں تھے وہ امیری میں نہیں ہیں۔ کام کیا، تنخواہ ملی، مہینے کا خرچ آ گیا۔ بے فکر تھے۔ اب ہر ماہ جیب سے لاکھوں روپے تنخواہوں میں دیتے ہیں اور دن رات کاموں کی فکر رہتی ہے کہ فلاں کام کا کیا ہوا، فلاں کام کا کیا ہوا؟ بات یہ ہے کہ غریبی و مفلسی ہو، بیماری و صحت ہو، ہر حال میں اس کی اطاعت لازم ہے۔ ساری آزمائش اسی بات کی ہے۔ بادشاہ بھی مر کر زیرِ زمین چلا جاتا ہے، فقیر بھی مر کر زیرِ زمین ہی جاتا ہے۔ وہ خود بہتر جانتا ہے کہ کسے فقیر رکھنا ہے اور کسے امیر کرنا ہے۔ اسے پتا ہے کہ کسے صحت دینی ہے اور کسے بیمار کرنا ہے لیکن اے انسان! یہ یاد رکھ کہ وہ تیرے لیے بہت کریم ہے۔ جو فیصلہ بھی کرتا ہے اس میں اس کا کرم پنہاں ہوتا ہے۔ بیماری میں گھبرا نہیں اور صحت میں اترا نہیں!

فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ ۔۔۔ اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر فرمایا ہے جس کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو حکم فرمایا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا۔

## شرک کا سبب:

جیسا کہ پہلے گزر چکا، آدم علیہ السلام کے زمانے میں شرک نہیں تھا۔ نوح علیہ السلام کے زمانے میں مادّی ترقی ہوئی تو لوگوں کے پاس وسائل اور ذرائع آ گئے تو وہ انہی وسائل و ذرائع کو مؤثر بالذات سمجھنے لگ گئے کہ ایسا کرنے سے وہ کمال ہو جاتا ہے۔ فلاں شئے کو اس انداز سے دوسری شے سے ملائیں تو فلاں شئے بن جاتی ہے تو اس میں اللہ کا کیا دخل ہے۔ وہ یہ بھول گئے کہ جن چیزوں کو ملا کر وہ ایک نئی ایجاد بنا لیتے تھے وہ چیزیں، وہ خام مال بھی تو اللہ نے بنایا۔ چیزوں کے ملنے سے جو شئے بنی، اس میں خصوصیت اور تاثیر بھی تو اللہ نے رکھی۔ جب انہوں نے اسباب کو مؤثر بالذات سمجھ لیا وہاں سے شرک شروع ہو گیا۔

فرمایا، ہم نے نوح علیہ السلام کو بھی وہی خبر دی تھی جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو دے رہے ہیں، جو ہم وحی کے ذریعے آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو بتا رہے ہیں کہ اللہ واحد ہے لاشریک ہے، قیامت برپا ہوگی، فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں۔ حساب کتاب ہوگا، نیک و بد اعمال کی جزا اور سزا ہے۔ جنت اور دوزخ ہیں۔ یہی خبر حضرت نوح علیہ السلام کو دی، اسی کا حکم ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو کیا گیا۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ نہیں کیا گیا کیونکہ آدمؑ کے دور میں شرک نہیں تھا اور انہیں شرک سے مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو کفار بھی تھے اور خود کو انبیاؑ کے پیروکار کہنے والے بھی تھے۔ کوئی کہتا، میں دینِ ابراہیم پر ہوں، کوئی موسیٰ علیہ السلام کا ماننے والا کہلواتا اور کوئی کہتا میں عیسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہوں۔ اگر مانتے ہو تو اُنؑ پر جو وحی آئی تھی وہ بھی تو یہی تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ہو رہی ہے کہ اللہ واحد ہے، لاشریک ہے۔ انہیں (انبیاؑ کو) بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے دین کو قائم رکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی یہی حکم دیا۔

## اقامتِ دین:

ایک درجہ یہ ہے کہ بات قبول کر لی، انکار نہیں کیا لیکن عملی زندگی میں اس پر عمل نہیں کیا۔ دوسرا درجہ ہے کہ مانا بھی اور اس پر عمل بھی کیا۔ تیسرا درجہ ہے اس طرح عمل کرنا کہ دوسرے اس کی طرف راغب ہوں۔ جرأت اور دلیری سے اللہ پر یقین رکھتے ہوئے اس انداز سے عمل کرنا کہ ماحول کو اس طرف متوجہ کر دے۔ تیسرا درجہ اقامتِ دین ہے۔

اس کا آسان سا معنی لے لیا گیا ہے کہ تبلیغِ دین کرو۔ دین قائم ہو گیا۔ دین کے قائم کرنے کا مفہوم محض تبلیغ نہیں ہے۔ تبلیغ اس کا حصہ ہے۔ اصل کام خلوصِ دل سے ڈٹ کر عمل کرنا ہے۔ کردار ایسا ہو کہ لوگ کہیں ایسا ہونا چاہیے۔ اقامتِ صلوٰۃ بھی یہی ہے کہ اس درد، اس سوز، اس خلوص سے نماز پڑھو کہ اردگرد کے لوگ بھی نمازی ہو جائیں۔ اقامتِ دین سے یہ مراد ہے کہ فنا فی اللہ ہو کر دین پر یوں عمل کرو کہ ماحول اس طرف مائل ہونے لگے۔

## دین میں تفرقہ ڈالنا حرام ہے:

فرمایا: وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ۔۔۔ اوراس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ دین میں اختلاف مت کرو۔ دین میں تفرقہ یا اختلاف کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً قَالُوْا: وَمَنْ هِيَ يا رسول الله قال: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي (ترمذی) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ایک کو چھوڑ کر باقی تمام دوزخی ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا! وہ ایک گروہ کون سا ہے؟ فرمایا، "وہ لوگ جو اس دین پر ہوں گے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں"۔ اس کا مطلب ہے، بنیادی عقائد میں اختلاف کرنا تفرقہ بازی ہے۔ بنیادی عقائد یعنی توحیدِ باری، رسالت، قیامت، حساب کتاب، حلال حرام ان امور میں اختلاف کرنا دین میں تفرقہ ڈالنا ہے یعنی اصول میں اختلاف دین میں اختلاف ہے۔ تشریح احکام میں اختلاف، دین میں اختلاف نہیں ہے۔

## احکام کی تشریح میں اختلاف رحمت ہے:

احکام پر عمل کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ شریعت کے دائرے کے اندر اندر کچھ لوگ ایک پہلو دیکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، کچھ دوسرے پہلو پر عمل کرتے ہیں۔ یہ اختلاف اصول میں اختلاف نہیں۔ اس کی تشریح میں ہے۔ جیسے آئمہ فقہ چار مشہور ہیں۔ ہر امام حق اور صحیح دین پہنچاتا ہے۔ امام مالکؒ کے مسلک کو اپنانے والے صلوٰۃ میں ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ احناف یعنی امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر چلنے والے صرف تکبیر تحریمہ پر ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ حنفیوں کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم آخری عمر میں صرف تکبیر اولیٰ پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ ہر تکبیر پر نہیں لہٰذا یہ عمل اس عمل سے بہتر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پہلے عمر میں ادا فرماتے۔ باقی زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے، وہ بھی درست ہے، وہ غلط نہیں۔ یہ اختلاف نہیں ہے۔ افضل ٹھہرانے کے دلائل ہیں۔ ایک کے نزدیک تکبیر اولیٰ پر ہاتھ اٹھانا افضل ہے دوسرے کے نزدیک ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھانا افضل ہے۔ یہ اختلاف رحمت ہے کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہر انداز پر عمل ہو جاتا ہے۔ یہی اختلاف صحابہؓ میں بھی تھا۔ انہیں مشاجراتِ صحابہؓ کہتے ہیں۔ شجر سے مشاجرہ ہے۔ جب شجر کی ٹہنیاں گھنی ہو جائیں تو آپس میں الجھتی ہیں اور چھاؤں مزید گھنی ہو جاتی ہے۔ صحابہؓ میں تشریح کا جو اختلاف تھا اس نے امت کو بہت آسانیاں دیں۔ حکم کے تمام پہلوؤں پر عمل آسان ہو گیا۔ فرمایا، اصول میں اختلاف نہ کرو۔ جو اصول میں اختلاف کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔

فرمایا: كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ۔۔۔ جس بات کی طرف آپ مشرکین کو بلاتے

ہیں وہ ان کو بڑی گراں گزرتی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، جب آپ انہیں دعوت الی اللہ دیتے ہیں، توحید کی بات کرتے ہیں تو یہ لوگ جو در در پیشانی رکھنے کے عادی ہو چکے ہیں، شرک کے عادی ہو چکے ہیں، ان پر بڑی مشکل آن پڑتی ہے۔ ان کا زعمِ باطل اتنا راسخ ہو چکا ہے، مزاج اتنا مسخ ہو چکا ہے کہ توحید باری انہیں پسند ہی نہیں آتی۔ لیکن اللہ کا اپنا نظام ہے۔

## اللہ کسے چن لیتا ہے اور کسے نہیں؟

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴿۱۳﴾ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف راستہ دکھا دیتا ہے۔ اللہ کا اپنا انتخاب ہے جسے چاہتا ہے اپنے لیے چن لیتا ہے۔ وہ بندہ گناہ، ظلم، برائی، کفر وشرک چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ بندے کا کمال نہیں اللہ کا انتخاب ہے۔ بارِ الہا! جب بندے تُو خود چُنتا ہے تو گناہگاروں کا کیا قصور، تُو نے انہیں چُنا ہی نہیں! فرمایا، ایسی بات نہیں۔ میں زبردستی کسی سے نہیں کرتا۔ یہ فیصلہ بندے کا ہوتا ہے۔ جس کے دل کے اندر، گہرائی میں یہ بات ہوتی ہے کہ مجھے اللہ کی کیا ضرورت؟ میں تو ایسے ہی مزے کر رہا ہوں تو اسے میں نہیں چُنتا۔ جس کے دل میں آرزو جنم لیتی ہے کہ مجھے اللہ کی طرف جانا چاہیے اسے میں چُن لیتا ہوں۔ جس کے دل کی اتھاہ گہرائی میں یہ درد اٹھتا ہے کہ مجھے اللہ سے توبہ کر لینی چاہیے اسے میں منتخب کر لیتا ہوں۔ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہوں۔ بندے کے دل میں ایک درد تو ہو، ایک ہوک تو اٹھے، ایک طلب تو پیدا ہو، ایک آرزو تو جنم لے! جب یہ خواہش جنم لیتی ہے کہ مجھے اللہ کی طرف جانا ہے تو پھر میں اسے سنبھال لیتا ہوں۔

## فرقہ بندی کی وجہ:

رہ گئے یہ دین میں تفریق پیدا کرنے والے: وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ۔۔۔ اور یہ لوگ جو الگ الگ ہوئے ہیں تو علم آ چکنے کے بعد صرف آپس کی ضد سے (ہوئے ہیں)۔ قرآن تو واضح ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہمیشہ کے لیے ہے۔ فیضان وبرکاتِ نبوت تقسیم ہو رہی ہیں پھر جھگڑے کی کیا بات ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ کو بھول کر اپنے نفس کی خواہشات اور اپنے تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسی بات نہیں کہ انہیں پتا نہیں۔ جانتے یہ سب کچھ ہیں لیکن اللہ کی بڑائی کی بجائے اپنی بڑائی منوانا چاہتے ہیں۔ اس لیے جھگڑا کرتے ہیں کہ "جو میں کہتا ہوں وہ ٹھیک ہے۔" ایک فریق کہتا ہے جو میں نے کہہ دیا وہ ہی صحیح ہے دوسرا کہتا ہے جو میں کہتا ہوں وہ حرفِ آخر ہے۔ اصل مقصد اپنی بڑائی منوانا ہے۔ اور

اس کے پیچھے بھی دنیوی اغراض اور مفادات ہوتے ہیں۔ مالی اور سیاسی مفادات ہوتے ہیں ورنہ حق تو واضح ہے یہ محض ضد بازی سے فرقہ بندی کر رہے ہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۔۔۔ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقتِ مقررہ تک بات نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ فرمایا، اگر اللہ نے پہلے ہی قیامت کا دن مقرر نہ کر دیا ہوتا تو ان کا فیصلہ یہیں کر دیتا، انہیں موقع پر ہی سزا مل جاتی لیکن اللہ نے یہ طے کر دیا ہے کہ انہیں مہلت دی جائے گی، برزخ پہنچیں گے میدان حشر لائے جائیں گے، وہاں فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر یہ طے نہ کیا گیا ہوتا تو شرک کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر اُسی وقت آسمان ٹوٹ پڑتا، اسی وقت گرفت آجاتی، عذاب نازل ہو جاتا۔ لیکن وہ کریم ہے، مہلت دیتا ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ اور بے شک جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے وہ اس سے ایسے شک میں پڑے ہیں جس نے (ان کو) تردّد میں ڈال دیا ہے۔ فرمایا، جن کو کتاب وراثت میں ملی ہے دراصل انہیں قرآن کی حقانیت پر یقین نہیں ہے۔ اکثر تفاسیر میں اس آیت سے یہود و نصاریٰ مراد لیے گئے ہیں۔ لیکن کیا ہمیں یہ کتاب وراثت میں نہیں ملی؟ ہم بھی اس آیت کے حکم میں آگئے۔ ہم نے یہ کتاب اپنے باپ دادا سے وراثتاً پائی، انہوں نے اپنے بڑوں سے، یہ بات نسلاً بعد نسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے، ہم بھی باہر سے، ظاہراً مانتے ہیں، اندر اندر ہمیں بھی تردّد ہوتا ہے، قیامت آئے گی بھی کہ نہیں، قبر میں کیا حساب ہونا ہے، کوئی پوچھے گا بھی کہ نہیں؟ پہلی امتوں کا بھی یہی مسئلہ تھا۔ یہی فرمایا جارہا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہو رہا تھا تو جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سن رہے تھے وہ تو یقینِ محکم سے سیراب ہو گئے اور جنہیں نسلاً بعد نسل، دین پہنچا تھا، انہیں اس پر یقین نہیں۔

## استقامت:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۔۔۔ سو آپ اسی (دین) کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہیے اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اس پر قائم رہیے۔ اسی مضمون کی آیت سورۂ ہود میں بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اور یہ فکر امت کے لیے تھا۔ امت کا استقامت پر قائم رہنا مشکل کام ہے اسی لیے فکر ہوئی۔ اور اس لیے بھی کہ حکم یہ ہے کہ استقامت ایسی ہونی چاہیے جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل

استقامت حاصل تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حکم نے خوف وخشیت میں مبتلا کر دیا، استقامت یہ ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کے دین کے تمام شعبوں میں اس کے احکام بجالاتا رہے اور سیدھا چلتا رہے، کہیں اعتدال سے باہر نہ نکلے اور اس پر قائم رہے۔ امت کے لیے اسے قائم رکھنا ایک مشکل کام ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے عبداللہ بن عباس ؓ کا کہنا تھا کہ یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت اثر چھوڑ گیا۔

فرمایا: وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۗ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۗ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۗ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۗ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾ اور ان کی خواہشات پر نہ چلیے اور فرما دیجیے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، میں ان سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تم میں انصاف کروں اللہ ہی ہمارے اور تمہارے پروردگار ہیں۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، ہماری تمہاری کوئی بحث نہیں۔ اللہ ہم سب کو جمع فرمائیں گے اور ان ہی کے پاس جانا ہے۔

فرمایا، مشرکین کو تو آپ کی دعوت حق بری ہی لگتی ہے لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی قطعاً پروا نہ کریں، لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہیں، اپنا کام جاری رکھیں۔ یہاں ایک قابل توجہ بات ہے کہ کیا دعوت زبانی دی جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دعوت تو انسان کا کردار دیتا ہے۔ اٹھنا بیٹھنا، برتاؤ کرنا، یہ سب سے موثر طریقہ دعوت ہے لہٰذا ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اپنے کردار کو ایسا نکھار لینا چاہیے کہ لوگ اسلام کی عملی شکل دیکھیں۔ یہ حقیقی دعوت ہے۔ ہر مسلمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تُک سیدھے رہو۔ تمہاری ہر حرکت اور ہر سکون سے پتا چلے یہ مسلمان ہے۔ اور دین پر چلتے ہوئے لوگوں کی خواہشات کو پرِ کاہ اہمیت نہ دینی چاہیے۔ آج تو لوگ کہتے ہیں کہ ماحول سازگار نہیں ہے اس لیے اسلامی اقدار اور اعمال کرنے مشکل ہیں۔ ماحول کیا ہے؟ انسانوں کے کردار اور ان کے خصائل کا عکس ہے۔ مسلمان کو تو یہ کہنا زیب ہی نہیں دیتا۔ مسلمان تو اپنا ماحول خود بناتا ہے۔ اسے اللہ نے بہترین دین عطا فرما دیا ہے۔ اس پر عمل کر کے وہ ماحول کو متاثر کرتا ہے۔

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بھی فرما دیجیے کہ میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں، میں تمام پہلی الہامی کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ قرآن پر عمل کرنا میری ذمہ داری ہے۔ میں صرف اپنے ربّ کے نازل کردہ احکام کا پابند ہوں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تمہارے (کافروں کے) ساتھ بھی انصاف کروں۔ تم تو ظلم کرتے ہو لیکن مجھے حکم ہے کہ تم میری بارگاہ میں آؤ تو تمہارے ساتھ انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا پالنہار ہے۔ تمہارا ربّ بھی وہی ہے، تم بھی اس کی مخلوق ہو اس لیے اس نے حکم دیا ہے کہ میری مخلوق میں کوئی مجھے مانتا ہے یا نہیں، اس کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے۔ نہ ماننے والوں

کی بھی جان، مال اور آبرو اسی طرح محفوظ ہے جس طرح ماننے والوں کی۔ اللہ ہی ہم سب کو اکٹھا کریں گے۔ ہمیں اسی کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے۔ تم ظلم کرو، ہم عدل کریں گے۔ تم شرک کرو ہم توحید پر قائم رہیں گے۔ تم نافرمانی کرو، ہم اطاعت کریں گے۔ تمہارا سابقہ ہم سے پڑے گا تو ہم تمہارے ساتھ بھی انصاف کریں گے۔

قرآن کا اسلوب دیکھیں اور اپنا طرزِ عمل دیکھیں! قرآن کی ہر آیت کا نزول بے شک خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔ ہر ایک کو اسے آئینہ بنا کر اپنا جائزہ لینا ہے تاکہ ہدایت حاصل ہو۔ اللہ ہمیں ہدایت دے، ہدایت پر قائم رکھے، توفیقِ عمل ارزاں فرمائے۔

انسان کے پاس تھوڑی سی مہلت ہے، گنتی کے چند روز ہیں لیکن وہ تھوڑی سی فرصت پا کر بھی بہت بگڑ جاتا ہے۔ غور نہیں کرتا کہ ہر شئے عظمتِ الٰہی پر دلالت کرتی ہے۔ کہتا ہے یہ کائنات از خود بن گئی۔ دھماکہ ہوا اور برّاعظم وجود میں آگئے۔ اسی قسم کی بے سند اور بے دلیل باتیں کرتا ہے۔ حق یہ ہے کہ از خود کچھ نہیں بنتا۔ کائنات کا بنانے والا بھی ایک ہے۔ اللہ۔ صرف بنانا ہی نہیں، اس کائنات کے نظام کو چلانا بھی صرف اس کی قدرت ہے۔ اسی زمین میں خاص اندازے سے ذرات ملتے ہیں تو سونا بن جاتا ہے۔ دوسرے اندازے سے ملتے ہیں تو چاندی اور کسی اور اندازے پر لوہا۔ اسی طرح پیتل اور دیگر دھاتیں اپنے اپنے طریقے سے بنتے ہیں۔ اسی طرح ہر جڑی بوٹی کا مزاج الگ، ان کے ذرات کے ملنے کی نسبت الگ۔ یوں ہر شئے کے پیچھے اس کا دستِ قدرت ہے۔ اس وسیع کارگہہ حیات کو جو ہر لمحہ بنا رہا ہے، ہر لمحہ اس میں سے جو چاہے مٹا رہا ہے وہی خالقِ حقیقی ہے اور وہی حقیقی مالک ہے۔ جو لوگ ذاتِ باری میں جھگڑتے ہیں وہ اس طرف سے آنکھیں کیوں بند رکھتے ہیں؟

فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اور جو لوگ جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی بات میں جب کہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ان کی دلیل ان کے پروردگار کے ہاں جھوٹی ہے اور ان پر (اللہ کا) غصہ ہے اور ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے۔

اللہ ایسا کریم ہے کہ اس نے اس ادنیٰ مخلوق کی اس گستاخی پر اُسے مسل کر نہیں رکھ دیا بلکہ دلائل سے جواب دیا۔ وہ قادر تھا، گویائی چھین لیتا، بینائی لے لیتا یا زندگی چھین لیتا۔ اس نے ایسا نہیں کیا۔ جو ذاتِ باری پر جھگڑتے تھے اور اللہ کے نہ ہونے پر دلیلیں دیتے تھے اللہ نے انبیاءؑ بھیج کر، کتابیں نازل فرما کر ان کے دلائل کا ردّ کیا، انہیں جھوٹا ثابت کیا۔ یہ اس کی عظمت ہے ورنہ چیونٹی کی طرح مسل کے رکھ دیتا۔ چیونٹی بھی مخلوق ہے، انسان بھی مخلوق ہے۔ کوئی چیونٹی ہمیں کاٹنے کو دوڑے تو کیا ہم اسے دلیلیں دیں گے یا مسل دیں گے؟ ہم اللہ کی اس ننھی سی مخلوق کو نہیں بخشیں گے تو پھر مخلوق اور خالق میں تو کوئی نسبت ہی نہیں۔ اللہ خالق۔ ہم مخلوق۔ پھر بھی اللہ نے نافرمانوں کو مہلت ہی

دی۔ انہیں علم بخشا تھا، عقل وشعور دیا تھا، اس لیے ان سے دلائل سے بات کی۔ جتنی دلیلیں انہوں نے عظمتِ باری کے خلاف دیں، اللہ نے انہیں دلائل سے جھوٹا ثابت کیا۔ پھر بھی وہ اس پر مُصر کیوں رہے؟

بندہ جب نافرمانی کرتا ہے تو اس پر نافرمانی کی ظلمت آتی ہے۔ جو اس کے دل اور روح پر وارد ہوتی ہے۔ اس کا جو رشتہ اللہ سے ہے۔ جو انواراتِ باری اس کے دل اور اس کی روح کو حاصل ہیں، وہ اٹھا لیے جاتے ہیں اور وہاں ظلمت آجاتی ہے، اندھیرا چھا جاتا ہے۔ پھر اسے ماننے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اتنی بڑی گستاخی اور اتنے بڑے جرم پر ان پر اللہ کا غضب نازل ہوجاتا ہے۔

**اس دنیا میں غضبِ الٰہی کی واضح صورت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نافرمانی میں مبتلا رہتا ہے۔ نیکی کرنے کی توفیق سلب ہوجاتی ہے۔** آخرت میں کیا عذابِ الٰہی کی صورت ہوگی؟ عذابِ عظیم بھگتنا ہوگا۔ اتنے دلائل سننے کے بعد لاجواب ہوکر بھی مانتے کیوں نہیں؟ فرمایا، ان پر اللہ کا غضب آچکا۔ ان کے لیے بہت سخت عذاب مقرر ہو چکا۔ یہ اس میں پھنس گئے۔ غضبِ الٰہی کی شدت یہ ہے کہ توبہ کی توفیق بھی سلب ہوگئی۔

## ایک واقعہ، ایک مثال:

ایک زمانہ تھا کہ بینک نہیں ہوتے تھے۔ لوگ ڈاک خانے میں رقم جمع کرواکر سود لیتے تھے۔ میں نے ایک صاحب کو کئی بار سمجھایا کہ آپ کو اللہ نے بہت دیا ہوا ہے، کوئی کمی نہیں، سود حرام ہے، آپ نہ لیں۔ وہ کہتے تھے۔ میں یہ لے کر غریبوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ میں نے کہا، غریبوں کو حرام کھلانا کون سی نیکی ہے؟ لیکن بندہ سمجھنا نہ چاہے یا اللہ کی طرف سے سمجھ نہ آئے تو کچھ نہیں ہوسکتا بیمار ہوئے اور فوت ہوگئے۔ میں موجود نہیں تھا۔ جو طبیب انہیں وقتِ آخر دیکھ رہا تھا، اس نے بتایا کہ بڑے زور سے ہائے ہائے کر رہے تھے، انہیں کہا گیا کہ اس وقت توبہ توبہ کریں۔ تو کہنے لگے، توبہ منہ سے نکلتی ہی نہیں! یہ ہے اللہ کا غضب! توفیقِ توبہ سلب ہوجاتی ہے۔

زندگی میں اس نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ توبہ کرلینی چاہیے۔ مہلت کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اپنا جائزہ لینا چاہیے۔ اگر دل میں نیکی کی محبت ہے، رغبت ہے تو اللہ کا شکر۔ اگر دل نیکی سے بیزار ہے اور برائی کو پسند کرتا ہے تو فوراً توبہ کرو، رجوع الی اللہ کرو کہ اللہ! جو مجھ سے ہوگیا اسے معاف کردے۔ آئندہ مجھے گناہ سے بچا۔ وہ کریم ہے، معاف کردے گا۔ کوئی گناہ ایسا نہیں جو اللہ کی رحمت کو عاجز کردے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ اللہ وہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور ترازو (انصاف کے لیے) اور آپ کو کیا خبر کہ شاید قیامت قریب ہو۔

فرمایا، وہ ایسی عظیم ذات ہے کہ اس نے دنیا کو اپنی راہنمائی سے کبھی خالی نہیں چھوڑا۔ ہر زمانے میں اس نے کتابیں نازل فرمائیں جو تمام کی تمام حق تھیں، عدل اور انصاف پر مبنی تھیں پھر اس نے ترازو اتارا یعنی انصاف کے معیار مقرر کیے، ان کی تشریح ووضاحت فرمائی یعنی انسان کو یہ شعور دیا کہ چیزوں کو تولے، انصاف کرے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جو ذات مخلوق کو انصاف کی دعوت دے رہی ہے کیا وہ خود انصاف نہیں کرے گی؟ بالکل صحیح انصاف ہوگا۔ ضرور ہوگا اور کھرا ہوگا۔ اور رہی یہ بات کہ قیامت کب ہوگی تو اے مخاطب! کیا پتا ابھی قیامت قائم ہو جائے۔ اور موت بھی تو ایک طرح سے چھوٹی سی قیامت ہے کہ عمل کا موقع ختم ہو گیا، توبہ کی مہلت تمام ہوگئی اور جزا کا دور شروع ہوا۔

یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿١٨﴾ جولوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔ اور جو ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔

انسانی مزاج کتنا عجیب ہے لوگ اللہ کا انکار کر کے اللہ کی دی ہوئی زندگی کو ضائع کرتے ہیں۔ اور جو قیامت کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں، کہاں ہے قیامت؟ ہے تو ابھی لے آؤ۔ عجیب بات ہے قیامت پر ایمان بھی نہیں، مانتے بھی نہیں پھر بھی انبیاؑ سے کہتے ہیں کہ اگر قیامت برپا ہونی ہے تو پھر ابھی واقع ہو جائے۔ جو ہونا ہے، ہو جائے۔

اور جنہیں نورِ ایمان نصیب ہے وہ قیامت کی سختیوں سے پناہ مانگتے رہتے ہیں۔ اس کی شدت سے پناہ چاہتے ہیں۔ اس سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ ایسا ضرور ہوگا۔ ظاہری طور پر بھی نظر آتا ہے کہ چیزیں پیدا ہو رہی ہیں، فنا کے گھاٹ بھی اتر رہی ہیں تو انسان کو بھی آخر ایک دن جانا ہوگا۔ ظالم، چور، ڈاکو عیش کر کے مر جاتا ہے۔ مظلوم بغیر انصاف پائے مر جاتا ہے۔ اگر قیامت نہیں ہے تو پھر انصاف کون کرے گا؟ انصاف کے لیے قیامت تو ضروری ہے۔ انصاف تو تب ہی ہوگا اور حقدار کو حق بھی تب ہی ملے گا۔ نیک تو ایمان لا کر جانتا ہے اور بدکار و نافرمان بھی اندر اندر سے تو جانتا ہے، مانتا نہیں۔ فرمایا، جولوگ قیامت میں جھگڑتے ہیں، باتیں بناتے ہیں وہ گمراہی میں بہت دور چلے گئے ہیں۔ وہ راستے سے بالکل بھٹک گئے ہیں، ہدایت کا راستہ کھو بیٹھے ہیں۔

## ایک مثال:

یہ باتیں کہی نہیں جاتیں، کبھی کہنا پڑ جاتی ہیں۔ ایک بڑا مدرسہ تھا، ایک مولانا تھے، ساری عمر مسجد میں پڑھاتے رہے۔ فوت ہو گئے۔ میرے ساتھ ایک بزرگ ساتھی تھے، وہ فرمانے لگے، مولانا کی قبر قریب ہے، آیئے فاتحہ پڑھ لیتے ہیں۔ مجھے مشاہدات نہیں ہوتے لیکن کوئی چیز اللہ ظاہر کر دیتے ہیں، منکشف کر دیتے ہیں۔ ہم نے فاتحہ پڑھی، قبر میں خیال کیا تو تاریکی ہی تاریکی تھی۔ حیرت ہوئی کہ ساری عمر مسجد میں اللہ کا دین پڑھاتے رہے۔ ان سے

بات کی کہ حضرت! یہ کیا بات ہے؟ کہنے لگے ساری عمر کتابیں، تفسیر پڑھاتے رہے، قیامت کا اتنا ذکر کیا کہ خود کو قیامت میں شک پیدا ہوگیا کہ یہ ہوگی بھی کہ نہیں۔ لوگوں کو پڑھاتے رہے اپنے اندر شک آ گیا۔ ساری محنت برباد ہو گئی اور اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

اُن کی اس بات کے بعد میں جب قرآن کی اس آیت کی تلاوت پر پہنچتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ یہ تو بڑا نازک معاملہ ہے۔ ادنیٰ سا شک آ گیا تو ہر شے گئی اس لیے اللہ کریم نے بار بار قیامت کے برحق ہونے پر یقین کو ایمان کی بنیاد بتایا ہے۔ قرآن پر ایمان کے لیے فرمایا گیا لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ (البقرہ:2) اور وہی لفظ قیامت کے ساتھ بھی آیا ہے: وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا (الحج:7) اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں۔ قرآن نے بارہا آخرت پر یقین لانے پر اصرار کیا ہے۔ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرہ:4) اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ یقین ہو تو فلاح کا حصول ممکن ہے، یہ نہ ہو تو زبانی پڑھنے پڑھانے کا نتیجہ بھی بے یقینی کی کیفیت کا ہی حاصل ہونا ہے۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہیں، جس کو چاہتے ہیں رزق عطا کرتے ہیں اور وہ قوت والے زبردست ہیں۔

اللہ کریم اپنے بندوں پر بہت مہربان ہیں۔ انسان کی توقعات سے بھی زیادہ مہربان! بندہ اس کی رحمت کی وسعتوں کو سمجھ نہیں سکتا۔ بندے کے علم کے احاطہ سے بالاتر ہے۔ وہ کریم بہت طاقتور ہے۔ ہر چیز پر غالب ہے۔ جسے چاہتا ہے، جو چاہتا ہے، عطا کر دیتا ہے۔ کوئی اسے روکنے والا نہیں۔ بندہ اس کی عام سی مخلوق ہے۔ دنیا میں ایسا ہے کہ جسے اس کے گھر میں، گلی محلے میں کوئی پوچھتا نہیں اس کے لیے بھی اللہ نے اپنا دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے۔ اس پر اپنی رحمتیں نچھاور کرتا ہے، اس کے سجدے قبول کرتا ہے۔ اسے اپنی راہ دکھاتا ہے۔ بندے کی اللہ کے سامنے کوئی حیثیت تو ہے نہیں۔ چند ذرّات سے بنا کر اس میں روح ڈال دی۔ جب چاہا روح قبض کر لی، وجود مٹی ہو گیا۔ جب چاہے گا پھر زندہ کر دے گا لیکن اس مخلوق کو اس نے اتنی اہمیت دی کہ اپنی معرفت کا شعور دے دیا۔ تمام مخلوقات میں صرف نوعِ انسانی، اللہ کی عظمت کو اپنی حیثیت کے مطابق پہچاننے کی استعداد رکھتی ہے۔ یہ اس کا بہت بڑا انعام ہے۔

اگر کوئی اس انعام کو بھی ضائع کر کے انکار پر اتر آتا ہے، بندہ اور مخلوق ہو کر اپنے خالق، کریم ربّ سے دشمنی چاہتا ہے تو کر کے دیکھ لے۔ وہ کریم تیرے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔ اس اقدام کا جو نتیجہ ہوگا وہ تجھے ضرور بھگتنا پڑے گا۔ وہ غالب ہے قوت والا اور زبردست ہے۔

# سورۃ الشوریٰ رکوع 3 آیات 20 تا 29

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ
الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا
شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ
مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ
رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ
الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ
يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰي قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ
الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ
يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ۙ
وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ
وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي
الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾
وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ

الْحَمِيْدُ ﴿٢٨﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ
وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾

جو شخص آخرت کی کھیتی کا طلب گار ہو ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہو اس کو ہم اس میں سے کچھ دے دیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا ﴿٢٠﴾ کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟ اور اگر ایک قول فیصل (یعنی قیامت کا وعدہ) نہ ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور بے شک ظالموں کو دردناک عذاب ہوگا ﴿٢١﴾ آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈرتے ہوں گے اور وہ ان پر پڑ کر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے وہ جو چاہیں گے ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس (موجود) ہوگا یہی بہت بڑا انعام ہے ﴿٢٢﴾ یہی ہے جس کی خوشخبری اللہ اپنے (ان) بندوں کو دے رہے ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی صِلہ نہیں چاہتا سوائے قرابت داری کی محبت کے اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لیے اس کو اور بڑھا دیں گے بے شک اللہ بڑے شک والے بڑے قدر دان ہیں ﴿٢٣﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں (پیغمبر) نے اللہ پر جھوٹ باندھ رکھا ہے سو اگر اللہ چاہتے تو آپ کے قلب پر مہر کر دیتے اور اللہ باطل کو مٹایا کرتے ہیں اور حق کو اپنے ارشادات سے ثابت فرماتے ہیں بے شک وہ دلوں کی باتیں جانتے ہیں ﴿٢٤﴾ اور وہی ہیں جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور ان کے قصور معاف فرماتے ہیں اور جو تم کرتے ہو سب جانتے ہیں ﴿٢٥﴾ اور جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کی (عبادت) قبول فرماتے ہیں اور اپنی مہربانی سے ان کو زیادہ (ثواب) عطا فرماتے ہیں اور کفر کرنے والوں کے لیے سخت عذاب ہے ﴿٢٦﴾ اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتے تو وہ زمین میں فساد کرنے لگتے ولیکن وہ جو چاہتے

ہیں اندازے کے ساتھ نازل فرماتے ہیں بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتے (اور) دیکھتے ہیں ﴿۲۷﴾ اور وہی (اللہ) تو ہیں جو بندوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتے ہیں اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتے ہیں اور وہ کارساز، تعریف کے سزاوار ہیں ﴿۲۸﴾ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ ان کے جمع کرنے پر (بھی) جب چاہیں قدرت رکھتے ہیں ﴿۲۹﴾

# تفسیر و معارف

فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝۲۰ جو شخص آخرت کی کھیتی کا طلبگار ہو ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہو اس کو ہم اس میں سے کچھ دے دیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔

## مومن کا مقصد:

دنیا میں ہر انسان کی ضروریات اور انسانی زندگی کے تقاضے ہیں۔ جنہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ ہر آدمی کی یہی کہانی ہے کہ وہ روزی کماتا ہے، گھر بناتا ہے، بچے پالتا ہے اور مر جاتا ہے لیکن لوگوں کے مقصدِ حیات میں فرق ہو تو نتائج بھی اس کے مطابق آتے ہیں۔ جو دنیا میں رہ کر آخرت کمانا چاہتا ہے وہ بھی کام سارے دنیا کے ہی کرتا ہے۔ لیکن ان کاموں کو کرتے ہوئے اللہ کی اطاعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں ان کا اجر بہت زیادہ بڑھ کر دیتا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو روزی کماتے ہیں تو حلال، حرام کا دھیان رکھتے ہیں۔ گھر میں حقوق و فرائض کا دھیان رکھتے ہیں۔ عزیز و اقربا سے، لوگوں سے میل جول، لین دین میں یہ ملحوظ رکھتے ہیں کہ سب کے حقوق ادا ہوتے رہیں اور اللہ سے آخرت کے طلب گار رہتے ہیں، ان کے لیے اللہ نے بے پناہ اجر کا وعدہ کیا ہے۔

## کافر کی طلب، محض دنیا:

فرمایا، جو آخرت چھوڑ کر صرف دنیا چاہتا ہے اسے دنیا بھی پوری نہیں ملتی۔ جو صرف دنیا سمیٹنا چاہے اور حلال حرام، جائز ناجائز کی پروا کیے بغیر دولت، اقتدار، دنیوی مفادات کے پیچھے بھاگتا ہے، ہم اسے دنیا میں کچھ نہ کچھ

دے دیتے ہیں لیکن اتنا نہیں جتنا وہ چاہتا ہے۔ چند دنوں کے لیے عارضی عہدے، مال کی عارضی ملکیت دے دی جاتی ہے لیکن وہ کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ عہدے ہمیشہ پاس رہتے ہیں نہ اقتدار۔ چند دن کی عیش، جھوٹی عزت، سائرن ہوٹر بجتے ہیں پھر وہی بوڑھی کھوتی وہی رام دیال! واپس اپنی جگہ آ جاتے ہیں۔ سخت بات یہ ہے کہ ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوتا، وہاں ان کا دامن خالی ہوگا۔ ان کی طلب ہی دنیا کی تھی۔ سب کام انہوں نے دنیا کی شہرت، عزت، ناموری کے لیے کیے۔ دولت جمع کرنے کے لیے، اقتدار حاصل کرنے کے لیے کیا۔ کوئی نہ کوئی دنیوی غرض ہی مقصود تھی وہ انہیں دنیا میں مل گئی۔

یہ آیت ہمیں بھی دعوتِ فکر دیتی ہے۔ ہمارے معاملات، لین دین، ملنا جلنا، کس طرزِ فکر کی گواہی دیتا ہے؟ عبادات، جو فرض ہیں، وہ بھی چھوڑ دی جاتی ہیں۔ پوچھو تو کہتے ہیں بعد میں قضا کر لیتے ہیں۔ قضا کیوں ہو جاتی ہیں؟ جی! بندہ بشر جو ہوا۔ یہ عبادات بندہ بشر پر ہی تو فرض ہیں، چرند، پرند پر تو فرض نہیں۔ بندہ بشر نے ہی وقت پر ادا کرنی ہیں۔ بندہ بشر ہی چھوڑ دے تو پڑھے گا کون؟ بندہ بشر کو ہی توحیدِ باری کی ضرورت ہے، جوان سجدوں سے ملے گی! شادی پر گئے، بازار گئے اور نمازیں چھوٹ گئیں، سوچا بعد میں قضا کرلیں گے۔ جو جان بوجھ کر قضا کرتا ہے کہ بعد میں ادا کرلوں گا، میں نہیں سمجھتا کہ یہ گستاخی سے کم ہے! قضا تو وہ ہے جو کسی وجہ سے قضا ہوئی، بیمار ہو گیا، کسی مصیبت میں پڑ گیا، غلطی سے بھول گیا۔ جو جان بوجھ کر چھوڑتا ہے، وہ روٹی کا لقمہ تو نہیں چھوڑتا، پانی پینا نہیں چھوڑتا، لباس کی زیبائش نہیں چھوڑتا، اس سے صرف نماز چھوٹتی ہے؟

یہ رویہ کیا بتاتا ہے؟ دنیا کے لیے آخرت کو بھلا دینا، آخرت چھوڑ کر محض دنیا کا ہو جانا! قرآن ہر مخاطب کے لیے ہے۔ پڑھ کر گزر نہیں جانا چاہیے، غور کر کے اصلاح کرنا چاہیے۔

فرمایا: اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟ اور اگر ایک قولِ فیصل (یعنی قیامت کا وعدہ) نہ ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور بے شک ظالموں کو دردناک عذاب ہوگا۔

فرمایا، جس نے انہیں پیدا کیا، ضرورتیں دیں، ضرورتوں کو پورا کرنے کے اسباب بنائے اُسے ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ بتائے کہ کیا کرو اور کیا نہ کرو۔ کیا ان کا اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود ہے جو انہیں وہ کام کرنے کے مشورے دیتا ہے جن کاموں سے اللہ نے روکا ہے۔ جب اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے ہی نہیں تو انہیں اسلام کے علاوہ کوئی دین کہاں سے مل گیا؟ اگر یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ قیامت اپنے وقت پر قائم ہوگی تو ان کا یہ جرم اتنا بڑا ہے کہ ان کا

کہا وہ عملِ صالح ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط قرار دیا وہ غلط ہے۔

فرمایا، جو ایمان لائے اور عملِ صالح کیے وہ جنت کے باغوں میں عیش کر رہے ہوں گے۔ وہی قیامت ان پر بھی آئے گی۔ وہی میدانِ حشر ہوگا۔ منکرین عذاب میں تڑپ رہے ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والے، اللہ کے اطاعت گزار بندے شاداں فرحاں جنت کے باغوں میں بیٹھے ہوں گے۔ وہاں وہ اللہ کے مہمان ہوں گے۔ ان کے دل میں جو خواہش پیدا ہوگی وہ پوری ہوگی۔ یَشَآءُ سے مراد ہے قلبی خواہش۔ قلبی خواہش کو یَشَآءُ کہتے ہیں، مانگنے کو نہیں کہتے۔ اس سے مراد ہے کہ جو بات دل میں آجائے۔ فرمایا، جو ان کے دل میں آئے گا اس کی تکمیل ہو جائے گی۔ احادیثِ مبارکہ میں جنت کی ان نعمتوں کا بیان ہے کہ اہلِ جنت کسی دوسرے جنتی کو دیکھے گا اور اسے اس کا لباس پسند آئے گا تو وہ دل میں سوچے گا کہ کیا عمدہ لباس ہے۔ بس خواہش کرنے کی دیر ہوگی کہ اس کا لباس بھی ویسا ہو جائے گا۔

فرمایا، جنت کا حصول، جنت کا داخلہ، اللہ کا بہت بڑا کرم اور احسان ہے۔ بہت ہی بڑا احسان! ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔۔۔ یہی ہے جس کی خوشخبری اللہ اپنے (ان) بندوں کو دے رہے ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔ یہاں بھی عملِ صالح کو ایمان کا نتیجہ قرار دیا ہے کہ اللہ ایمان والوں کو بشارت دیتا ہے۔ آگے خود ہی شرح فرما دی کہ ایمان والے وہ ہیں جو ایمان لا کر نیک کام کرتے ہیں۔ ایمان، اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل ہوتا ہے۔

## رشتہ داری کے حقوق کی رعایت:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى۔۔۔ آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا سوائے قرابت داری کی محبت کے۔

مکہ مکرمہ میں قریش کے بارہ قبائل تھے۔ ان سب قبائل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری تھی۔ قبائلی اصولوں کے تحت ہر فرد کا قبیلہ اس کی پشت پر ہوتا تھا۔ کسی فرد کو ایذا پہنچانے سے پہلے سوچنا پڑتا تھا کہ اس کے پیچھے پورے قبیلے کی طاقت ہے! یہ تحفظ اہل عرب کے تمام قبائل کو حاصل تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ دین پہنچانے کی جو محنت میں کر رہا ہوں اس کا کوئی اجر، میں تم سے نہیں چاہتا لیکن ایک بات ہے کہ قبائلی زندگی میں ایک دوسرے کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس کی بات سنی جاتی ہے۔ جس قبیلے کا فرد ہو، اس کی بات، کم از کم اس کا قبیلہ سن لیتا

ہے۔ ماننا نہ ماننا ہر ایک کا اپنا اختیار ہے۔ اس کے مطابق یعنی قبائلی اصول کے تحت میرا تحفظ کرنا تم پر پہلے سے فرض ہے اس کی رعایت تو کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی رشتہ داری چونکہ عرب کے بارہ کے بارہ قبائل سے تھی لہٰذا ان سب پر اپنے قبائلی رواج کے مطابق بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا تحفظ فرض تھا۔ فرمایا، تم میری دعوت قبول کرو یا نہ کرو، تمہاری مرضی لیکن ہر قبیلے کے عام آدمی کو جو رعایت حاصل ہے وہ مجھے بھی دو۔ میں دین کی دعوت دینے پر جو مجاہدہ کر رہا ہوں اس پر میں تم سے کوئی عوض، معاوضہ نہیں مانگتا لیکن قرابت کی جو محبت اور رواداری ہے، رشتہ داری کا جو میرا حق بنتا ہے وہ تو مجھے دو۔

اسی آیۂ کریمہ کو لے کر تفرقہ بازی کرنے والوں نے بڑا تفرقہ پیدا کیا۔ مسلمانوں میں کئی فرقے بن گئے۔ ایک گروہ نے ایک الگ مذہب ہی ایجاد کر لیا۔ یہ ساری خرافات ہیں۔ تمام مستند تفاسیر کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کریم نے فرمایا، میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلّم!) آپ ان سے کہہ دیں کہ میں اپنی ذات کے لیے تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ میں تم سے کوئی دنیوی مفاد نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ رشتہ داری کا جو فریضہ تمہارا ہے وہ ادا کرو۔ میری بات سن لو، شور تو نہ کرو، پتھر تو نہ پھینکو۔ ایذا پہنچانے سے باز رہو۔

**وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٢٣﴾** اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لیے اس کو اور بڑھا دیں گے بے شک اللہ بڑے بخشنے والے بڑے قدردان ہیں۔

اللہ کے کرم کی وسعت لامتناہی ہے۔ فرمایا، جو بھی بھلائی کرتا ہے، اس کی تھوڑی کارکردگی کو ہم قبول فرما کر اس کا حسن بڑھا دیتے ہیں۔ اس کے سجدے میں اتنی جان نہیں ہوتی جتنے انوارات ہم اس پر نازل کر دیتے ہیں۔ اس کے ذکر میں اتنا خلوص نہیں ہوتا جتنے انوارات ہم اس کے لطائف پر بھیج دیتے ہیں۔ وہ تھوڑی محنت کرتا ہے، ہم اس کا اجر بڑھا دیتے ہیں۔ اور ایسا کرنا صرف اللہ کو ہی زیبا ہے۔ وہی ہے جو معاف کرنے والا ہے اور وہ بڑا قدرداں ہے۔ بندہ رائی برابر نیکی کرے، خلوص سے کرے تو اسے پہاڑ بنا کر اس کے برابر اجر دے دیتا ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ ایک ولی اللہ گزرے ہیں۔ رئیس آدمی تھے۔ مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شکستہ حال خاتون آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کٹوری تھی۔ کہنے لگی میرا بیٹا بیمار ہے۔ حکیم نے جو دوا تجویز کی ہے وہ شہد کے ساتھ ملا کر دینی ہے۔ آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ آپ یہ کٹوری بھر شہد دلوا دیں۔ وہ رئیس آدمی تھے ان کے توشہ خانے میں شہد کے بھرے کئی مشکیزے تھے۔ ان دنوں چھوٹے بکروں کی کھال سے مشکیزے بنتے تھے اور ایک مشکیزے میں کافی زیادہ مقدار میں شہد بھرا ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے خازن (خزانچی) کی طرف اشارہ کیا کہ اس خاتون کو ایک مشکیزہ شہد لا کر دے دو۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ خاتون مطمئن ہو کر چلی گئی تو

مصاحبین میں سے کسی نے پوچھا، اسے تو ایک کٹوری شہد درکار تھا آپ نے پورا مشکیزہ ہی دے دیا؟ فرمانے لگے کہ اس نے اپنے ظرف کے مطابق مانگا تھا، مجھے اللہ نے اتنا دیا ہے کہ میرے توشہ خانے بھرے ہوئے ہیں۔ مجھے اللہ سے حیا آ گئی کہ میں اسے کیسے کم دوں جبکہ اللہ نے مجھے اتنا وافر عطا فرمایا ہے! اس لیے میں نے اپنی حیثیت کے مطابق دیا ہے۔

اگر یہ حال اللہ کے بندوں کا ہے تو اس ربِ کریم، منعمِ حقیقی کی عطا کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا، تم اپنی حیثیت کے مطابق نیکی کرتے ہو میں اسے اپنی شان کے مطابق بڑھا دیتا ہوں۔ یقیناً وہ اپنے کرم سے بخشتا ہے، توبہ قبول کرتا ہے، معاف کرتا ہے اور اس سے بڑا کوئی قدر دان نہیں۔ اس کا اتنا کرم، اتنی عطا پھر انسان کیسے سجدے چھوڑ بیٹھتا ہے، کیوں حرام کھاتا ہے، کیوں جھوٹ بولتا ہے؟ اللہ کریم اپنی نافرمانی سے محفوظ رکھے، اطاعت کی توفیق دے اور اطاعت قبول بھی فرمائے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے (پیغمبرؐ) نے اللہ پر جھوٹ باندھ رکھا ہے سو اگر اللہ چاہتے تو آپ کے قلب پر مہر کر دیتے اور اللہ باطل کو مٹایا کرتے ہیں اور حق کو اپنے ارشادات سے ثابت فرماتے ہیں۔

## ایمان باللہ کے لیے ایمان بالرسالت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دعوت الی اللہ دیتے تو مشرکین کہتے، ان پر کوئی وحی نہیں آتی یہ اللہ پر محض جھوٹ کہہ رہے ہیں (معاذ اللہ) یہاں ایک قابلِ غور نکتہ ہے جب وہ یہ کہتے تھے کہ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے وہ اللہ کو مانتے تھے پھر وہ کافر و مشرک کیوں تھے؟ جب وہ اللہ کو مانتے تھے تو قرآن انہیں کافر و مشرک کیوں کہتا ہے؟ اس لیے کہ وہ اللہ کو اپنے طریقے سے مانتے تھے۔ اللہ کو ماننا عقل کی مجبوری ہے۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ ایک ایسی طاقت ہے جس نے سب کچھ بنایا ہے اور اس کا بنانے والا کوئی نہیں۔ وہ اپنی ذات میں قائم ہے۔ ورنہ تسلسل آ جاتا ہے پانی کس نے بنایا؟ اللہ نے۔ بادل، بارش، یہ کس نے بنائے۔ یہ تسلسل جاری رہتا ہے لہٰذا انسانی عقل کی مجبوری ہے کہ اسے ماننا پڑتا ہے کہ ایک ایسی طاقت ہے جو از خود ہے۔ اسے کسی نے نہیں بنایا، اور سب کو اسی نے بنایا ہے۔ وہ اللہ ہے۔ لیکن یہ ایمان نہیں۔

ایمان یہ ہے کہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر اللہ کی پہچان کرا دی تو اللہ کو ویسا مانا جائے

جیسا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہے۔ ہر نبیؑ نے ہمیشہ توحید باری ہی سکھائی۔ مشرکوں نے تو یہ مانا کہ "اللہ نے کائنات بنائی پھر اس میں دیوتا بنا دیے۔ ایک کو بارش کی ذمہ داری دی، دوسرے کو اولاد دینے کی وغیرہ۔ یہ دیوتا، غیر مرئی، نظر نہ آنے والی طاقتیں ہیں۔ ان کے بت بنا دو تو ان بتوں میں وہ طاقت آ جاتی ہے۔ وہ دیکھتے سنتے اور حاجت روائی کرتے ہیں۔" تو پھر کہاں رہی توحیدِ باری؟

نبیؑ وہ واحد ہستی ہے جو اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ سے آشنا کرائے۔ تمام انبیائے کرام نے اپنی امتوں کو اللہ کریم کی معرفت عطا کی۔ رسالت کے بغیر اللہ پر ایمان لانا عنداللہ مقبول نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تا قیامت اللہ کی معرفت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، ایمان کی بنیادی شرط ہے لہٰذا اللہ کے ساتھ ایمان یہ ہے کہ میں اس اللہ کو مانتا ہوں اور ویسا مانتا ہوں جیسا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت عبداللہ کے فرزند، مکہ میں پیدا ہوئے، جنہوں نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، جو اللہ کے آخری نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جیسا وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) منواتے ہیں، میں ویسا مانتا ہوں۔

مسلمانوں میں بھی جو لوگ گمراہ فرقوں میں بٹ گئے سب کی بنیاد یہی بات رہی کہ وہ اللہ کو ویسا نہیں مانتے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں۔ جس طرح مشرکین نے کہا کہ اللہ نے دنیا بنائی۔ ہمارے دیوتا بھی اسی نے بنائے لیکن ان میں اپنی طاقت تقسیم کر دی۔ اب یہ کام کرتے ہیں وہ آرام کرتا ہے۔ مسلمانوں میں جو گمراہ ہوئے انہوں نے کہا، اللہ نے اپنی طاقتیں، اولیاء اللہ کو دے دی ہیں یا فلاں امام کو دی ہیں۔ کائنات اللہ نے بنائی اور فلاں کے سپرد کر دی۔ سارا نظام اب فلاں ہی چلا رہا ہے۔ ہر گمراہ طبقے کی بنیاد یہی ہے۔

ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کے رسول تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وحی الٰہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے، قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہا ہے۔ جبرئیل امین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور یہ مشرکین و کفار کہتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کا یہ کہنا خود جھوٹ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کلامِ الٰہی بیان فرما رہے ہیں جبکہ وہ شخص جو اللہ پر جھوٹ بولے وہ حق بیان کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہاں قرآن نے ایک قانون اور ضابطہ بیان فرما دیا کہ انبیاؑ ہمیشہ حق بیان کرتے ہیں۔ نبوت کے جھوٹے دعویدار کذّاب ہمیشہ، جھوٹ، لغو بات بکتے ہیں۔

فرمایا: فَاِنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخۡتِمۡ عَلٰى قَلۡبِكَ۔۔۔ سو اگر اللہ چاہتے تو آپ کے قلب پر مہر کر دیتے۔ معاذ اللہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پر جھوٹ کہتے تو اللہ دل پر مہر لگا دیتے۔ اللہ کا قانون ہے کہ نبوت کے ہر جھوٹے دعویدار پر اللہ مہر لگا دیتے ہیں۔ مہر لگا دینے سے بندہ اول فول بکتا ہے۔ جتنے کذّاب جھوٹے مدعیانِ نبوت گزرے

ہیں سب کے حالات میں یہی ملتا ہے۔ کذاب مرزا قادیانی قریب زمانے کا ہے۔ 1908ء میں مرا۔ اس نے وحی کے نام پر جو لغو باتیں کہی ہیں، لگتا ہے کوئی پاگل بک رہا ہے۔ مثلاً بقول اس کے اس کے پاس جو فرشتہ ''وحی'' لے کر آتا تھا اس کا نام ٹیچی ٹیچی۔ پھر اس کی وحی کیا تھی؟ یہ کہ وہ کہتا ہے، میں نے دیکھا میں حضرت مریم ہوں، پھر میں نے دیکھا اللہ نے مجھ سے جماع کیا (نعوذ باللہ) پھر میں نے دیکھا مجھ سے عیسیٰ پیدا ہوئے۔ تو میں عیسیٰ ہوں۔ یہ خرافات اس کی وحی ہے۔ کفریات اور لغویات کا ملغوبہ! ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ مہر کر دیتے ہیں۔ دانائی کی بات تو کر نہیں سکتے لہٰذا اول فول بکتے ہیں۔

اللہ کے سچے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے تو دانائی، ایک ایک لفظ سے ٹپک رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تو دنیا کے راز کھول رہے ہیں، آخرت کی گرہیں کھول رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ذاتِ باری کا تعارف کرا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو نظامِ کائنات پر بحث کر رہے ہیں۔ کہاں تھی آج کی سائنس جس وقت قرآن نے کہا کہ ذرّات سے، غذا سے ایک مائع بنتا ہے اس کے ذریعے حمل ٹھہرتا ہے۔ خون کی پھٹکی بنتی ہے، گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ اس میں ہڈی بنتی ہے اس پر کھال چڑھائی جاتی ہے۔ ساڑھے چودہ سو سال کے بعد ساری تحقیق کر کے سائنس نے قرآن کی تائید ہی کی ہے! کفار و مشرکین یہ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تک بندی کر کے قرآن بنالیا ہے۔ ان پر کوئی وحی نہیں آتی۔ اب سائنسدان یہ کیوں نہیں کہتے؟ تخلیق انسانی کے مراحل بتا دینا تو قرآن ہی کے شایانِ شان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی سنتوں میں حکمت، شفا اور بھلائیوں کے خزانے پنہاں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان تین انگلیوں سے کھانا کھاؤ، کھانے کے بعد انگلیوں کو چوس لو پھر ہاتھ دھو لو۔ آج کی سائنسی تحقیق بتاتی ہے کہ اس طرح کرنے سے خاص ENZYMES اینزائمز پیدا ہوتے ہیں جن سے کھانا ہضم ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کھانے کے آداب سے لے کر قیامِ قیامت، آخرت، جنت دوزخ تک ہر چیز کھول کر رکھ دی۔

اللہ کا قانون یہ ہے وَیَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ۔۔۔ اور اللہ باطل کو مٹایا کرتے ہیں اور حق کو اپنے ارشادات سے ثابت فرماتے ہیں۔ اللہ باطل کو مٹا دیتے ہیں اور حق کو اپنے دلائل کے ساتھ قائم رکھتے ہیں۔ جو دلائل اللہ نے حق کو دیے ہیں وہ اس کی حیات اور بقا کا سبب بن جاتے ہیں۔ کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوبی دنیا میں ایک آواز تھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مکہ سے بلند ہوئی، پورے عرب، پوری دنیا میں پھیل گئی۔ اللہ نے اسے کتنی قوت دی اور یہ آج بھی کیسی گونج رہی ہے، قیامت تک گونجتی رہے گی۔ دب گئیں وہ آوازیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھیں۔ حق غالب ہو اور باطل کا سرنگوں ہوں۔ یہی قانونِ فطرت ہے۔

اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۴﴾ اللہ، دلوں کی باتیں جانتا ہے۔کوئی بظاہر پارسااور نیک بنتا رہے،نیکوں کا حلیہ بنالے،لوگوں کے سامنے نمازیں پڑھے،تسبیحات کرے،وظیفے کرے لیکن اندر کیا ہے؟ وہ جانتا ہے۔صوفیا کا اصول ہے کہ تصوف وسلوک سیکھیں تو دل کو بدلیں،کردار کونکھاریں۔کوئی خاص حلیہ نہ بنائیں۔جیسا لباس پہنتے ہیں وہی پہنیں۔صوفی بننے کے لیے کوئی خاص حلیہ نہ بنائیں۔جیسا کہ نقلی اور جعلی پیروں کا وتیرہ ہے۔خاص قسم کی ٹوپی پہن لی،اوپر پگڑی باندھی پھراوپر رومال پھیلا لیا،گلے میں تسبیحیں ڈال لیں۔یہ غلط ہے۔دل کو بدلو،ظاہر کو شریعت کے مطابق رکھواور عام لوگوں کی طرح رہو۔

وَهُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَیَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾

اور وہی ہیں جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اوران کے قصور معاف فرماتے ہیں اور جو تم کرتے ہوسب جانتے ہیں۔

اللہ کی ذات کسی کو دھتکارتی نہیں۔بندہ،اللہ کی عاجز مخلوق ہو کر اس کی نافرمانی کرتا ہے۔اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کرتا ہے۔گناہ اور برائی کرتا ہے۔ربّ کریم پھر بھی اسے قبول کرلیتا ہے۔اس کی توبہ قبول کرکے اسے معاف کردیتا ہے۔**اللہ کی عظمت کو یہی زیبا ہے کہ جو اس کے درپر آجائے وہ خالی نہ جائے لیکن آئے صدق دل سے!** وہ کریم پچھلے گناہ معاف فرمادیتا ہے،آئندہ نیکی کی توفیق ارزاں کردیتا ہے۔یادرکھو! جو کچھ تم کررہے ہو،اللہ کے سامنے کررہے ہو۔تم سمجھتے ہو،چھپ کر جھوٹ بول لیا،رات کی تاریکی میں گناہ کرلیا لیکن وہ ہر حال میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔تم سمجھتے ہو گاہک کو سمجھ نہیں آئی تم نے کم تول کر زیادہ پیسے لے لیے۔گاہک کو سمجھ آئے نہ آئے۔وہ پاس موجود ہے اور دیکھ رہا ہے۔گاہک نے حساب نہیں لینا،حساب اس نے لینا ہے۔

بندہ ایک اسی آیت کو اپنالے تو اس کی زندگی بھر کی اصلاح کے لیے کافی ہے۔وہی ذات جہاں گناہگاروں کی توبہ قبول فرماتی ہے وہاں نیکوکاروں کی نیکیاں قبول فرماتی ہیں۔جو ایمان لاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں۔ان کا عقیدہ درست،کردار صحیح ہوتا ہے،وہ کام تھوڑا کرتے ہیں اللہ ان کے اجر کو بہت بڑھادیتے ہیں۔ان کی مزدوری کا اجر اپنی مہربانی اور اپنی شان کے مطابق بڑھادیتے ہیں۔فرمایا: وَیَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَیَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَالۡکٰفِرُوۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴿۲۶﴾ اور جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کی (عبادت) قبول فرماتے ہیں اور اپنی مہربانی سے ان کو زیادہ (ثواب) عطا فرماتے ہیں اور کفر کرنے والوں کے لیے سخت عذاب ہے۔

اور رہ گئے کافرتو ان کے لیے ان کے کرتوتوں کے سبب انتہائی سخت عذاب ہے۔اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

دامنِ رحمت جھٹکنے والوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں رہتی۔

فرمایا: وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٢٧﴾ اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتے تو وہ زمین میں فساد کرنے لگتے ولیکن وہ جو چاہتے ہیں اندازے کے ساتھ نازل فرماتے ہیں۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتے (اور) دیکھتے ہیں۔

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ نے انسانی مزاج کا تذکرہ فرمایا ہے اور اپنی حکمتِ بالغہ کا ذکر فرمایا ہے کہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کے پاس دولت کے انبار ہوں۔ اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے وہ چاہتا تو ہر ایک کو بے شمار دولت دے دیتا لیکن یہ اس کی حکمت ہے کہ کس کو کس وقت پر کیا دینا ہے، کتنا دینا ہے۔ وہ اس کے مطابق دیتا رہتا ہے۔ وہ کسی کے مشورے کا پابند نہیں۔ صرف وہی جانتا ہے کہ کس کے لیے کس وقت اسے کیا چیز عطا کرنا مفید ہے۔ اگر سب کو امیر بنا دیتا تو سب لڑ جھگڑ کر ہی مر جاتے۔ انسان کا مزاج ہی ایسا ہے۔ دیہاڑی دار مزدور کو جو روزانہ مل جائے وہ اس پر قناعت کر لیتا ہے۔ بابو صاحب کو چند ہزار تنخواہ مل جائے وہ اس میں گزر بسر کر لیتا ہے۔ امراء کے پاس جتنا ہو وہ ان کے لیے کم ہوتا ہے۔ حکمران کے پاس سارا ملک ہوتا ہے اور وہ پھر بھی مزید لوٹنے کے طریقے اختیار کرتا ہے۔ جس حکمران کی حکمرانی مضبوط ہو جائے وہ پڑوس کے کمزور ملک پر چڑھ دوڑتا ہے۔ انسانی مزاج یہ ہے۔ اس لیے اللہ نے اپنی حکمت سے روزی تقسیم کی ہے۔ وہ ہر آدمی، ہر فرد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اس کی ضرورت اور اپنی شان کے مطابق حکمت سے عطا کرتا ہے۔ وہ ہر بندے کے ہر قول، ہر فعل اور ہر سوچ سے ہمہ وقت باخبر ہے۔ سب کچھ اس کے روبرو ہو رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کس کو مال دینا ہے کس کو علم تو کس کو کوئی اور نعمت۔ اس کی دنیا میں کوئی بادشاہ ہے، کوئی رعیت۔ کوئی کاریگر ہے کوئی مال خرچ کرنے والا خریدار۔ سب ایک دوسرے کے کام آ رہے ہیں اور نظامِ کائنات چل رہا ہے۔ اس کی حکمت سے ایک توازن قائم ہے۔ جس کو جو دیا ہے اس پر وہ خود نگہبان بھی ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے کون اس کے حکم کے مطابق کر رہا ہے۔ وہ ظاہر بھی دیکھ رہا ہے اور باطن بھی!

وہی کارساز ہے۔ فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٨﴾ اور وہی (اللہ) تو ہیں جو بندوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتے ہیں اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتے ہیں اور وہ کارساز، تعریف کے سزاوار ہیں۔

جب زمین پر خشک سالی آ جاتی ہے، سبزہ نام کو نہیں رہتا، گرد بن کر اڑ جاتا ہے۔ درخت سوکھ جاتے ہیں، فصلیں ختم ہو جاتی ہیں، چشمے خشک ہو جاتے ہیں، دریا اور نہریں پانی کے بغیر رہ جاتے ہیں، کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ جب نوعِ انسانی ناامید ہو چکی ہوتی ہے کہ اب موت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تو وہ بارش برسا دیتا

ہے۔ رحمتِ باری سے ہر جگہ جل تھل ہو جاتی ہے۔ لوگوں کے نا امید ہو جانے کے بعد انہیں نواز دیتا ہے۔ بے شک وہی اکیلا ساری کائنات کا کارساز ہے۔ وہی ولی ہے۔ سارے کام وہی کرتا ہے۔ اسباب کا خالق بھی وہی ہے اور نتائج کا خالق بھی وہی ہے۔ اسباب بھی خود بناتا ہے اور نتائج بھی خود پیدا فرماتا ہے۔ ساری تعریفیں اسی کو زیب دیتی ہیں۔

اس کی عظمت کی دلیلوں میں سے ایک یہ ہے۔ فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ ان کے جمع کرنے پر (بھی) جب چاہیں، قدرت رکھتے ہیں۔

زمین و آسمان کی تخلیق اس کی عظمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ زمین پر بسنے والی مخلوق کو اس نے اپنی قدرت سے پھیلا رکھا ہے۔ ہر ایک کے لیے ایک وقتِ مقررہ تک موقع ہے۔ جب اللہ چاہے گا، اللہ کریم کا حکم ہوگا تو سب کو ہی میدان میں جمع فرمالے گا۔ انسان حیوان، چرند پرند، ہر چیز میدان میں آموجود ہوگی۔ جس خالق نے انہیں پیدا کیا اُسی مالک کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں کہ انہیں ایک ہی جگہ جمع کرلے۔

# سورۃ الشوریٰ رکوع 4 آیات 30 تا 43

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ﴿۳۰﴾
وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا
نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ؕ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ
فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۙ﴿۳۳﴾ اَوْ
يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۙ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ
اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ﴿۳۶﴾
وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ
يَغْفِرُوْنَ ۚ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ
شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۚ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ
هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ
عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا
عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ؕ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ
وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ
صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ﴿۴۳﴾

اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے سو وہ تمہارے ہاتھوں کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے
(پہنچتی) ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف (ہی) فرما دیتے ہیں ﴿۳۰﴾ اور تم
زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے اور خود تمہارا اللہ کے سوا کوئی حامی اور مددگار
نہیں ﴿۳۱﴾ اور اس کی نشانیوں میں جہاز ہیں سمندر میں پہاڑوں جیسے ﴿۳۲﴾
اگر اللہ چاہیں تو ہوا کو روک دیں پھر وہ (جہاز) اس کی سطح پر کھڑے رہ جائیں،
بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے، شکر کرنے والے کے
لیے ﴿۳۳﴾ یا ان کو ان کے (بُرے) اعمال کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سے
(قصور) معاف فرما دے ﴿۳۴﴾ اور جو ہماری آیات میں جھگڑا کرتے ہیں وہ
جان لیں کہ ان کے لیے کہیں بچاؤ نہیں ﴿۳۵﴾ سو جو کچھ تم کو دیا گیا ہے تو وہ دنیا
کی زندگی کا (ناپائیدار) فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور قائم رہنے
والا ہے ان لوگوں کے لیے (ہے) جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ
کرتے ہیں ﴿۳۶﴾ اور وہ لوگ جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے
بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں ﴿۳۷﴾ اور جو لوگ
اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کام آپس
کے مشورے سے ہوتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ
کرتے ہیں ﴿۳۸﴾ اور وہ لوگ کہ جب ان سے زیادتی کی جائے تو (مناسب
طریقہ سے) بدلہ لیتے ہیں ﴿۳۹﴾ اور برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی ہے پس جو
معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا صِلہ اللہ کے ذمہ ہے بے شک وہ
زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ﴿۴۰﴾ اور جس پر ظلم ہوا اگر وہ بدلہ لے تو
ان لوگوں پر بھی کچھ الزام نہیں ﴿۴۱﴾ بے شک الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں
پر ظلم کرتے ہیں اور زمین (دنیا) میں ناحق سرکشی (اور فساد) برپا کرتے ہیں ایسے
ہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۴۲﴾ اور جس نے صبر کیا اور معاف کر
دیا تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے ﴿۴۳﴾

# تفسیر و معارف

فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍؕ ﴿۳۰﴾ اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے سو وہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے (پہنچتی) ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف (ہی) فرما دیتے ہیں۔

یہ آیۂ کریمہ ہر قسم کی مصیبت کو محیط ہے۔ دنیا کی مصیبت یا آخرت کی۔ قبر اور برزخ میں یا ابدی زندگی میں۔ دنیا میں چونکہ ہر شخص اپنی ایک رائے یا پسند رکھتا ہے اور جو چیز اس کی رائے کے خلاف ہو وہ اسے مصیبت سمجھتا ہے۔ اس لیے ہر بندے کی مصیبتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ یہ طرزِ فکر حق نہیں۔

## مصیبت وہ ہے جو غضبِ الٰہی کا سبب بن جائے:

مصیبت اس فعل کو کہتے ہیں جو اللہ کے غضب کو دعوت دے۔ ہر وہ کام، ہر وہ نظریہ، ہر وہ فعل و کردار مصیبت ہے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بنے۔ ہم تو بیمار ہونے کو مصیبت سمجھتے ہیں، تنگیٔ حالات کو مصیبت سمجھتے ہیں حالانکہ صحت و بیماری، غربت و امارت، اولاد اور اقتدار یہ سب اللہ کے نظام کا حصہ ہیں۔ اسے اس طرح لینا چاہیے کہ کافر کے پاس اگر دولت، حکومت اور اولاد ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کو کفر پسند ہے اس لیے اسے اقتدار دے دیا۔ کسی بدکار کے پاس دولت ہے تو یہ نہیں کہ اللہ نے اسے کے برے اعمال کو پسند فرما کر اسے دولت و حکومت دے دی۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اللہ کریم نے مصیبت کی جو تعیین فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ کام مصیبت ہے جو اللہ کی ناراضگی، اس کے غضب کا سبب بنے اور جو آخرت میں نقصان پہنچائے۔ بظاہر آدمی کو ظلم سے حاصل کیا ہوا اقتدار مل جائے، ناجائز ذرائع سے دولت حاصل ہو جائے تو یہ فراخی اور یہ اقتدار دونوں اس کے لیے مصیبت ہیں۔ اعمال کے اخروی نتائج کے حساب سے مصیبت کی تعیین ہوتی ہے۔

یہاں، یہی فرمایا گیا کہ تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، یہ تمہارے کردار کا نتیجہ ہے۔ دُنیوی دکھ اور تکلیفوں کی نتائج کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔ اوّل گناہ کی سزا کے طور پر دنیا میں جو تکلیف آتی ہے وہ اللہ کے غضب کو بھڑکانے کے سبب آتی ہے۔ اندر دکھ ہوتا ہے اور دل جلتا ہے۔ اتنی تکلیف ظاہری طور پر نہیں ہوتی جتنی اندر ہوتی ہے۔ یہ غضبِ الٰہی کی دلیل ہے۔ دوم یہ کہ بندہ بہک کر دور چلا جاتا ہے۔ گمراہی میں مزید آگے چلا جاتا ہے۔ بدکردار ہو جاتا ہے۔ یہ مصیبت وہ ہے جو ان پر آتی ہے جن سے اللہ ناراض ہوتے ہیں۔

تیسری قسم یہ ہے کہ بعض اوقات بندہ مومن ہوتا ہے، دیندار، باکردار ہوتا ہے لیکن اس کا کردار اس معیار پر پورا نہیں اترتا۔ جتنی نعمتیں وہ اللہ سے لے رہا ہوتا ہے اس پایے کی شکرگزاری نہیں ہو رہی ہوتی، یا عبادات میں کہیں کوئی کمی رہ جاتی ہے تو اللہ کریم وہ کمی پوری کرنے کے لیے کوئی بیماری، کوئی دکھ یا تکلیف بھیج کر مجاہدہ کرا لیتے ہیں۔ کمی پوی ہو جاتی ہے۔ بظاہر یہ مصیبت ہوتی ہے حقیقت میں رحمتِ الٰہی ہوتی ہے جو اللہ کے ایمان دار بندوں پر آتی ہے۔ جن کا عقیدہ اور عمل صحیح ہوتے ہیں۔ اسے تلافیٔ مافات کہتے ہیں۔ یعنی جو نیک عمل فوت ہو گیا، چھوٹ گیا، نہ کر سکے اس کی کمی کی تلافی کر دیتی ہے۔

ایک اور طرح سے تکلیف آتی ہے۔ یہ دراصل اللہ کا بہت بڑا انعام ہوتا ہے۔ اسے ترقیٔ درجات کہتے ہیں۔ جیسے شہید کہ اس نے اللہ کے دین کے لیے جان پر کھیل کر موت کو شکست دے دی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ شہید کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہے اسے اللہ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے۔ لیکن شہادت کے لیے قتل ہونا پڑتا ہے۔ قتل ہونا بظاہر تو مصیبت ہے۔ جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ لیکن درحقیقت یہ انعامِ باری ہے لہٰذا مصیبت کی تعیین میں احتیاط کرنی چاہیے کہ ہم کس چیز کو مصیبت کہتے ہیں۔ اور مصیبت میں اللہ کی رحمت یوں پنہاں ہے کہ بندے کو توبہ کا موقع مل جاتا ہے۔ جو باکردار نہیں ہے، وہ بیمار ہو جائے پھر اپنے گناہوں سے ڈر جائے اور توبہ کر لے تو یہ مصیبت اس کے لیے رحمت کا سبب بن گئی۔

یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ تم اللہ سے جتنے دور ہوتے ہو اس کا بنیادی سبب تمہارا کردار ہوتا ہے۔ تم پر جو مصیبت آتی ہے اس کا سبب تمہارے اپنے کرتوت ہوتے ہیں ورنہ اللہ تو ایسے کریم ہیں کہ بہت زیادہ خطائیں تو معاف فرما دیتے ہیں۔ ہر خطا پر سزا نہیں دیتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ہم ہر خطا پر پکڑنے لگتے تو زمین پر کوئی زندہ نہ بچتا۔ اور یہ خیال چھوڑ دو کہ تم گناہ کرو گے اور کہیں زمین میں چھپ جاؤ گے، کسی پہاڑ کی اوٹ میں چلے جاؤ گے، کسی شاہی محل میں پناہ لے لو گے۔ یہ ناممکن ہے۔ فرمایا: وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ۔۔۔ اور تم زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ تم بھاگ سکتے ہو نہ چھپ سکتے ہو، ہر حال میں اُس کے دستِ قدرت میں ہو۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ اور خود تمہارا اللہ کے سوا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔ اللہ جب کسی کو گرفتارِ بلا کر لے، اس کا نہ کوئی دوست ہوتا ہے نہ معاون۔

اللہ ہی بہترین دوست ہے۔ وہی معاون و مددگار ہے۔ وہی تکلیفوں سے نجات دینے والا ہے، وہی سزا دینے والا ہے۔ کوئی اس کے فیصلوں کو ٹال نہیں سکتا، نہ ہی روک سکتا ہے۔

## اللہ کی عظمت کی نشانی:

فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اور اس کی نشانیوں میں جہاز ہیں سمندر میں پہاڑوں جیسے۔ اللہ کی قدرت کی نشانیاں کائنات میں بھری پڑی ہیں۔ بڑے بڑے جہازوں کو ہی دیکھ لو۔ ایک جہاز میں ہزاروں لوگ سوار ہیں۔ سب کی غذا، دوا اور تمام سہولیات کا وہاں انتظام ہے۔ جہاز کیا ہے، پورا ایک شہر ہے جو پانی کی سطح پر تیر رہا ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہیں کس نے یہ شعور دیا کہ اتنے بڑے بڑے جہاز بنا کر سمندروں میں چلا دیے؟ کس نے وہ خام مال بنایا جس سے تم نے جہاز بنائے۔ تم اس پر فخر کرتے ہو کہ تم نے جہاز بنائے! تم کیا تھے؟ تم تو خاکی ذرّات تھے۔ تمہیں ایک مادّے کی شکل دی پھر خون کی پھٹکی بنی، اس پر گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ اس میں ہڈیاں پیدا ہوئیں۔ پھر اس نے تمہیں انسان بنایا اور اس میں روح ڈالی۔ تم بچہ پیدا ہو کر اس دنیا میں آئے۔ تمہیں عقل، شعور، سماعت و بصارت سب عطا کیے۔ ظاہری مادّی علوم دیے کہ تم یہ سب چیزیں بنا کر استعمال کر رہے ہو تو پھر اللہ کی عظمت کو پہچانو! وہ تو ایسا قادر ہے کہ: اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ۔۔۔ اگر اللہ چاہیں تو ہوا کو روک دیں پھر وہ (جہاز) اس کی سطح پر کھڑے رہ جائیں۔ ہوا اور پانی سب اس کی مخلوق ہیں۔ اگر وہ سمندروں میں ہوا کو روک دے یا مخالف ہوا چلا دے تو کیا ہو؟ طوفان، پہاڑ جیسے جہاز کو تنکے کی طرح بہا لے جاتے ہیں یا پانی میں غرق کر دیتے ہیں۔ وہ کریم ہواؤں کو تعاون کا حکم دیتا ہے تو تم بحفاظت سفر کرتے ہو۔ ہوائیں تمہیں جھولے کی طرح جھلاتی ہیں اور اگر وہ ہوا کو ساکن کر دے تو تم چپو چلاتے رہو، تمہارا سفر طے نہ ہوگا۔ تم کہیں نہ جا سکو گے وہیں پھنسے رہو گے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے، شکر کرنے والے کے لیے۔ فرمایا، ان چیزوں میں اللہ کی عظمت کے دلائل تو بڑے واضح ہیں لیکن یہ دلائل ان کے لیے ہیں جو صبر کرتے ہیں یعنی خود کو اللہ کی نافرمانی سے روکتے ہیں۔ صبر کے لغوی معنی ہیں کہ جیسے کوئی گھوڑا پوری رفتار سے دوڑ رہا ہے اور اسے یکدم لگام کھینچ کر روک لیا جائے۔ صبر کے معنی ہوئے، رک جانا، ٹھہر جانا، اللہ کی نافرمانی سے خود کو روک لینا صبر ہے۔ فرمایا، اللہ کی عظمت کی نشانیاں وہی دیکھتے ہیں جو اللہ کی نافرمانی سے رکتے ہیں اور پھر اسے اپنا کمال نہیں سمجھتے، اسے اللہ کی عطا سمجھتے ہیں۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ الحمدللہ! مجھے آپ نے شعور دیا، توفیق دی۔ دراصل عظمتِ الٰہی کے دلائل ان کی سمجھ میں آتے ہیں جن کے پاس بصیرت ہوتی ہے۔ انسان کو اللہ نے دو طرح سے نوازا ہے۔ ایک ہے ظاہری آنکھ کی بینائی اسے بصارت کہتے ہیں۔ دوسری وہ نگاہ جو ہر بندے کے دل میں ہے۔ اسے بصیرت کہتے ہیں۔ دل کی آنکھ سے دیکھنا۔ اللہ کی عظمت تو سورج سے زیادہ روشن ہے لیکن جس طرح بینائی یعنی بصارت نہ ہو تو سورج روشن رہے، اندھے کو کیا فرق پڑتا ہے! اس کے لیے رات دن برابر ہیں۔ اسی

طرح جن کی بصیرت ضائع ہو جاتی ہے۔ نافرمانی کرتے کرتے بالآخر اپنے دل تباہ کر لیتے ہیں پھر انہیں اللہ کی عظمت کے دلائل نظر نہیں آتے۔

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ یا ان کو ان کے (برے) اعمال کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سے (قصور) معاف فرما دے۔ اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ چاہتا تو لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کے سبب تباہ کر دیتا۔ جب بھی کوئی گناہ کرتا، اس پر سزا مسلط ہو جاتی، وہ مٹ جاتا لیکن اللہ بے شمار گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ کسی نافرمان کی روزی بند نہیں کرتا، کسی سے صحت نہیں چھینتا لیکن یہ بھی یاد رہے کہ محض دنیا کی نعمتیں حاصل کر لینا کوئی کمال نہیں اور دنیا کی نعمتیں اللہ کی رضا کے مطابق حاصل کرنا عطائے الٰہی ہے۔ وہ اور بات ہے یہ اور بات ہے!

انسان بھی عجیب مخلوق ہے۔ اپنے آپ کے بارے بھی کچھ نہیں جانتا۔ صحت خراب ہو تو ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ وہ کہے آپریشن کرنا پڑے گا تو کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ پیسے بھی دیتا ہے خوشامد بھی کرتا ہے اور آپریشن بھی کرواتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ بدن اگرچہ، میرا ہے لیکن میرے بدن کے بارے ڈاکٹر کو زیادہ پتا ہے۔ یہ ماہر ہے۔ سوچنا چاہیے کہ پھر اس کائنات کا جو خالق ہے، مالک ہے، اسے چلا رہا ہے، اس کی شان کیسی بلند ہے اور بندے کی کیا حیثیت ہے! جسے اپنے وجود کی خبر نہیں، اس کی کیا حیثیت ہے کہ وہ کائنات کے بارے اللہ کی پسند خلاف اپنی رائے رکھے یا اللہ کے احکام پر اعراض کرے۔ فرمایا: وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾

اور جو ہماری آیات میں جھگڑا کرتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے لیے کہیں بچاؤ نہیں۔ فرمایا، جو میرے احکام پر اعتراض کرتے ہیں، اپنی رائے مسلّط کرنا چاہتے ہیں، وہ کان کھول کر سن لیں! وہ کہیں بھی بھاگ نہیں سکیں گے۔ انہیں، میری بارگاہ میں آنا ہوگا۔ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی، انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ انہیں میرے حضور ہی پیش ہونا ہوگا۔

فرمایا: فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾

سو جو کچھ تم کو دیا گیا ہے تو وہ دنیا کی زندگی کا (ناپائیدار) فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور قائم رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے (ہے) جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اللہ ایسا عطا کرنے والا ہے کہ بن مانگے رزق دیتا ہے۔ دولتِ دنیا اس نے مقدر کر رکھی ہے۔ اپنے اپنے وقت پر سب کو مل جاتی ہے جتنی اللہ نے نصیب کی ہو۔ وہ دولت دیتا ہے، گھر، گاڑیاں، جائیدادیں دیتا ہے۔ علوم دنیا

تک رسائی دیتا ہے۔ دنیا کی نعمتیں لٹائے جاتا ہے اور یہ فرق نہیں رکھتا کون ماننے والا، مومن ہے کون انکار کرنے والا، کافر ہے۔ وہ سب کچھ بنی آدم کو عطا کیے جا رہا ہے۔ فرماتا ہے، میں تمہیں جو بھی دیتا ہوں دنیا میں استعمال کے لیے ہوتی ہیں۔ دنیا میں ہی رہ جاتی ہیں۔ مرو گے تو قبر میں نہ دولت جائے گی نہ اقتدار، کارخانے جائیں گے نہ جائیدادیں۔ کچھ بھی نہیں۔ دنیا کی دولت دنیا میں ہی رہ جائے گی۔ ادھر دم نکلا ادھر مال، وارثوں کا ہوا۔ اس مال کی کیا حیثیت جو ناپائیدار ہو۔ جس کا کوئی بھروسہ نہ ہو۔ ارب پتی کے دو چار جگہ نقصان کے سودے ہو جائیں تو بیٹھے بیٹھے قلاش ہو جاتا ہے۔ مقروض ہو جاتا ہے۔ فرمایا، مالِ دنیا کی آخرت کے حصول کے علاوہ کوئی اہمیت نہیں۔ اس لیے اپنے آپ پر اسے بوجھ نہ بناؤ۔ ناجائز ذرائع سے مال و اقتدار حاصل نہ کرو۔ اللہ کی اطاعت کے اندر رہ کر جو حلال نصیب ہو وہ نعمت ہے۔ حلقہء اطاعت سے باہر جا کر جو حاصل کرو گے وہ اللہ کا غضب ہے۔ جب سب کچھ چھوڑ کر ہی جانا ہے تو اللہ سے دشمنی کیوں مول لیتے ہو؟

یاد رکھو! انسان دنیا میں TRANSIT ٹرانزٹ میں ہے۔ اثنائے سفر میں ہے۔ پہلے خاک سے نطفہ بنا۔ نطفے سے بچہ، بچے سے جوان ہوا، امیر ہوا، حکمران ہوا یا کم آمدنی والا رہا۔ امیر تھا یا فقیر، قبر میں چلا گیا۔ برزخ میں پہنچ گیا۔ وہاں انتظار گاہ میں ہے۔ ابھی میدان حشر بپا ہونا ہے۔ حساب کتاب ہونا ہے پھر ابدالآباد کے گھر پہنچنا ہے۔ جنت یا جہنم! یہ دنیا کیا ہے؟ درمیانی وقفہ ہے۔ تم ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنے بیٹھ گئے! اسی درمیانی عرصہ کو دائمی سمجھ بیٹھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی ہے: کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ (بخاری۔ کتاب الرقاق حدیث: 6416)

دنیا میں ایسے رہو جیسے تم مسافر ہو۔ جیسے کسی راہ گزر پر چلتا ہوا مسافر کہیں رک جاتا ہے۔ کسی سایہ دار درخت کے نیچے کچھ دیر سستا لیتا ہے۔ کہیں پانی کا چشمہ مل جائے تو رک جاتا ہے کہ پانی پی لوں، وضو کر لوں، ضرورت پوری کر کے چل پڑتا ہے لمبی تان کر وہاں سوتا تو نہیں! اسے سفر کرنا ہے۔ وقتی طور پر سائے سے، پانی سے سکون لے لیتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا، اس طرح رہو اور اپنے آپ کو اہلِ قبور میں شمار کیا کرو۔ تم انہی میں سے ایک ہو۔ یہ جو لاکھوں قبریں دنیا میں نظر آتی ہیں، یہ تم سے زیادہ امیر، زیادہ عالم، نیک صالح اور جابر و ظالم بھی سب خاک کے نیچے پڑے ہیں۔ تم بھی ان میں سے ایک ہو۔ تمہیں بھی قبر میں جانا ہے۔

جب اللہ کے پاس پہنچو گے تو جو وہاں ملے گا وہ بہت بہترین، خوب صورت اور ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔ آخرت کی نعمتیں دے کر واپس نہیں لی جائیں گی۔ ان میں زیادتی ہوگی، کمی نہیں ہوگی۔ لیکن وہ ہیں کس کے لیے؟ ان

کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ جن کا عقیدہ صحیح ہے۔ جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں اپنی ہوشیاری پر نہیں۔

ہم سے ہو جاتا ہے، ہم محسوس نہیں کرتے۔ ہم ناجائز ذرائع استعمال کر کے سمجھتے ہیں اپنی ہوشیاری سے کچھ حاصل کر لوں!

اخروی اور دائمی نعمتیں اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کے لیے ہیں۔ جو جائز وسائل کے اندر رہتے ہیں کہ اللہ نے جو مجھے دینا ہے وہ دے گا لیکن میں اسے ناجائز ذرائع سے استعمال نہیں کروں گا۔ جب کوئی ناجائز ذرائع کی طرف جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے، اس نے اللہ پر اعتماد چھوڑ دیا۔ اللہ پر بھروسے سے محروم ہو گیا کہ چوری سے ہی دولت ملے گی۔ رشوت سے ہی بنگلہ ملے گا۔ جس نے اللہ پر بھروسہ چھوڑ دیا اور حرام کی طرف چل پڑا تو اسے کیا ملا، دولت ملی یا بنگلہ، سزا ہی ملے گی!

## اُخروی نعمتوں کو پانے والے کون ہوں گے؟

فرمایا، ان کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو کارسازِ حقیقی نہیں سمجھتے۔ صرف اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے: وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۝ جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

کبائر سے بچنے والے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو گناہ کرتے ہوئے ڈر جاتے ہیں۔ بڑے بڑے گناہ کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ عربی میں یہ لفظ گناہ سے بچنے کے لیے اور اس طرح بچنے کے لیے مستعمل ہے کہ بدکاری کا سوچے بھی نہیں۔ بدکاری سے بچے اور کوئی ایسا خیال بھی نہ لائے۔ یعنی گناہ کے وسائل اور متعلقات سے بھی بچ جانا اجتناب کہلاتا ہے۔ اردو میں اجتناب کے معنی محض بچنے کے ہیں، پرہیز کے ہیں۔ عربی میں یہ لفظ حرام سے شدید تر معنی کے لیے ہے۔ فرمایا، یہ لوگ دیدہ دلیری سے گناہ نہیں کرتے بلکہ گناہ کے ذرائع سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ علما نے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی فہرست تیار کی ہے۔ جنہیں صغیرہ گناہ کہا گیا ہے انہیں بھی کرتے رہیں تو یہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔ کسی کشتی میں کنکر ڈالتے جائیں، دیکھنے میں وہ چھوٹے پتھر ہیں لیکن مسلسل ڈالتے جائیں تو چٹان کا وزن ہو جائے گا اور کشتی کو ڈبو دینے کے لیے کافی ہو جائیں گے لہٰذا گناہ، گناہ ہی ہے۔ پوری کوشش سے ان سے بچو۔ قرآن نے کتنا خوبصورت اصول دیا ہے کہ گناہ کے ذرائع سے بھی بچو۔ گناہ تک لے جانے والے ذرائع اور وسائل سے بھی بچو۔ اگر شراب پینے سے بچنا چاہتے ہو تو شراب کے بارے باتیں سننا چھوڑ دو۔ شرابیوں کی محفل میں جانا چھوڑ دو۔ ان کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ وہ فواحش سے بچتے ہیں۔ فحش کام کیا ہے؟ ہر وہ کام فحش ہے جسے آپ دوسروں کے سامنے

نہیں کر سکتے ۔ جسے دوسروں کے سامنے کرتے ہوئے شرم آئے ۔ اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں ۔ یعنی غصہ میں بھی کسی سے زیادتی نہیں کرتے ۔ غصہ انہیں مغلوب نہیں کرتا ۔ اخروی انعامات پانے والوں کی صفات کا ذکر جاری ہے ۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ اور جو لوگ اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں ۔ یہ لوگ اپنے ربّ کا حکم فوراً قبول کر لیتے ہیں اور عمل میں مصروف ہو جاتے ہیں ۔ ایک ایک اور صفت یہ ہے کہ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں یعنی اس طرح نماز ادا کرتے ہیں کہ پورا ماحول متاثر ہو کر ادائے صلوٰۃ کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔ ایمان کی پہلی دلیل جو انسان کو دین پر قائم رکھتی ہے، اس کا کردار بناتی ہے، اس کے افکار کی اصلاح کرتی ہے، اس کی سوچوں کو درست کرتی ہے وہ ہے اقامتِ صلوٰۃ ۔ وہ تمام عبادات کا ایسا اہتمام کرتے ہیں کہ ماحول متاثر ہوتا ہے ۔ اقامتِ صلوٰۃ یہ ہے کہ ماحول ہی ایسا بن جائے کہ آپ کا ایمان، آپ کا کردار، آپ کے معاملات سے آپ کے اردگرد کے لوگ متاثر ہوں اور عبادات کے قیام کا ماحول بن جائے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حضورِ حق کا اہتمام کرتے ہیں ۔ اللہ کے روبرو ہو کر عبادات کرتے ہیں اور روبرو رہ کر معاملات انجام دیتے ہیں ۔ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرتے ہیں ۔ اپنی عبادات وقت پر اور مستقل مزاجی سے ادا کرتے ہیں ۔ ایسے لوگ ماحول کو متاثر کرتے ہیں اور ان کا ایمان و عمل دوسروں کے لیے عبادات کے قیام کا سبب بنتا ہے ان کے کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں ۔ کوئی چھوٹا کام ہو یا بڑا وہ ان کے آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے ۔

مشورہ ہمیشہ کسی دانا اور تجربہ کار سے کیا جاتا ہے ۔ اہلِ رائے سے کیا جاتا ہے ۔ کسی کا کروڑوں کا بزنس ہو تو کیا وہ کسی راہ چلتے ، جاہل گنوار سے مشورہ کرے گا؟ کسی ماہر، تجربہ کار بزنس پرسن سے ہی رائے لے گا یہ مشکل آ گئی ہے، اس طرح اسلام نے امورِ دنیا کے لیے بھی یہ طریقہ بتا دیا ہے کہ جو لوگ ایمان کے اعتبار سے، کردار کے اعتبار سے، دنیا کے اعتبار سے تمہارے سردار ہیں ۔ دانا اور باعمل ہیں ۔ ایک طبقہ ان کا احترام کرتا ہے ۔ ان سے مشورہ کیا جائے ۔ وہ مشورے سے جو فیصلہ کریں اسے پھر عام آدمی کے سامنے رکھا جائے ۔ جب معاشرے کے لیڈر طے کر لیتے ہیں تو عوام پیچھے چلنے والے ہوتے ہیں ۔ وہ سب قبول کر لیتے ہیں ۔

اسلام نے امورِ مملکت میں مشورے کو نہایت اہم مقام دیا ہے ۔ خلیفہ اور امیر کے انتخاب میں بھی شوریٰ کا خاص مقام ہے ۔ اسلام کے نظامِ سیاست نے شخصی بادشاہوں کا خاتمہ کیا ۔ اسلام میں مغربی جمہوریت ہے نہ بادشاہت ۔ اور نہ ہی وہ جمہوریت ہے جو ہمارے ہاں رائج ہے ۔ جس میں ایک ان پڑھ گنوار کا ووٹ ہے اور چیف جسٹس کا بھی ایک ووٹ ہے ۔ گویا دونوں کی رائے کا ایک جیسا وزن ہے ۔ ایک چور اچکے، جھوٹے کا ووٹ ہے اور

ایک نیک، صالح با کردار کا بھی ایک ووٹ۔ اسلام اس جمہوریت کو نہیں مانتا۔ چھٹی ساتویں صدی میں جب اسلام نے یہ روشن اصول دیے اس وقت جمہوریت کہاں تھی؟ روئے زمین پر صرف بادشاہتیں تھیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد جو پہلا فیصلہ خلافتِ ابوبکر صدیق ؓ کا ہوا۔ اس کا طریقہء کار یہی تھا مہاجرین اور انصار کے اکابرین جمع ہوئے۔ دلائل دیے گئے۔ خلافت کا انتخاب کیا گیا۔ اسی مجلس میں ان اکابرین نے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی بیعت کی۔ پھر آپؓ مسجدِ نبوی تشریف لائے۔ عوام کی بیعت کا مرحلہ آ گیا۔ سب مسلمانوں نے بیعت کر لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سیّد المرسلین ہیں لیکن دنیا سے پردہ فرماتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انتخابِ خلیفہ کو امت پر چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایک فرمان کا مفہوم ہے کہ میرا جانشین وہ ہوگا جسے میرا ربّ چاہے گا اور میری امت منتخب کرے گی۔ اور یہ بھی کہ میری امت کسی غلط شخص پر اتفاق نہیں کرے گی۔ للہٰذا خلافت کا فیصلہ شوریٰ سے ہوا۔

ہم قرآن کو مانتے ہیں، احترام کرتے ہیں، جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر ترجمہ سمجھ میں آ جائے تو پھر بھی عمل سے جی چراتے ہیں۔ کافر اقوام نے اس قدر دنیوی ترقی کر لی اور ترقی کے سارے راز انہوں نے اسلامی نظام سے لے لیے۔ انہوں نے غور وفکر کیا کہ علاقے تو فتح ہو سکتے ہیں، دل کیسے فتح ہوجاتے ہیں؟ اس بات کے تو وہ قائل نہیں تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور یہ اللہ کی رحمت ہوتی ہے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ انسان کی ضروریات کی تکمیل کا نظام ان کے پاس ہے، یہ قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام للہٰذا انہوں نے یہاں سے وہ سارے اصول لیے اور اپنے معاشرے میں رائج کر دیے۔ قرآن کے سارے اصول لے لیے کہ ناپ تول پورا کرو، جھوٹ نہ بولو، عدالت میں رشوت نہ لو، انصاف کرو۔ ان اصولوں پر چل کر وہ ترقی کر گئے۔

انہیں پتا تھا کہ مسلمان اور اسلام جہاں پہنچے وہاں کے لوگ اسلام لے آئے۔ جہاں تک صحابہ کرام ؓ کے عہد میں اسلام پھیلا آج تک وہاں اسلامی ریاستیں موجود ہیں۔ یہ جو چھپن 56 اسلامی ریاستیں موجود ہیں، یہ سارے وہ علاقے ہیں جو صحابہ ؓ کے عہد میں فتح ہوئے۔ تب سے پھر وہاں کے لوگوں کے دلوں سے اسلام نکل نہیں سکا۔ کافر تو قرآن کے اصول اپنا کر دنیوی ترقی کر گیا اور ہم عمل نہیں کرتے۔

یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کو ربّ مانو، عبادات پر قائم ہو جاؤ، ماحول کو متاثر کرو۔ جیسے مسلمان جہاں گئے وہاں ماحول کو متاثر کیا، ملکوں کے ملک مسلمان ہو گئے۔ اللہ کو ربّ ماننے کا مطلب ہے جب مان لیا تو پھر ڈٹ گئے۔ اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کو عربوں میں مبعوث فرمایا۔ قرآن، عربی میں نازل فرمایا۔ پوری دنیا سے خطہء عرب کو چُنا۔ وہ اپنے کاموں کی مصلحت خود جانتا ہے۔ عربوں میں ایک خاص بات ہے۔ آج بھی جوان کے دل

میں ہو، زبان پرو ہی ہوتا ہے۔ جو چیز اچھی نہ لگے کہہ دیتے ہیں یہ اچھی نہیں ہے۔ جو چیز چاہیے بڑی بے تکلفی سے کہہ دیتے ہیں مجھے یہ چاہیے۔ اس خصوصیت کے باعث جنہوں نے اسلام قبول کیا، انہوں نے ماننے کا حق ادا کر دیا۔ وہ درمیان میں نہیں رہے۔ جان دے دی لیکن بات پر قائم رہے، اس پر جم گئے۔ جنہوں نے جاننے کے بعد انکار کیا، قرآن کے مطابق انہوں نے کفر جحو دی کیا۔ جاننے کے بعد انکار کیا۔ اپنی بڑائی کو قائم رکھنے کی وجہ سے انکار کیا۔

یہ سیدھے اور کھرے لوگ تھے۔ جو اقرار کرتا تھا وہ جم جاتا تھا۔ ہماری طرح نہیں کہ ہم کسی سے وعدہ کر لیں بعد میں سوچتے رہتے ہیں اس سے جان کیسے چھڑائیں۔ وہ اس طرح کے لوگ نہیں تھے۔ یہی معنی ہے کہ اللہ کو ربّ مانو تو پھر اس پر جم جاؤ۔ آخرت میں کامیاب ہونے والوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اللہ نے انہیں جو نعمتیں دی ہیں وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اللہ نے اقتدار دیا ہے تو لوگوں کے لیے بھلائیاں بانٹتے ہیں۔ عدالت میں بٹھایا ہے تو انصاف کرتے ہیں۔ طاقت دی ہے تو لوگوں کی خیر خواہی کرتے ہیں، اللہ نے دولت دی ہے تو زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ علم دیا ہے تو اللہ کی رضا اور مخلوق کے فائدے کے لیے لوگوں میں بانٹتے ہیں۔ ان کے پاس جو نعمت بھی ہوتی ہے اس سے اللہ کی مخلوق مستفید ہوتی ہے۔

ایک صفت یہ ہے کہ زیادتی کرنے والے سے مناسب طریقے سے بدلہ لیتے ہیں۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اور وہ لوگ کہ جب ان سے زیادتی کی جائے تو (مناسب طریقہ سے) بدلہ لیتے ہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے۔ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے وہ سمجھتا ہے کہ معاف کر دینے میں بھلا ہے، شاید یہ توبہ کر لے، نادم ہو جائے، اصلاح کر لے تو برائی بڑھے گی نہیں۔ وہاں معاف کر دینا افضل ہے جہاں یہ خطرہ ہو کہ اس نے یہ زیادتی کی ہے۔ اسے چھوڑ دیا تو یہ اور زیادتی کرے گا۔ وہاں اسے سزا دینا ضروری ہے۔ اسی لیے سزا جزا کا نظام ہے۔ لیکن اسے اتنی ہی سزا دی جائے جتنی اس کی غلطی ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ اور برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی ہے پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا صلہ اللہ کے ذمہ ہے۔ بے شک وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

معاف کر دینے سے اصلاح کی امید ہو تب ہی معاف کیا جائے۔ جہاں معاف کر دینے سے سدھرنے کی امید ہو وہاں معاف کر دیا جانا بہتر ہے۔ ہر برائی کی سزا ویسی ہی ہے جیسی وہ برائی تھی۔ جیسا جرم ویسی سزا۔ قتل کیا ہو تو سزائے موت دی جائے گی۔ کسی کو زخمی کیا ہے تو عدالت کی صوابدید پر ہے۔ عدالت گواہوں کی شہادت لے کر فیصلہ

کرے گی۔ چوری کی ہے ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ڈاکہ ڈالا ہے، پاؤں کاٹا جائے گا۔ جیسی برائی ہے ویسی اس کی سزا ہے۔

اگر کوئی معاف کرنا چاہے تو تب معاف کیا جائے گا جہاں اصلاح کی امید ہوگی۔ ایسی صورت میں جس کے ساتھ زیادتی ہوئی اور اس نے معاف کیا تو اس کا اجر اسے اللہ کریم دیں گے۔ درگزر کرنا بلاشبہ بہت اعلیٰ بات ہے لیکن جہاں کسی کا ظلم اور برائی میں بڑھنے کا خطرہ ہو وہاں اسے سزا دی جائے گی۔

فرمایا: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اگر کوئی ظلم و زیادتی کے جواب میں اتنی ہی زیادتی، اتنا ہی بدلہ لیتا ہے تو اس کا حق بنتا تھا۔ اس سے پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ جتنا کسی نے جرم کیا ہے، اسے اتنی سزا ملنا انصاف ہے۔ یہ حق ہے اس پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ بے شک الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین (دنیا) میں ناحق سرکشی (اور فساد) برپا کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

گرفت تو ان لوگوں پر ہوگی جو اللہ کی مخلوق پر زیادتی کرتے ہیں۔ ان کے وسائل چھینتے ہیں۔ اقتدار میں ہوں تو لوگوں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ کاروبار میں ہوں تو کم تولتے ہیں۔ ذخیرہ اندوزی کر کے مہنگے داموں بیچتے ہیں۔ ملازم ہو تو دفاتر میں کام پورا نہیں کرتے۔ دفتر سے کام کی تنخواہ لیتے ہیں اور لوگوں کا کام رشوت لے کر کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی گرفت ہوگی۔

ظلم و زیادتی وہاں شروع ہوتی ہے جب لوگ وہ چیزیں سمیٹنا چاہتے ہیں جو ان کا حق نہیں بنتیں۔ ظلم وہاں شروع ہوتا ہے جب انسان اپنی حدود سے تجاوز کرتا ہے۔ ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق ہی کرتا ہے۔ گداگروں میں سے جو مضبوط ہوتا ہے وہ کسی کمزور کے پیسے چھین لیتا ہے۔ یہ بات نیچے سے لے کر سربراہ مملکت تک جاتی ہے۔ جو جہاں بیٹھا ہے اپنے ماتحتوں کے حقوق چھین لیتا ہے۔ بنگلوں میں رہنے والے مالیوں کی تنخواہ غضب کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے بڑے دردناک عذاب ہیں۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ جس نے صبر کیا۔ اللہ کی نافرمانی سے رو کا اور درگزر سے کام لیا یہ بہت بڑی عظیم بات ہے۔ اللہ کا بڑا انعام ہے کہ کسی کو اتنا حوصلہ، اتنی جرأت، اتنا صبر، اتنا شکر کرنے کی توفیق عطا ہو جائے۔

# سورۃ الشوریٰ رکوع 5 آیات 44 تا 53

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا
الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ﴿٤٤﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا
خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ
الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿٤٥﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ﴿٤٦﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ
مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿٤٧﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا
الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ
الذُّكُوْرَ ۙ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ
عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ
حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾
وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ
وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ

لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

اور جس کو اللہ گمراہ کر دیں تو اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی (بھی) کارساز نہیں اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہتے ہوں گے کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟﴿۴۴﴾ اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس (دوزخ) کے سامنے لائے جائیں گے، جھکے ہوئے ذلت سے، ست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے اور ایمان والے کہیں گے کہ یقیناً خسارہ پانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈالا یاد رکھو! بے شک ظالم (مشرک وکافر) ہمیشہ کے عذاب میں رہیں گے﴿۴۵﴾ اور ان کے کوئی دوست نہ ہوں گے جو اللہ کے سوا ان کی مدد کر سکیں اور جس کو اللہ گمراہ کر دیں تو اس کے لیے کوئی راستہ نہیں﴿۴۶﴾ اپنے پروردگار کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آ پہنچے جو اللہ کے ہاں سے ٹلے گا نہیں اس دن تمہارے لیے نہ کوئی جائے پناہ ہو گی اور نہ تم سے (گناہوں کا) انکار ہی بن پڑے گا﴿۴۷﴾ پھر اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا آپ کا کام تو صرف (احکام) پہنچا دینا ہے اور بے شک جب ہم انسان کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان پر اپنے ان اعمال کے بدلے جو وہ پہلے کر چکے ہیں کوئی مصیبت آ جاتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے﴿۴۸﴾ آسمانوں اور زمین میں اللہ کی بادشاہت ہے جو چاہیں پیدا فرماتے ہیں جس کو چاہیں بیٹیاں عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہیں بیٹے﴿۴۹﴾ یا ان کو جمع فرما دیتے ہیں، بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہیں بانجھ کر دیتے ہیں بے شک وہ بڑے جاننے والے بڑی قدرت والے ہیں﴿۵۰﴾ اور کسی آدمی کے لیے (موجودہ حالت میں) ممکن نہیں کہ اللہ اُس سے بات کریں مگر الہام سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی پیغمبر (فرشتہ) بھیج دیں تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہیں پہنچا دے بلاشبہ وہ بڑے عالی شان، بڑی حکمت

والے ہیں ﴿۵۱﴾ اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح القدس کے ذریعے (قرآن) بھیجا آپ کو خبر نہ تھی کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ولیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نُور بنایا اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت فرماتے ہیں اور بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرما رہے ہیں ﴿۵۲﴾ اللہ کی راہ (کی طرف) جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو! سب کام اللہ کی بارگاہ میں ہی پہنچیں گے ﴿۵۳﴾

# تفسیر و معارف

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ اور جس کو اللہ گمراہ کر دیں تو اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی (بھی) کارساز نہیں۔ اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہتے ہوں گے کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی ضرورت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں یہ عرض کی گئی کہ اگر اللہ ہی گمراہ کر دیں تو بندے کا کیا قصور۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ یونہی گمراہ نہیں کرتے۔ بندہ نافرمانی کرتا ہے، گناہ کرتا ہے تو اُس کے نتیجے میں اُس کے دل پر ایک سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے۔ توبہ کرتا ہے رجوع الی اللہ کرتا ہے تو وہ صاف ہو جاتا ہے۔ اگر نہیں کرتا مزید گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی مزید بڑھنے لگتی ہے۔ مسلسل اُسی میں چلا جائے تو رفتہ رفتہ، سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ جب سارا دل سیاہ ہو جائے تو پھر غضبِ الٰہی سے اُس پر مہر کر دی جاتی ہے۔ پھر اُس کے لیے معافی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ کریم کہتے ہیں اب اُدھر ہی رہ اب تیری واپسی کی ضرورت نہیں۔

وہ جو سورۂ بقرہ میں تھا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرہ:7) اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی۔ اُسی پر یہ سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ عالی میں پیش کیا گیا کہ جب اللہ نے مہر کر دی تو اُس کا کیا قصور؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، بندے نے اپنے کردار سے مہر لگوائی۔ جرم کی حد ہے۔ ایک بار، دو بار، دس بار، پچاس بار، ہزار بار آخر ایک حد آ جاتی ہے جب سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی گستاخی ہے کہ اُس سے اللہ کریم ناراض ہوتے ہیں کہ تجھے کبھی توبہ کا خیال نہیں آیا؟ تجھے کبھی اللہ کی نافرمانی کا احساس نہیں ہوا؟ پھر ایسے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے جو دل اُس درجے میں چلا جائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں پھر اُس کا مددگار کون ہو سکتا ہے؟ کوئی بھی

نہیں! اور فرمایا، اے مخاطب! یہ جو بڑے مقتدر بنے ہوئے ہیں، یہ جو بڑے بڑے سردار کہلواتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنی شہرت کے لیے یا دولت لوٹنے کے لیے یا ممالک پر قبضہ کرنے کے لیے کروڑوں بے گناہ انسانوں کو موت کی نیند سُلا دیا۔ آخر ایک ایک بندے ہی کا فیصلہ تھا۔ لاکھوں لوگوں کو مار دیا۔ لوگوں کی عزتیں لوٹیں، مال لُوٹے، دھوکے سے لے لیے۔ ہر غلط کام، غلط۔ ہر گناہ ظلم ہے فرمایا، مخاطب! ان گناہگاروں کو بدکاروں کو جو اللہ کی عظمت کے قائل نہیں ہیں جب ان کے سامنے عذاب آئے گا آخرت آئے گی برزخ منکشف ہوگی۔ جب یہ دوزخ کو دیکھیں گے تُو دیکھے گا یہ کہہ رہے ہوں گے کوئی ایسی تدبیر ہو کہ ہم دنیا میں پھر لوٹ جائیں پھر بڑی نیکی کریں گے کوئی واپسی کی سبیل ہو سکتی ہے؟ کوئی ایسا طریقہ ہو سکتا ہے کہ ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دیا جائے؟ اب ہمیں پتا چل گیا ہے کہ برائی کا انجام کیا ہے، نیکی کا کیا۔ ہم وہاں جا کر نیکی کریں گے۔ فرمایا، اُن کے دل میں یہ حسرت ہی رہے گی۔ واپس دنیا میں کوئی نہیں آئے گا۔ وہ نظام ہی ختم ہو گیا۔ وہ کائنات ہی ختم ہوگئی۔ وہ سورج ہی جھڑ گیا۔ وہ چاند ہی چلا گیا وہ تارے چلے گئے۔ وہ رات رہی، نہ وہ دن رہا، وہ موسم رہے نہ کائنات رہی اور نہ ہی آبادی۔ اب کہاں جاؤ گے؟ اب تو یہیں بسیرا ہے۔ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ اس (دوزخ) کے سامنے لائے جائیں گے جھکے ہوئے ذلت سے، ست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔ سامنے دوزخ دیکھ رہے ہوں گے کہ مارے گئے کس مصیبت میں پڑ گئے۔ یہ جرأت نہیں ہوگی کہ آنکھ اٹھا کر دیکھیں، کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ لرزاں و ترساں ہوں گے۔ بدن پر کپکپی طاری ہوگی سر جھکے ہوئے ہوں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿٤٥﴾ اور ایمان والے کہیں گے کہ یقیناً خسارہ پانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈالا، اُس حال میں اللہ کے ایماندار بندے پھر اُنہیں یاد دلائیں گے، اُنہیں کہیں گے کہ دیکھو ہم تمہیں دنیا میں بھی کہتے تھے آج بھی کہہ رہے ہیں کہ سب سے بڑے نقصان میں وہ شخص ہے جس نے اپنی اور اپنے بچوں کی عاقبت تباہ کر لی۔ آخرت تباہ کر لی۔ دنیا چلی گئی یہ نقصان نہیں ہے۔ صحت چلی گئی، یہ نقصان نہیں ہے، عاقبت چلی گئی تو سب کچھ جاتا رہا، تباہ ہو گئے۔ تم نے دنیا میں حکومت لے لی کیا کیا؟ قبر میں آئی تمہارے ساتھ؟ دولت جمع کر لی، کیا ہوا؟ دولت تمہارے ساتھ قبر میں آئی؟ آخرت کے لیے جو کیا یا چھوڑا وہ ساتھ قبر میں آیا۔ تو سب سے بڑا نقصان یہ ہے۔ پھر وہاں بھی مومن اُن سے کہیں گے کہ سب سے بڑا خسارہ پانے والا وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو بھی اور اپنے بال بچوں کو بھی آخرت اور قیامت کے دن نقصان میں رکھا۔

خوب سُن لو! طے شدہ بات ہے مشرک وکافر ظلم کرنے والے لوگ، اللہ کے نافرمان اللہ کو نہ ماننے والے، اطاعت نہ کرنے والے ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ یہ کوئی دنوں کی بات نہیں۔ سالوں کی بات نہیں۔ صدیوں کی بات نہیں کہ کبھی ختم ہو جائے گی۔ نہیں! موت آئے گی نہ زندہ ہوں گے۔ زندگی موت سے بدتر ہوگی اور موت آئے گی نہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے: فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ ﴿۴۵﴾ وہیں قیام ہوگا ہمیشہ کی مستقل رہائش جہنم میں مل جائے گی۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔۔۔اور ان کے کوئی دوست نہ ہوں گے جو اللہ کے سوا ان کی مدد کرسکیں۔ وہاں اللہ کے علاوہ کوئی ایسا دوست، ساتھی، مددگار نہیں ہوگا جو اللہ سے بڑھ کر اُن کے مدد کرے۔ اللہ کے علاوہ کوئی مدد نہیں کرسکتا وہاں کوئی ایسا نہیں جو کسی کافر کو مشرک کو دوزخ سے نکال لے، اُس کا عذاب ہی کم کردے۔ اُسے ایک دن کی چھٹی دِلا دے۔ قرآنِ کریم میں آتا ہے کہ کفار ومشرکین جہنم کے داروغے سے کہیں گے فرشتے سے کہیں گے کہ تُو اللہ سے دعا کر تُو تو فرشتہ ہے۔ کم از کم ایک دن تو ہمیں چھٹی دے دے۔ ایک دن عذاب ہم سے کم کردے تو وہ آگے سے جواب دے گا تمہارے پاس اللہ کے نبیؑ اور رسولؐ آئے نہیں تھے؟ اُن کی بات تو تم نے مانی نہیں تو وہ کہے گا پھر آج تمہاری کون سُنے؟ تم نے اللہ کی نہیں سُنی تو پھر آج تمہاری کون سُنے گا، بھگتو جو بھگت رہے ہو۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ اور جس کو اللہ گمراہ کردیں تو اس کے لیے کوئی راستہ نہیں۔ اللہ جس سے خفا ہو جائیں اور وہ اللہ کو اتنا ناراض کردے کہ اللہ اس پر توبہ کا راستہ ہی بند کردیں، اُسے گمراہ کردیں پھر اُس کے لیے کوئی سبیل نہیں ہے۔ کوئی راستہ نہیں ہے بچنے کا، پھر وہ نہیں بچ سکتا کہیں نہیں جا سکتا۔ کوئی اُس کی مدد نہیں کرسکتا لہٰذا آج وقت ہے: اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ۔۔۔اپنے پروردگار کی بات قبول کرو، تمہارا مالک ہے، خالق ہے، اُس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں عزت دی، نام دیا، پرورش کررہا ہے۔ اولاد دی مال دیا، جان دی۔ کیوں اُس کی بات نہیں مانتے؟ آج موقع ہے۔ آج اُس کی بات قبول کرلو۔

اسلام دینِ فطرت ہے مشکل تب ہوتا ہے جیسے عیسائیت میں ان بعد والے عیسائیوں نے یہ گھڑ لیا کہ جو پادری ہوگا وہ شادی نہیں کرے گا جو عورت NUN بنے گی وہ شادی نہیں کرے گی۔ یہ غیر فطری اعمال ہیں انسانی فطرت کے خلاف ہیں اور ان پر قائم رہنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ وہ شادی نہیں کرے گا تو بدکاری کرے گا۔ اسی طرح جین مت وغیرہ میں ہے کہ وہ کھانا کھائے گا نہیں اور بہت تھوڑا کھائے گا یہ سارے کام غیر فطری ہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ مومن محنت بھی کرے گا روزی بھی کمائے گا، کپڑے بھی پہنے گا، جوتے بھی پہنے گا۔ کھانا بھی کھائے گا شادی بھی کرے گا ماں باپ بھی ہوں گے بہن بھائی بھی ہوں گے۔ معاشرہ بھی ہوگا ملک بھی ہوگا اولاد بھی ہوگی۔ سارے کام جو زندہ انسان نے کرنے ہیں وہ کرے گا، اسلام کہیں روکتا نہیں۔ اسلام طریقہ بتاتا ہے کہ کائنات اللہ کی

ہے اور اُس میں رہنے کا سلیقہ یہ ہے۔ اچھا کھاؤ، حلال کما کر دوسرے کا چھین کر نہیں چھیننا اچھا نہیں ہے وہ ظلم ہے۔ جو دوسرے کا چھین کر کھاؤ گے وہ ظلم ہے، کھانے سے نہیں روکتا۔ کہتا ہے حلال کھاؤ۔ اچھا پہننے سے نہیں روکتا حکومت کرنے سے نہیں روکتا۔

## اسلام کی خوبی، مثالیں:

کتنے مسلمان حکمران ایسے ہوئے ہیں جو پورے برصغیر کے بادشاہ تھے لیکن اپنے کھانے پینے اور اپنے لباس کے لیے قرآن کریم ہاتھ سے لکھ کر اس پر کچھ ہدیہ لے کر اپنا گزارہ کیا کرتے تھے۔ پورا ملک اُن کے پاس تھا، پوری حکومت اُن کے پاس، پورے ملک کے خزانے بیت المال پاس تھا، کھانا بھی اُس میں سے نہیں لیتے تھے۔ یہ مسلمان حکمرانوں کی روایت ہے۔ آج تو ہمارے ٹی وی ڈراموں میں یہ نئی نسل آگئی ہے جن کا نہ لباس اپنا ہے نہ شکل اپنی ہے نہ سوچ اپنی ہے نہ مزاج اپنا ہے اور یہ مسلمان حکمرانوں پر تنقید کرتے رہتے ہیں۔ انہیں ہندو مشرک، سکھ، مرہٹے جنہوں نے ہمیشہ قتل عام کیا اور مخلوق کو لوٹا وہ نظر نہیں آتے لیکن یہ مسلمان حکمرانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ برصغیر میں مسلمان حکمران جو ہوئے ہیں چار پانچ حکومتیں یکے بعد دیگرے ایسی آئیں کہ پہلے بادشاہ کا غلام تھا وہ اُس کی جگہ بادشاہ بن گیا۔ یہ غلام کیسے بادشاہ بن جاتے تھے؟ یہ بھی اسلام کی خوبی ہے کہ جب بادشاہ فوت ہوا اُس کا کوئی جانشین نہیں تھا اُس کے کسی غلام میں اہلیت تھی تو مسلمانوں نے اُسی کو سلطان بنا لیا۔ اہلیت و استعداد کی بنیاد پر یکے بعد دیگرے پانچ چھ حکومتیں آئیں جسے خاندانِ غلاماں کہتے ہیں تاریخ میں۔ وہ کسی کے، ایک دوسرے کے بیٹے نہیں ہیں ایک کے بعد دوسرا اُس کا غلام جانشین ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا غلام جانشین ہوا۔ میرا نہیں خیال کہ اُس خاندانِ غلاماں کے کسی بادشاہ نے بیت المال سے ایک لقمہ لیا ہو بلکہ قطب الدین ایبک رحمۃ اللہ علیہ بھی قرآن ہی لکھ کر اس کے ہدیہ پر گزارا کرتے رہے تو کسی امیر نے زیادہ پیسے دے دیے تو اُنہوں نے حکم دیا کہ آئندہ یہ بات صیغۂ راز میں رکھی جائے گی کہ یہ قرآنِ کریم کس نے لکھا ہے۔ وہی پیسے دیے جائیں جو ہدیہ ہیں زیادہ نہ لیے جائیں۔ چونکہ اُس وقت یہ PRESS تو نہیں تھے ہر جگہ قرآنِ کریم ہاتھ ہی کے لکھے ہوئے ملتے تھے۔ قلم سے ہی لکھے جاتے تھے تو نسلاً بعد نسل ایسے حکمران ہوئے ہیں۔ مغلوں میں ایسے حکمران ہوئے ہیں۔ ان میں عیاش بھی ہوئے ہیں لیکن یہ اسلام کی خوبی ہے کہ ایسے نیک بھی ہوئے ہیں۔ فرمایا: اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ ۔۔۔ اپنے پروردگار کا حکم مان لو۔ وہ تمہارا پروردگار ہے۔ آج اُس کی بات مان لو وہ تمہیں کوئی غیر فطری کام نہیں کہتا۔ وہ کھانے سے پینے سے اُٹھنے بیٹھنے سے دوستی دشمنی سے وہ کسی بات سے روکتا نہیں ہے۔ اُس کا سلیقہ بتاتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کسی کام کا جو طریقہ اسلام بتاتا ہے

اُس کام کو کرنے کا صحیح ترین طریقہ وہی ہے اور جو طریقہ صحیح ہوتا ہے وہ سب سے آسان ہوتا ہے۔ اگر تم کہتے ہو کل اللہ ہماری قبول فرمائے تو آج اللہ کی بھی تو مانو۔ تم مخلوق اور محتاج ہو کر اُس کی بات نہیں مانتے تو وہ خالق اور بے نیاز ہو کر اُسے کیا ضرورت ہے تمہاری بات مانے گا: مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ۔۔۔اس سے پہلے کہ وہ دن آن پہنچے جو اللہ کے ہاں سے ٹلے گا نہیں۔ اس سے پہلے مان لو کہ جب وہ وقت آجائے گا کہ پھر وہ ٹلا نہیں کرتا، لوٹایا نہیں جا سکتا۔ پھر تم واپس دنیا میں نہیں آ ؤ گے پھر تمہیں ماننے نہ ماننے کی فرصت نہیں ملے گی۔ اُس سے پہلے پہلے اللہ کی بات قبول کر لو۔

چونکہ وہ وقت جب آئے گا: مَا لَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ ﴿۴۷﴾ اس دن تمہارے لیے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تم سے گناہوں کا انکار ہی بن پڑے گا۔ اگر موت آگئی اور تم نے توبہ نہ کی اور تم برائی اور نافرمانی میں مر گئے تو موت کے بعد تو کوئی توبہ کی نہ گنجائش ہوگی نہ ہی کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ ہی کسی گناہ کا انکار کر سکو گے کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ بھی ممکن نہیں۔ جرم سے بچنے کے دو ہی راستے ہوتے ہیں رشوت دے دے، سفارش کرالے یا اپنے پر جرم ثابت نہ ہونے دے۔ فرمایا، وہاں سب کچھ نہیں ہو سکے گا۔ نہ کوئی سفارشی ہوگا نہ کوئی رشوت لے گا نہ جرم چھپایا جا سکے گا۔

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا ۔۔۔ پھر اگر یہ منہ پھیر لیں۔ ان سب حقائق کو بتانے کے بعد بھی میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلّم) اگر یہ آپ کی بات سے رخ پھیر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات قبول نہ کریں: فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا۔۔۔ تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ۔۔۔ آپ کا کام تو صرف (احکام) پہنچا دینا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذمہ داری اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، جو قبول کرے اُس کی راہنمائی کرنا ہے۔ جو انکار کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اُس کی پروانہ کریں چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اللہ کا پیغام پہنچانا آپ کی ذمہ داری ہے منوانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلّم!

مبلغ کا، واعظ کا، استاد کا کام ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات پہنچانا، منوانا نہیں۔ پہنچانے اور منوانے میں بڑا فرق ہے۔ آج کل ہماری فرقہ بندی اور لڑائیاں فرقوں پر کیوں ہو رہی ہیں؟ ہم منوانا چاہتے ہیں کہ جو میں کہتا ہوں وہی مانو حالانکہ یہ شرعی طریقہ نہیں ہے۔ کوئی کفر کرتا ہے تو اللہ نے اُسے اختیار دیا ہے کفر کر کے دیکھ لے۔ انسانی حقوق اُس کے ہیں۔ آپ اُسے قتل نہیں کر سکتے، مال نہیں لوٹ سکتے، تکلیف نہیں دے سکتے۔ عزت و آبرو نہیں لوٹ سکتے، اُس کے انسانی حقوق ہیں جب اللہ کے پاس جائے گا اللہ خود حساب لے لیں گے۔ آپ نے اللہ کی بات پہنچا دی اُس نے نہیں مانی وہ جانے اُس کا ربّ جانے۔ لڑنے کا اسلام میں تو کوئی جواز نہیں۔ اسلام

میں فرقہ ہے ہی کوئی نہیں۔ ایک ہی فرقہ ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے سب ایک ہیں۔ جو نہیں مانتا وہ اسلام سے خارج ہے فرقہ کہاں سے آ گیا! تشریحات میں فروعات میں جو اختلاف ہوتے ہیں وہ اختلاف نہیں ہوتے۔ اختلاف ہوتے ہیں جو اصول میں اختلاف ہوں۔ اسلام میں اصول میں اختلاف نہیں ہے۔

فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بھی اگر یہ قبول نہیں کرتے تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان یا اِن کا محافظ نہیں بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ جلیلہ یہ ہے کہ آپ اللہ کی بات اِن تک پہنچا دیں ماننے نہ ماننے کا اختیار میں نے انہیں دے دیا۔ جو مانے گا، مانے گا جو نہیں مانتا نہ مانے!

## ایک اعتراض:

یہاں ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیوں کیا اور جنگیں کیوں ہوئیں؟ یہ بات ذرا صاف ہو جانی چاہیے کہ جتنے غزوات عہد نبوی میں ہوئے اور جتنے سرایہ ہوئے۔ غزوہ اور سریہ جنگ کی دو قسمیں ہیں۔ جس جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان فرمائی، بنفسِ نفیس شریک ہوئے اُسے غزوہ کہتے ہیں۔ جس جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو امیر بنا کر حکم دیا اور بھیجا اُسے سریہ کہتے ہیں تو تیرہ برسوں میں غزوات و سرایہ کوئی دو سو کے قریب جا پہنچتے ہیں کوئی ایک غزوہ کوئی ایک سریہ ایسا نہیں جس میں مسلمانوں نے کفار پر چڑھائی کی ہو۔ کافروں نے شرارت کی مسلمان دفاعی طور پر لڑے۔ سارے غزوات و سرایہ بدر سے لے کر آخر تک دفاعی تھے۔ خلافتِ راشدہ میں جتنی فتوحات ہوئیں علاقے اور ممالک فتح کیے گئے وہاں بھی جنہوں نے اسلام پر حملہ کی کوشش کی مسلمان ریاست پر چڑھائی کرنے کی کوشش کی، اُن سے جنگ کی گئی اور وہ علاقے فتح ہوئے ورنہ عہدِ فاروقی میں ایک دور ایسا بھی آیا، کہ بہت بڑی ریاست بن گئی کوئی حملہ آور باہر نہیں رہا تو جرنیلوں نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم فلاں علاقے فتح کر سکتے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا اگر وہ آپ پر چڑھائی نہیں کرتے تو آپ کو چڑھائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ علاقے فتح کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ اسلام کی جنگیں، جنگیں نہیں تھیں دفاعی جنگیں تھیں۔ اپنی حفاظت کی تھیں۔ جتنی بھی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی اور خلافتِ راشدہ میں بھی۔ بعد میں جب بادشاہ آ گئے تو بادشاہوں کے فیصلوں کا اسلام ذمہ دار نہیں ہے کچھ اچھے بادشاہ بھی ہوئے کچھ برے بھی ہوئے۔ صحیح فیصلے بھی انہوں نے کیے غلط بھی کیے وہ اور بات ہے۔ جو غلط کیے وہ خلافِ شریعت تھے جو صحیح کیے وہ درست تھے۔

فرمایا: وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۔۔۔ ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزا چکھاتے

ہیں تو اس پر خوش ہو جاتا ہے۔ہم انسان کو دنیا میں جب تھوڑی سی فراخی دے دیتے ہیں تو خوش ہو جاتا ہے۔ اسے اللہ کی عظمت دکھائی دیتی ہے نہ عظمتِ رسالت نظر آتی ہے۔اللہ کی کتاب کی پروا کرتا ہے نہ مخلوق کی بھلائی کا سوچتا ہے۔

## تعلق مع اللہ میں کمی اور دورِ حاضر کی مثالیں:

اللہ کی عطا پر اکڑ جاتا ہے کہ میرے پاس دولت اتنی ہے، میری گاڑیاں اتنی ہیں میری جائیداد اتنی ہے میرے بیٹے اتنے ہیں میرے پاس حکومت ہے۔ میں وزیر ہوں، فلاں وزارت میرے پاس ہے۔ میں وزیراعظم ہوں میں صدر ہوں۔ وہ اکڑ جاتا ہے۔ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾ اور اگر ان پر اپنے ان اعمال کے بدلے جو وہ پہلے کر چکے ہیں کوئی مصیبت آجاتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگ جاتا ہے۔اور اگر اسی انسان پر اس کی اِس بُری سوچ اور غلط ارادوں اور غلط کردار کی وجہ سے مصیبت آجائے تو مصیبت تو اُس کے اپنے کردار، اُس کی فکر، اُس کے نظریے سے آتی ہے لیکن وہ بے صبر ہو جاتا ہے پھر ناشکری کرتا ہے۔ پھر بھی اُسے اللہ کی طرف رجوع کرنے کی فرصت نہیں ہوتی کہتا پھرتا ہے مارے گئے، مر گئے تباہ ہو گئے ہمارا تو کچھ بچا وہ دیکھو! کل میں وزیراعظم ہاؤس میں تھا آج انہوں نے مجھے حوالات میں بند کر دیا پھر بھی یہ نہیں کہتے کہ اللہ میں نے کہاں غلطی کی، میں تختِ شاہی سے حوالات میں کیوں آیا؟ یا اللہ کوئی ایسی بات ہوئی ہے توبہ کرتا ہوں رجوع الی اللہ کرتا ہوں، نہیں۔ پھر نا اُمید ہو جاتے ہیں جیسے کوئی اللہ ہے ہی نہیں کوئی اُمید کا راستہ ہی نہیں پھر ناشکرے ہو جاتے ہیں (او جی ساڈھے نال ربّ کے کیتی۔ ساڈھا ربّ کے بیا کردا اے! سانوں تو حکومت توں چا کے حوالات پیچ دِتا۔ ساڈھے نال کے کردا اے) حالانکہ یہ نتیجہ اُن کے اپنے کردار کا ہوتا ہے، اپنے کیے کا۔ بے شمار گناہ معاف ہوتے ہیں اور پھر ہمارے ہاں تو اللہ معاف کرے یہاں روز کا تجربہ ہے کہ حکمران بھی بنے وزارتِ عظمیٰ پر فائز رہے پھر حالانکہ کوئی پھانسی لگ گیا کوئی جیلوں میں چلے گئے۔ کوئی جیلوں سے نکل کر پھر وزیراعظم بن گئے پھر ویسے کے ویسے۔ وہ جو سلاخوں کے پیچھے روتے تھے اور چلاتے تھے وہاں ویسے نا اُمید تھے وہاں بھی کوئی اللہ سے اُمید نہیں تھی اور جب دوبارہ بنے پھر اکڑ گئے۔ کوئی عجیب مخلوق ہے یہ! فراخی دیتے ہیں تو اکڑ جاتا ہے۔ اپنے کردار کی وجہ سے جب کوئی مصیبت آجاتی ہے تو ویسے ناشکری کرتا ہے اور پھر اللہ پر بہتان تراشی کرتا ہے۔

یہ ساری باتیں کیوں ہوتی ہیں؟ عظمتِ الٰہی اور عظمتِ رسالت سے محرومی کے باعث! کوئی اللہ کو جانتا ہو اپنی حیثیت کے مطابق، کوئی اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو جانتا ہو عظمتِ رسالت سے آگاہ ہو تو یہ حال نہ ہو۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ آسمانوں اورزمین میں اللہ کی بادشاہت ہے جو چاہیں پیدا فرماتے ہیں جس کو چاہیں بیٹیاں عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہیں بیٹے۔فرمایا، آسمانوں اور زمینوں کی حکومت صرف اللہ کی ہے وہ جو چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے۔زمین پر ہی ہم دیکھ لیں جو معلوم تاریخ انسانوں کے پاس ہے اُس میں کتنی چیزیں زمانہ قدیم میں تھیں پھر نابود ہو گئیں کتنی نئی چیزیں پیدا ہو گئیں یہ اُس کی اپنی صنعت ہے۔اُس کی ذات کے علاوہ جو کوئی بھی ہے وہ خود مخلوق ہے لہٰذا مخلوق کو مخلوق پر اختیار نہیں ہے۔اللہ کے علاوہ جو کوئی بھی ہے۔وہ خود مخلوق ہے وہ خالق نہیں ہے وہ کسی کو پیدا نہیں کرسکتا خود اُسے کسی نے پیدا کیا ہے۔اُس کا مالک وہ ہے جس نے اُسے پیدا کیا تو حقیقی حکومت، حقیقی بادشاہت اللہ کی ہے۔جب حقیقی حکومت اُس کی ہے، حقیقی اقتدار اُس کی ذات بے ہمتا کا ہے تو پھر اطاعت بھی اُسی وحدہٗ لاشریک کی ہوگی۔

انسانوں کو بھی اُس نے اقتدار دیا حکمران بنایا بااختیار بنایا بادشاہ بنایا لیکن انسانی بادشاہت کیا ہے؟ تخلیقِ انسانی سے پہلے جب اللہ کریم نے فرشتوں سے فرمایا: اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ:30) میں زمین میں ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے لگا ہوں جو زمین پر میری نائب ہوگی۔میرے احکام کو نافذ کرے گی۔میری منشاومرضی کو بحیثیت قانون چلائے گی لہٰذا یہ طے ہے کہ دنیا میں کسی کو بہت بڑی سلطنت، بہت بڑی حکومت بھی مل جائے تو اُس کا ذاتی حکم نہیں مانا جائے گا۔وہ مکلف ہے اس بات کا کہ مخلوق پر اللہ کے احکام نافذ کرے۔خود بھی اللہ کی اطاعت کرے اور اللہ کی مخلوق سے بھی اللہ کی اطاعت کروائے۔اللہ ہی حقیقی حاکم ہے۔اس لیے وہ حاکم ہے کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے کائنات میں کوئی دوسرا ہے جو تخلیق کا عمل کر سکے!حکومت و بادشاہت سزاوار ہی اُسی ایک ذات کو ہے۔انسان اُس کی بہت اعلیٰ مخلوق ہے سب سے بہترین مخلوق ہے پھر سب سے اعلیٰ جو ایک وصف انسان کو عطا فرمایا وہ معرفتِ الٰہی کی استعداد ہے۔ساری مخلوق میں منفرد ہے انسان جس کے پاس معرفتِ الٰہی کی ایک استعداد ہے ایک طاقت ہے۔ہر ایک کی اپنی ہے لیکن ہر ایک کے پاس ہے۔ساری مخلوق میں سوائے انسان کے کوئی ذاتِ باری کی طرف نگاہ نہیں اٹھا سکتا۔فرشتے حکم کے پابند ہیں۔یہ سوچنا بھی اُن کے بس میں نہیں کہ حاکم کون ہے، کیسا ہے؟ یہ استعداد اُس نے انسانوں کو دی ہے۔جب بندہ اتنی بڑی استعداد کو ضائع کر کے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو دو ہی راستے ہیں۔ایک اللہ کی اطاعت کا راستہ ہے دوسرا جسے ہم نافرمانی کہتے ہیں وہ شیطان کی پیروی کا راستہ ہے۔ہر انسان اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا شیطان کی پیروی!فرمایا، حقیقی حکومت یا حکمرانی زیبا اُسی ایک ذات کو ہے۔باقی سب اُس کی مخلوق ہے۔وہ جب چاہتا ہے، جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے۔اُس کی تخلیق کا عمل روزِ اوّل سے جاری ہے۔

جب تک معمورۂ عالم آباد ہے مسلسل جاری رہے گا ایک لمحے میں کتنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ کتنی مخلوق پیدا ہوتی ہے۔ سمندروں میں، فضاؤں میں، جنگلوں میں، صحراؤں میں، آبادیوں میں، انسان، حیوان، کیڑے مکوڑے کیا کیا پیدا ہوتا ہے ایک مسلسل عمل ہے اور کتنی چیزیں فنا ہوتی ہیں تو جو خود مخلوق ہے وہ تو اس عمل سے واقف بھی نہیں ہے تو اُس پر حکومت کرنے کا اسے کیا حق ہے؟ وہ ایسا قادر ہے کہ ایک گھر میں چاہتا ہے تو بیٹیاں پیدا کر دیتا ہے کسی کی دو چار پانچ سات بیٹیاں ہو جاتی ہیں۔ بیٹا نہیں ہوتا۔ کسی کو بیٹے دے دیتا ہے۔ دو دو، چار چار، پانچ پانچ، دس دس، بیٹے ہو جاتے ہیں۔ بیٹی کوئی نہیں۔ کون کرتا ہے، کس کے بس میں ہے؟ سوائے اللہ کے کوئی نہیں کر سکتا وہی پیدا فرماتا ہے۔ وہ قادر ہے وہ اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے۔ انسان کو اختیار ہے جو چیز چاہتا ہے مانگے دعا کرے لیکن اللہ سے کرے اور اس پر راضی رہے۔ اپنی اولاد کے معاملے میں تو لوگ بڑے پریشان ہوتے ہیں اور جگہ جگہ دھکے کھاتے رہتے ہیں۔ وہ فرماتا ہے ہوگا تو وہی جو میں کروں گا لہٰذا طریقہ یہ کہ اللہ ہی سے دعا کی جائے جس نے کرنا ہے۔ دعا کے بھی اپنے آداب، طریقے اور سلیقے ہیں۔ ظاہر ہے ہم گھر میں بیٹھ کر دعا کریں گے تو اُس کا اثر ایک اور طرح کا ہوگا لیکن وہی دعا اگر ہم مسجد میں بیٹھ کر کرتے ہیں تو اللہ کا گھر ہے اُس دعا کی جو قوت ہے وہ بدل جائے گی۔ وہی دعا ہم جا کر مسجدِ نبوی میں کرتے ہیں تو اُس مسجد کی برکت سے دعا میں زیادہ خلوص آ جائے گا۔ ہم وہی دعا بیت اللہ میں کرتے ہیں صورت بدل جائے گی۔ اسی طرح ہم کسی نیک آدمی سے کہتے ہیں میرے لیے دعا کر دیجیے تو اچھی بات ہے۔ دعا تو اللہ سے کرنی ہے لیکن ایک سبب اور اختیار کر لیا گیا۔ کارساز وہی ہے۔ اُس کی اپنی حکمتِ بالغہ ہے وہ جانتا ہے کہ کہاں بیٹی ہونی چاہیے کہاں بیٹا ہونا چاہیے۔

انسانیت کا ہر فرد پوری دنیا کے ماحول کو متاثر کرتا ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے سب سے اعلیٰ مخلوق ہے اس کا کردار ساری مخلوق کو متاثر کرتا ہے۔ کائنات کی فضا کو متاثر کرتا ہے۔ کہاں کس طرح کا بندہ ہونا چاہیے یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کس کے ہاں بیٹی ہونی چاہیے کس کا بیٹا ہونا چاہیے۔

**أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝٥٠** یا ان کو جمع فرما دیتے ہیں بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہیں بانجھ کر دیتے ہیں بے شک وہ بڑے جاننے والے بڑی قدرت والے ہیں۔ بعض کو بیٹیاں اور بیٹے دونوں دیتا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے ہاں صرف بیٹیاں ہیں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے ہاں بیٹے ہیں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے ہاں بیٹیاں بھی ہیں بیٹے بھی ہیں لیکن یہ اُن کا فیصلہ نہیں ہے اُن کی منشا نہیں ہے اُن کی رائے نہیں ہے۔ یہ اُس کا فیصلہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کہاں کس وجود میں سے کون سا وجود پیدا کرنا ہے۔ کتنی مہلت اُسے دینی ہے وہ کیسا ہوگا۔ شکل و صورت سے کیسا ہوگا۔ صحت بیماری سے کیسا

ہوگا۔ مال ومنال میں کیسا ہوگا؟ یہ وہ جانتا ہے جہاں چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے یہ اُس کی اپنی حکمت ہے جہاں چاہتا ہے بیٹے دے دیتا ہے جہاں چاہتا ہے بیٹے بیٹیاں دونوں دے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اُسے اولاد دیتا ہی نہیں بانجھ بنا دیتا ہے اُس کی کبھی اولاد ہوتی نہیں۔ یہ سارے فیصلے اُس کے اپنے ہیں خالق وہ اکیلا ہے کوئی ایسا نہیں جو اُسے کسی بات پر مجبور کر سکے زبردستی کرا سکے، رائے دے کر کرا سکے یا رشوت دے کر کرا سکے۔ یہ وہاں نہیں چلتا۔

مخلوق فیصلے ماننے کے لیے ہے منوانے کے لیے نہیں۔ بات ماننا عبادت ہے۔ عبادت مخلوق نے خالق کی کرنی ہے۔ مخلوق نے اُس کا حکم ماننا ہے اُس سے اپنی رائے منوانی نہیں ہے۔ یہ غلط تصور ہے۔

وہ کریم اپنے بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے جو اُس کی راہ پر چل پڑتے ہیں اُن کے سرخیل، اُن کے سربراہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں اور انبیا کوئی کام بغیر اللہ کے حکم کے نہیں کرتے اور اُمت کو وہی بات پہنچاتے ہیں جو اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اُن سے اُن کے دل میں بھی باتیں القا کی جاتی ہیں جملے بھی القا ہوتے ہیں وہ بھی دل میں باتیں آتی ہیں۔ وہ کہاں سے آتی ہیں؟ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ (الانعام: 121) یقیناً شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں بات ڈالتے رہتے ہیں۔ اِسے بھی وحی کہا گیا ہے لَيُوْحُوْنَ۔۔۔ وحی کرتے ہیں۔ وحی سے مراد ہے کوئی بات دل میں ڈال دینا۔ تو جو اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں اُن پر شیطان کی طرف سے باتیں نازل ہوتی ہیں اور وہ اُس کے اتباع میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ کی راہ کے جو مسافر ہیں اُن سے اللہ کلام فرماتا ہے لیکن انسان میں اتنی استعداد نہیں کہ روبرو کلام کر سکے یا سُن سکے یہ عالم اور یہ وجود اتنی استعداد نہیں رکھتا۔ آخرت میں انسان کو یہ قوت دے دی جائے گی۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق: 22) تمہاری آنکھوں سے حجابات ہٹا دیے گئے اور تمہاری نگاہیں مضبوط فولادی کر دی گئیں۔ آخرت میں جنہیں نجات نصیب ہوگی اُنہیں جمالِ باری بھی نصیب ہوگا۔ وہ اللہ کی زیارت بھی کر سکیں گے لیکن اُس عالم میں۔

فرمایا: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿51﴾ اور کسی آدمی کے لیے (موجودہ حالت میں) ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کریں مگر الہام سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی پیغمبر (فرشتہ) بھیج دیں تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہیں پہنچا دے۔ بلاشبہ وہ بڑے عالی شان، بڑی حکمت والے ہیں۔

کسی بشر میں اِس دنیا میں یہ قوت نہیں کہ اللہ اُس سے بات کرے، ہاں! یہ ہے کہ بات اُس کے دل میں ڈال دی جائے اِسے الہام یا القا کہتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے بات دل میں آ جاتی ہے۔ اب یہ باتیں جو دل میں آتی ہیں القا ہوتی ہیں تو کیسے پتا چلے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے؟ القا تو شیطان بھی کرتا ہے تو اُس کی طرف سے کیا

ہے؟ اُس کا معیار اللہ کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، نبیؑ پر جو الہام یا القا آتا ہے یا انؑ کے دل میں جو بات ڈالی جاتی ہے اُسے حفاظتِ الٰہیہ حاصل ہوتی ہے ایک بات۔ اُس میں شیطان کمی بیشی یا اپنی بات نہیں ڈال سکتا۔ دوسری بات نبیؑ کو یہ قوت دی جاتی ہے کہ آپؑ سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کرتے۔ جو بات جیسے آتی ہے ویسے ہی نبیؑ اُس کو سمجھتا ہے ویسے ہی اُمت کو سمجھاتا ہے۔

کسی ولی کے دل میں کوئی بات آئے تو معیار یہ ہے کہ اگر وہ خیال نبیؑ کی اطاعت کے اندر ہے تو من جانب اللہ ہے۔ اگر اُس دائرے سے باہر ہے تو یا اسے سمجھنے میں غلطی لگ رہی ہے یا خیال ہی فاسد ہے شیطان کی طرف سے آرہا ہے۔ دو میں سے ایک بات ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کشف نبیؑ کو بھی ہوتا ہے ولی کو بھی ہوتا ہے، باتباعِ نبوت ولی کو بھی کشف ہوتا ہے۔ کشف دونوں کا ایک جیسا ہے۔ فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ نبیؑ کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں لگی۔ ولی کی استعداد وہ نہیں ہوتی اُسے سمجھنے میں غلطی لگ جاتی ہے۔ کشف چونکہ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے تو نہ نبیؑ کا کشف غلط ہوتا ہے نہ ولی کا کشف غلط ہوتا ہے۔ دونوں کا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ نبیؑ کو اُسے سمجھنے میں غلطی نہیں لگتی ولی کو سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے لہٰذا ولی کا کشف محتاج ہے نبیؑ کے کشف کا۔ اگر اُس کے مطابق ہے تو درست ہے اگر اُس سے ٹکراتا ہے تو اسے سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ باطل ہے اِسے چھوڑ دیا جائے گا۔

اللہ جب بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے تو تین طریقے ہیں۔ ایک الہام یا القا، کسی مضمون کا قلب میں ڈال دینا، دوسرا پردے کے پیچھے سے صرف آواز سنائی دے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ سے شرفِ ہمکلامی نصیب تھا۔ آواز سنائی دیتی تھی، زیارت نہیں ہوتی تھی۔ اگر زیارت ہوتی تو پھر کیوں دعا کرتے کہ اللہ مجھے اپنی زیارت کرادے۔ قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ قَالَ (الاعراف:143) مجھے اپنا جمالِ جہاں آرا دکھادے۔ فرمایا: لَنۡ تَرٰىنِیۡ (الاعراف:143) ان آنکھوں سے اس عالم میں تم نہیں دیکھ سکتے۔ اِس عالمِ آب و گل میں کسی انسان میں یہ قوت ہے نہیں کہ وہ جمالِ باری دیکھ سکے۔ اللہ نے دی نہیں۔

معراج شریف کے واقعہ میں علما کے دو طبقے بن گئے ہیں۔ ایک طبقہ تو علما کا وہ ہے جو کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ کی زیارت نہیں ہوئی وہ تو بات ہی ختم ہوگئی، اگر نہیں ہوئی اِس عالم میں نہیں ہوسکتی۔ دوسرا طبقہ علما کا ہے وہ فرماتا ہے کہ اگر شبِ معراج زیارت ہوئی تو وہ یہ عالم آب و گل نہیں تھا۔ یہ دارِ دنیا نہیں تھا۔ انسانی وجود کا یہ عالم نہیں تھا۔ وہ عالم اور تھا وجودِ باسعودِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان اور ہے۔ فرشتہ لطیف مخلوق ہے جہاں فرشتے کے بھی پَر جلتے ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اُس سے آگے تشریف لے گئے۔ یہ تو طے ہے یہ تو سب مانتے ہیں۔ اس پر تو اجماع ہے۔ کہاں تک اللہ لے گیا، یہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے درمیان ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ ملتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ

پر جبرائیلِ امین نے کہا کہ اس سے آگے میری جرأت نہیں ہے اور رفرف نامی سواری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم آگے تشریف لے گئے جہاں تک اللہ نے چاہا۔ اگر اُس عالم میں جمالِ باری کی زیارت ہو تو اُسے دنیا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا چونکہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہ وہ تھی جسے قرآن نے کہا ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (النجم: 17)

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہِ پاک نہ بھٹکی نہ حد سے گزری یعنی جو حقائق تھے وہی نگاہِ پاک نے دیکھے۔ کوئی کمی بیشی نہیں دیکھی تو جس نگاہِ پاک کی یہ تعریف اللہ کریم فرما رہے ہیں، قرآنِ کریم فرما رہا ہے اگر وہاں جمالِ باری نصیب ہوا تو اللہ جانے اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم جانے اُس میں لب کشائی نہیں کرنی چاہیے۔

اِس عالم میں فرمایا، تین طریقے ہیں القا و الہام، اور یہ اولیا کو بھی ہوتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو ہوا کہ بیٹے کو دریا میں ڈال دو اور اُس الہام یا القا میں جو اللہ کی طرف سے آتا ہے تردّد نہیں ہوتا یقین ہوتا ہے۔ جو شیطان القا کرتا ہے شیطان کے پجاریوں کو بھی اُس میں تردد ہوتا ہے شکوک ہوتے ہیں شبہات ہوتے ہیں یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ۔۔۔ یا پردے کے پیچھے سے آواز سنائی دے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو سنائی دیتی تھی اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا ۔۔۔ یا جبرائیل امین کو، اپنے قاصد کو بھیج دے: فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ ۔۔۔ اپنی اجازت سے مَا يَشَآءُ ۔۔۔ جو چاہے وہ عطا کر کے بھیج دے۔ جبرائیل امین بھی تو تشریف لاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کشفاً دیکھتے۔ اکثر تو یہی ہوتا تھا۔ سارے دین کی بنیاد ہی کشف الہام اور القا پر ہے وحی پر ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ کسی انسانی روپ میں تشریف لے آتے، صحابہؓ بھی دیکھتے، پھر پتا چلتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پوچھتے، جانتے ہو یہ کون تھا؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، اللہ جانے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم جانے۔ فرماتے، یہ جبرائیل امین تھے۔ تو دنیا میں انسان سے ہمکلام ہونے کے تین ذریعے اللہ کریم کے ہیں: الہام و القا، پردے کے پیچھے سے کلام فرمائے یا فرشتہ بھیج دے وحی بھیج دے جبرائیل امین کو بھیج دے۔ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾ وہ بہت بلند مرتبہ عالی شان ہے اور وہ حکمت والا ہے وہ جانتا ہے کہاں کس چیز کی کیا ضرورت ہے کہاں کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ یہ ساری استعداد اُس کی اپنی پیدا کردہ ہیں۔ کوئی اُس کو کیا بتائے گا! جس طرح انسان خود مخلوق ہے اُس کی ساری صفات بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے تو اللہ سے شرفِ ہمکلامی کا سب سے اعلیٰ درجہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوتا ہے۔ جس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ پھر جو انبیاؑ کے متبعین ہوتے ہیں با اتباعِ نبوت، یہ بھی معجزہ نبیؑ کا ہوتا ہے، ظاہر ولی سے ہوتا ہے تو اُسے کرامت کہتے ہیں۔ نبیؑ کی ذات سے ظاہر ہوتا ہے تو اُسے معجزہ کہتے ہیں اور معجزہ، کام اللہ کا ہوتا ہے ظاہر نبیؑ کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح کرامت، کام اللہ کا ہوتا ہے اُس کا اظہار ولی کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ ولی کی کرامت بھی نبیؑ کا معجزہ ہے۔ نبیؑ کی اتباع و اطاعت کی وجہ سے اُسے نصیب ہوتی ہے۔ یہ اُس

کے اپنے نظام ہیں وہ بہت بڑی شان والا اور دانا تر ہے وہ جانتا ہے کس کام کو کیسے ہونا چاہیے۔اس مخلوق کو کیا استعداد دی ہے، کون سی مخلوق کیا کر سکتی ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔۔۔اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح القدس کے ذریعے (قرآن) بھیجا۔فرمایا، اسی طرح ہم نے آپ پر بھی وحی نازل فرمائی۔اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبیؑ پر وحی آئی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی ہے تو اس پر یہ حیرت کیوں کرتے ہیں کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔اسی طرح آپ کی ذاتِ ستودہ صفات پر بھی ہم نے اپنی وحی نازل فرمائی، روح القدس کو جبرائیلِ امین کو نازل فرمایا اپنے احکام دے کر مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ۔۔۔آپ کو خبر نہ تھی کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔قرآنِ کریم کیا ہے یا کمالِ ایمان کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہیں تھی چالیس برس قبلِ نبوت آپ نے بسر فرمائے اِن چیزوں کا تو آپ کو پتا نہیں تھا۔ با اجماعِ امت نبیؑ پیدائشی طور پر نبیؑ ہوتا ہے تخلیقی طور پر نبیؑ ہوتا ہے اور بعثت سے پہلے اُسے ایک خاص ولایت حاصل ہوتی ہے جسے ولایتِ نبوت کہتے ہیں۔

## ولایت:

راہِ سلوک میں سلوک کی منازل میں فنا بقا، سالک المجذوبی، عرشِ عظیم پھر نو عرش اُن کے بعد عالمِ امر شروع ہوتا ہے مختلف دوائر ہیں اُس میں۔تقرب، توکل تسلیم، رضا۔ چلتے چلتے ایک مقام آتا ہے جہاں ولی کی ولایت ختم ہو جاتی ہے۔سفر ختم نہیں ہوتا، ولی کی ولایت ختم ہو جاتی ہے۔آگے اُس سے آگے کیا ہے؟ اُسے کہتے ہیں ولایتِ انبیاءؑ۔ پھر اُس میں بے شمار دوائر ہیں۔وہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔وہ انبیاءؑ کا خاصہ ہوتی ہے اور خال خال کہیں صدیوں بعد ہزاروں سالوں بعد کسی ایک ولی کو اُس میں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ولی اُس میں، ولایتِ انبیاءؑ میں کیسے جاتا ہے؟ جس طرح بادشاہ کے خادم شاہی محل میں جاتے ہیں۔بادشاہ کے ملازمین، ذاتی جو ہوتے ہیں جو کھانا پکاتے ہیں جو کھانا دیتے ہیں جو لباس بدلواتے ہیں جو بستر ٹھیک کرتے ہیں وہ سارے اُس شاہی محل کے اندر ہی رہتے ہیں لیکن وہ بادشاہ تو نہیں ہوتے۔کسی ولی کو ہزاروں سال بعد اگر ولایتِ انبیاءؑ میں اُس کی روح کو جانا نصیب ہو تو اُس کا عالم یہی ہوتا ہے کہ نبیؑ کے خادم کے طور پر اُس میں داخل ہوتا ہے۔یہ طے ہے کہ بعثت تک ہر نبیؑ کے پاس ولایت ہوتی ہے۔

یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ نے بتایا ہے: وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (یوسف:22) جب وہ بالغ ہوئے تو ہم نے اُنہیں ولایت عطا کر دی۔ بعثت بعد میں ہوئی۔ نبیؑ بعد میں ہوئے، ولایت عطا کر دی۔ ولایتِ نبوت ہوتی ہے لیکن اُس میں تفصیل نہیں ہوتی نہ عقائد کی نہ اعمال کی۔ایک کیفیت

قربِ الٰہی کی ہوتی ہے۔ اسی لیے نبیؑ پوری زندگی میں کوئی کام خلافِ شریعت نہیں کرتا۔ کسی نبیؑ نے جب بتوں کی پوجا سے منع کیا تو کسی کافر نے یہ نہیں کہا کہ کل تک تو آپ بھی ہمارے ساتھ ان کی پوجا کرتے تھے آج آپ کو کیا ہو گیا۔ کسی نبیؑ کو کسی کافر نے کہا؟ کسی نبیؑ نے کسی بت کی پوجا نہیں کی بعثت سے پہلے بھی چونکہ ولایت انبیاؑ حاصل ہے۔ کسی نبیؑ نے چوری نہیں کی ورنہ وہ نبوت کا اعلان کرتے تو لوگ اعتراض کرتے کہ قبل نبوت آپ کا دامن اس برائی سے آلودہ تھا۔ کسی نبیؑ نے زندگی میں جھوٹ نہیں بولا ورنہ کافر اُس بات کا طعنہ دیتے کہ آپ تو پہلے خود یہ کام کرتے رہے، آج ہمیں کیسے روک سکتے ہیں۔ ہر نبیؑ قبلِ نبوت بھی انتہائی پاکیزہ کردار کا حامل ہوتا ہے۔ ولایتِ نبوت میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ قبلِ نبوت بھی اُس کی زندگی پاک صاف اور شریعت کے مطابق ہوتی ہے، طبعی طور پر بغیر احکام کی تفصیل جانے۔ احکام اور اُن کی تفصیل نبیؑ کے علم میں بھی تب آتی ہے جب وحی نازل ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی نمازیں ادا فرمائی جب فرض ہوئیں۔ روزے کے حدود و قیود نازل ہوئے آسمان سے حج کی فرضیت نازل ہوئی۔ احکام و شرائع نازل ہوئے لیکن جو حکم بھی شریعت کا آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرمایا، کافر یہ اعتراض نہیں کر سکے کہ پہلے تو آپ اس کے خلاف کرتے تھے آج یہ حکم کیوں دے رہے ہیں؟ لہٰذا نبیؑ کو قبلِ نبوت ولایتِ نبوت حاصل ہوتی ہے لیکن اس میں شریعت کی تفصیل نہیں ہوتی، کردار شریعت کے مطابق ہوتا ہے اور صرف نبیؑ کا ہوتا ہے جب وحی نازل ہوتی ہے تو پھر وہ کردارِ نبوت ساری اُمت پر پھیلتا ہے۔ ہر قبول کرنے والے کو اُس میں سے ذرّہ نصیب ہوتا ہے۔ ہر ایمان لانے والے کو اُس میں سے اپنی حیثیت کے مطابق انوارات و برکات نصیب ہوتے ہیں اور اُس کا کردار ڈھلتا رہتا ہے تو ہمیں لوگوں کا اندازہ کرنے کی بجائے اپنی فکر کرنی چاہیے کہ میرے کردار کا کتنا حصّہ سنت کے مطابق ہے، یہ برکات ہیں نبوت کی اور کتنا شیطان کی رائے کے مطابق ہے۔ ہر بندہ اپنا اندازہ کر سکتا ہے۔

فرمایا، آپ نے کتاب کا نام پہلے تو نہیں لیا، قرآن کے احکام نہیں سنائے، قرآن کی آیتیں نہیں سنائیں اسی لیے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل نہیں ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کیا پتا تھا۔ ایمان کے شرائط بھی آپ کے علم میں نہیں تھے نہ کبھی کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کردار، آپ کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایمان اور اعمال کے احکام بتائے تو کوئی کافر یہ نہیں کہہ سکا کہ کل تک تو آپ بھی یہ کرتے تھے آج اس سے منع کر رہے ہیں۔ یہ ولایت نبوت ہوتی ہے۔

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۔۔۔ ولیکن ہم نے اِس (قرآن) کو ایک نور بنایا ہم نے آپ کے کردار کو آپ کے فرمان کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کو، ایک نور بنا دیا ہے، روشنی بنا

دی ہے۔اپنے بندوں میں سے جسے ہم پسند کرتے ہیں اُسے سب سے بڑا انعام یہ دیتے ہیں کہ یہ نور عطا کردیتے ہیں۔ نَّهۡدِيۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ۔۔۔اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت فرماتے ہیں۔جو میرے بندے بنتے ہیں شیطان کے بندے نہیں بنتے جو مجھ پر ایمان لاتے ہیں جو میری اطاعت کرتے ہیں اُن میں سے پھر میں کسی کو اتنا سرفراز کردیتا ہوں کہ آپ کے اخلاقِ حسنہ کی جھلکیاں اُس میں نظر آنے لگتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی برکات سے اُس کا سینہ منور ہوجاتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے انوارات اُس کے چہرے پرآجاتے ہیں۔ وَاِنَّكَ لَتَهۡدِيۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۵۲﴾ اور بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرمارہے ہیں۔جس کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن چھوڑا وہاں اُس نے ہدایت کا دامن چھوڑ دیا۔جو کام اُس نے سنت کے خلاف کیا اُس نے غلط کیا۔اور یہ سیدھا راستہ کیا ہے؟ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيۡ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ۔۔۔ یہ سیدھا راستہ اُس اللہ کا راستہ ہے جو زمینوں، آسمانوں اور جو کچھ اُن میں ہے وہ سب کا مالک ہے۔کائنات کے ہر ذرّے پر اُس کی حکومت ہے اُس کا اقتدار ہے۔ ہر چیز اُس کی اپنی تخلیق ہے اپنی پیدا کردہ ہے۔اپنی ملکیت ہے۔جو راستہ اُس نے مقرر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم وہی راستہ بتاتے ہیں۔ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾ فرمایا، یہ بات یاد رکھ لو۔سب کردار اُسی کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔آج تو تم بڑی جرأت سے جو چاہو فیصلہ کرلیتے ہو جو کام چاہتے ہو کرلیتے ہو لیکن تمہارے یہ فیصلے، تمہارے یہ کام، تمہارے اعمال، اُس کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں گے وہاں تمہیں کھڑا کیا جائے گا۔کام کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت، طے کرتے وقت، بولتے وقت یہ سوچ لیا کرو کہ یہ چیز میرے سامنے، میرے اللہ کے حضور پیش ہوگی۔ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾ انجامِ کار ہر شئے ہر کام ہر کردار ہر سوچ ہر فکر اُس کی بارگاہِ عالی میں پیش ہوگی۔

# سورۃ الزخرف رکوع 1 آیات 1 تا 15

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۴﴾ اَفَنَضْرِبُ
عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿۵﴾ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ
نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۷﴾
فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ
مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۹﴾
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً
مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ
مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ
تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ
لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا
لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

حٰمٓ ۔ قسم ہے اس کتاب واضح کی ﴿۲﴾ یقیناً ہم نے اس کو عربی (زبان کا) قرآن
بنایا ہے تا کہ تم سمجھ لو ﴿۳﴾ اور یقیناً وہ ہمارے پاس بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری
کتاب (لوحِ محفوظ) میں ہے ﴿۴﴾ تو کیا اس لیے کہ تم حد سے نکلے ہوئے لوگ

ہو ہم تم کو نصیحت کرنے سے باز رہیں گے ﴿۵﴾ اور ہم نے پہلے لوگوں میں بھی بہت سے پیغمبر بھیجے ﴿۶﴾ اور ان کے پاس کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو ﴿۷﴾ تو جو ان میں بہت زور والے تھے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت ہو چکی ﴿۸﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا؟ تو وہ ضرور کہہ دیں گے کہ زبردست (اور) علم والے (اللہ) نے ان کو پیدا فرمایا ﴿۹﴾ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور اس نے تمہارے لیے اس میں راستے بنائے تاکہ تم منزل تک پہنچ سکو ﴿۱۰﴾ اور جس نے ایک اندازے سے آسمان سے پانی برسایا پھر اُس سے ہم نے ایک مردہ دیس کو زندہ کیا اسی طرح تم بھی (زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے ﴿۱۱﴾ اور جس نے تمام اقسام پیدا فرمائیں اور تمہارے لیے کشتیاں اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو ﴿۱۲﴾ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو جب تم اس پر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور (یوں) کہو پاک ہے وہ ذات جس نے ان (چیزوں) کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے کہ ان کو قابو میں کر لیتے ﴿۱۳﴾ اور یقیناً ہم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۴﴾ اور انہوں نے اس کے بندوں میں سے اس کے لیے جز (اولاد) بنالیا بے شک انسان صریح ناشکرا ہے ﴿۱۵﴾

# تفسیر و معارف

سورۂ زخرف شروع ہوتی ہے۔ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ اس کی ابتدا حروفِ مقطعات سے ہوتی ہے۔ فرمایا: حٰمٓ ۞ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ قسم ہے اس کتابِ واضح کی۔ قسم سے مراد ہے کہ یہ کتاب اس بات پر گواہ ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ اللہ کریم کے علاوہ کسی کی قسم کھانا جائز نہیں کیونکہ صرف اللہ ہی ہر شئے پر ہر وقت گواہ ہیں۔ اللہ کریم نے قرآن میں جو قسمیں مخلوق کی کھائی ہیں وہ اس طرح کہ وہ مخلوق متعلقہ بات پر شاہدِ عدل ہوتی ہے یعنی گواہ ہوتی ہے۔ وہاں اسے بطورِ گواہ پیش کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَالْعَصْرِ (العصر: 1) زمانے کی قسم۔ زمانہ گواہ ہے کہ انسان خسارے میں ہے۔ سب انسان خسارے میں ہیں سوائے ایمان والوں کے کہ

وہ دنیا میں آئے ایمان نصیب ہوا، اطاعت الٰہی پائی اور فلاح پا گیا۔ دوسرے لوگ بھی دنیا میں آئے انہوں نے اللہ کا انکار کیا، اس کے پیغمبر کو جھٹلایا، پیغامِ الٰہی کی پروا نہیں کی۔ اسے بھی وقت ملا تھا، استعداد دی گئی لیکن اس نے ایمان اور اعمالِ صالحہ نہ کر کے جہنم مول لیا، وہ خسارے میں چلا گیا۔

یہاں کتابِ مبین کی قسم کھائی گئی ہے کہ یہ واضح روشن کتاب ہے جو زندگی، موت، مابعد الموت کے ہر سوال کا بڑا واضح جواب دیتی ہے کھل کر بیان کرتی ہے، خواہ وہ سوال انسان کی ذات سے متعلق ہو، اس کے معاشرے، قوم، ملک سے متعلق ہو یا بین الاقوامی سطح سے تعلق رکھتا ہو۔ زندگی کے کسی شعبہ سے ہو سب کا قابلِ عمل حل صرف اسی کتاب میں ملے گا۔ اسی میں موجود ہے۔ یہاں کوئی بات مبہم نہیں ہے۔ یہ کتاب صرف پڑھے لکھے لوگوں ہی کے لیے نہیں۔ یہ صرف علما کے لیے نہیں۔ یہ ہر انسان کے لیے ہے جو اسے حق مانتا ہے۔ یہ اس کے لیے بھی ہے جو نہیں مانتا۔ نہ ماننا بندے کی طرف سے ہے۔ یہ محرومی وہ خود اپنا رہا ہے۔ اگر وہ اسے مان لے تو اُسے بھی اس کے سارے فوائد حاصل ہو جائیں۔ یہ ہر اس شخص کے لیے راہ نما ہے جو اس کو حق سمجھتا ہے۔ پھر وہ پڑھا لکھا نہیں تو اسے قرآن بتاتا ہے: فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:43) مفہوم یہ ہے کہ اگر تم نہیں جانتے تو ان سے پوچھ لو جو اس کلامِ الٰہی کو پڑھتے، سمجھتے، عمل کرنے والے لوگ ہیں۔ اگر اپنی انسانیت بچانا چاہتے ہو تو اس واضح کتاب سے راہ نمائی حاصل کرو!

## عربی زبان کی خصوصیت:

فرمایا: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ یقیناً ہم نے اس کو عربی (زبان کا) قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

عربی کی خصوصیت یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت میں دنیا کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چھوٹے سے جملے میں تمام جزئیات تک سمو دی جاتی ہیں۔ دنیا کی کسی اور زبان میں یہ جامعیت نہیں۔ ایسی وسعت اور گہرائی نہیں۔

فرمایا گیا کہ قرآن کو ہم نے عربی زبان میں نازل کیا۔ عربی کی حیثیت تمام زبانوں پر زبان کی حیثیت سے مسلّم ہے اور اس کی فضیلت یہ بھی ہے کہ اس کے سوا کوئی زبان مقدس نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم عربی ہیں۔ قرآن عربی زبان میں ہے۔ یہ اہلِ جنت کی زبان ہے۔ اور اس کتابِ الٰہی کو عربی زبان میں نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم سمجھ سکو۔ قرآن کے پہلے مخاطب عرب تھے۔ ان کی مادری زبان تھی۔ انہوں نے اسے سمجھا اور ایسا سمجھا

کہ کائنات کو سمجھا دیا۔ کلامِ الٰہی کا یہ اعجاز ہے کہ غیر عرب بھی جب اپنی زبانوں میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں یا اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کے واضح مضامین ان کی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ یہ عام کتابوں کی طرح نہیں ہے یہ کتابِ الٰہی ہے۔

یہاں یہ اصول بھی طے ہوا کہ تلاوت صرف عربی متن کی ہے۔ ترجمہ پڑھنا مفید ہے، نفع بخش ہے، عمل کے لیے ضروری ہے لیکن ترجمہ پڑھنا، قرآن کی تلاوت نہیں ہے۔ تلاوت وہ عبادت ہے جو قرآن کے الفاظ پڑھنے سے ادا ہوتی ہے۔ تلاوت کا ثواب صرف عربی متن پڑھنے سے ہوگا کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے۔

## خاص رتبے والی کتاب:

فرمایا: وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ﴿۴﴾ اور یقیناً وہ ہمارے پاس بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب (لوحِ محفوظ) میں ہے۔

یہ کتاب لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے۔ آسمان سے جتنی بھی کتابیں نازل ہوئیں وہ کلامِ الٰہی تھیں، حق تھا۔ سارے صحائف جو انبیاؑ پر نازل ہوئے سب اللہ کا کلام تھے۔ زبور، توریت، انجیل اپنے اپنے خاص وقت کے لیے، خاص قوم کے لیے، خاص عہد اور زمانے کے لیے تھے۔ قرآن حکیم ایسی رتبہ والی کتاب ہے کہ یہ کائنات میں اکیلی کتاب ہے۔ الکتاب ہے۔ اس جیسی کوئی دوسری کتاب نہیں۔ قرآن، کائنات میں بسنے والے سارے انسانوں کے لیے ہے۔ ہر رنگ، ہر موسم میں رہنے والے انسانوں کے لیے یکساں قابلِ عمل ہے۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ اس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی۔ ساڑھے چودہ سو سال میں زندگی بسر کرنے کے لیے کتنی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ رہائش، لباس، سفر کے طریقے سب بدل گئے۔ انسانوں کے معاملات پوری دنیا تک پھیل گئے۔ نئی نئی ایجادات ہوئیں۔ ان سب سے متعلق سوالوں کے جواب کہاں سے آئے؟ اسی کتابِ مبین سے۔ قیامت تک جو تبدیلیاں آتی رہیں گی ان کا جواب بھی اس میں موجود ہے۔ قیامت تک کوئی کتاب نہیں آئے گی کیونکہ اس کتاب کے بعد کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہیں اور قرآن کے نزول کے بعد کسی نئی کتاب کی ضرورت باقی نہیں۔ قیامت تک کے سارے سوالوں کے جواب اس میں موجود ہیں۔

ساڑھے چودہ سال اس بات پر گواہ ہیں کہ انسانی معاشرے میں جو نیا سوال پیدا ہوا، قرآن وسنت نے اس کا شافی جواب، حتمی جواب دیا اور قیامت تک دیتا رہے گا۔ یہ عام کتاب نہیں۔ اللہ کے نزدیک بہت بلند رتبہ کتاب ہے۔ بہت بڑی شان والی کتاب! دانائی اور حکمت سے لبریز!

## نصیحت جاری رہے گی:

فرمایا: اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ۝ تو کیا اس لیے تم حد سے نکلے ہوئے لوگ ہو، ہم تم کو نصیحت کرنے سے باز رہیں گے۔ فرمایا، اگر تم نہیں مانو گے تو کیا نصیحت کرنا چھوڑ دیا جائے گا؟ نہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے اس کی شان ہے۔ وہ خالق و مالک ہے، راہ نما ہے۔ وہ راہ نمائی کرتا رہے گا۔ ماننے، نہ ماننے کا اختیار اس نے تمہیں دیا ہے۔ تم مانتے ہو تو نورٌ علیٰ نور نہیں مانتے تو اس کا نتیجہ بھگت لو گے۔ مانو یا نہ مانو، قرآن بیان ہوتا رہے گا۔ اس بات کی محتاجی نہیں ہے کہ بہت سے لوگ مانتے ہیں اس لیے بیان کرو، لوگ نہیں مانتے چھوڑ دو۔

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ دین بیان کرنے والے کو، قرآن وسنّت بیان کرنے والے کو اس بات سے بالاتر ہونا چاہیے کہ کتنے لوگ مان رہے ہیں، کتنے نہیں مان رہے۔ اس کے ذمہ بات پہنچانا ہے، منوانا اس کے ذمہ نہیں۔ یہ بندے اور اللہ کے درمیان ہے۔ ایک فرد ہو یا ایک لاکھ افراد۔ جسے بات پہنچانی ہے اسے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پہنچانی ہے۔ اسے پورے درد دل سے، سوز سے، دانائی و حکمت کے ساتھ پہنچانی ہے۔ بعض علما ایسے ہوئے ہیں کہ تقریر فرما لیتے اور جو لوگ اس وقت پہنچتے جب بات ختم ہو رہی ہوتی تو وہ ان سے پوچھ لیتے کہ ہم تاخیر سے آئے تھے۔ دوبارہ ارشاد فرما دیجیے اور وہ پوری دل سوزی سے اسی طرح بیان فرماتے گویا لاکھوں کے مجمع کو سنا رہے ہوں۔ اس ایک بندے کو دوبارہ سب کچھ بتا دیتے۔ انہیں یہ فکر تھی کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پہنچائی جائے۔ خواہ ایک فرد ہی ہو! فرمایا، اگر تم حد سے نکل جاؤ گے، اطاعتِ الٰہی نہیں کرو گے تو کیا نصیحت کرنا بند ہو جائے گا۔ نہیں۔ قرآن ہر حال بیان ہوتا رہے گا۔ مسائل کا حل بتاتا رہے گا۔ دعوتِ حق جاری رہے گی۔

انسان جب سے دنیا میں آیا ہے ایسا ہوتا رہا ہے۔ فرمایا: وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ۝ اور ہم نے پہلے لوگوں میں بھی بہت سے پیغمبر بھیجے۔ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ۝ اور ان کے پاس کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو۔

یہ نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی جو لوگ مردہ دل تھے وہ دنیوی لذات میں ہی کھو گئے۔ اقتدار کی بھول بھلیوں میں ضائع ہو گئے۔ بڑے بڑے کڑیل جوان تھے، ذاتی قوت وطاقت کے نشے میں کھو گئے۔ انسان جب سے دنیا میں آیا ہے۔ اسی امتحان میں رہتا ہے۔ یہی تو آزمائش ہے۔ اللہ کریم نے دنیا بنا کر اس میں بہت لذتیں رکھی ہیں۔ کھانے پینے کی لذتیں

جدا ہیں اور اقتدار واختیار کے محسوسات جدا۔ دنیا مادّی ہے، انسانی وجود مادّی ہے، نفس مادّے کے ملنے سے بنتا ہے تو یہ سارے ذرائع اسے دنیا کے قریب کر دیتے ہیں۔ دنیا کو اسی لیے دنیا کہتے ہیں کہ یہ قریب ہے۔ عربی میں دنیا کے معنی ہیں قریب تر۔ دنیا قریب ہے اور ظاہری اعضاء بھی قریب، ظاہری آنکھوں سے ظاہری لذتیں جلد محسوس ہو جاتی ہیں۔

آخرت کے لیے، دل کی نگاہ چاہیے۔ دل کے حواس چاہییں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو سارے بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا بدن تباہ ہو جاتا ہے۔ اور خوب اچھی طرح سن لو! یہ انسانی قلب ہے۔ قلبِ انسانی تب تک مردہ ہے جب تک ایمان نہیں لاتا۔ جس طرح کسی کا دماغ خراب ہو۔ عقل ماؤف ہو تو وہ دنیا کے امور نہیں سمجھ سکتا۔ جس طرح ایک پاگل کو کچھ پتا نہیں ہوتا۔ گرمی، سردی کا نہ اچھے برے کھانے پینے کا تو وہ یونہی لباس، بے لباس رہ کر عمر ضائع کر جاتے ہیں۔ اسی طرح جن کے دل مردہ ہوتے ہیں، نورِ نبوت سے خالی ہوتے ہیں وہ بھی عمر ضائع کر جاتے ہیں۔ پاگل اگر دنیا کی نعمتوں سے محروم ہیں وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دماغ نے کام کرنا چھوڑا تو دنیوی امور تباہ ہو گئے۔ انسان کے قلب نے کام چھوڑ دیا اس کے اخروی امور تباہ ہو گئے۔

قلب کی حیات، قلب کی زندگی ایمان سے ہے۔ صرف زندگی ہی درکار نہیں۔ طاقت قوت والی زندگی چاہیے جس میں بندہ اٹھ کر چلے پھرے، کام کرے۔ اطاعتِ پیغمبرؐ کرے۔ ایمان کے بعد جتنا اتباع کرے گا اتنی ہی اس کی روح میں طاقت، قوتِ کار آئے گی۔ اللہ کا کیا ہی بڑا احسان ہو کہ برکاتِ نبوت نصیب ہو جائیں۔ کوئی ایسا ذریعہ مل جائے، کوئی ایسا شیخ مل جائے جس کا سینہ برکاتِ نبوت سے منور ہو اور وہ دوسرے کے سینے میں وہ دردِ دل انڈیل دے۔ زندگی کا مزا تو تب ہے!

خوش نصیب ہیں وہ جو زندہ، زمین پر ہیں، بستے جنت میں ہیں۔ بلالؓ کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ بلالؓ زمین پر چل رہے تھے لیکن شبِ معراج مجھے ان کے قدموں کی چاپ جنت میں سنائی دے رہی تھی۔ گویا، جیتے زمین پر ہیں اور بستے جنت میں ہیں۔ بلالؓ کی شان اپنی! لیکن برکاتِ نبوت ہمیشہ کے لیے ہیں یہ نعمتیں برکاتِ نبوت سے نصیب ہوتی ہیں۔ اتباع نبوت سے نصیب ہوتی ہیں اپنی اپنی حیثیت کے مطابق!

اتباع نہ کیا جائے، پروا نہ کی جائے تو دل صرف دنیوی لذتوں کا عادی رہتا ہے اور جو ایمان سے عاری ہو جائیں انہیں اخروی نعمتوں کی فکر ہی نہیں رہتی۔ وہ مال واقتدار کی لذت تو پاتے ہیں لیکن یہ ان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس دنیا میں رہ کر جنت میں جئیں۔

یہ دنیا ان پر غالب ہے۔ دل میں جان نہیں۔ کلمہ پڑھا ہوا ہے۔ لیکن ایمان میں اتنی جان نہیں۔ جیسے ایک

زندہ انسان ہو لیکن اتنا بیمار کہ چارپائی پر پڑا رہے۔ اس کی مسلمانی اتنی ہی ہے کہ زندہ ہے۔ ان کے اندر دنیا چل پھر رہی ہے اور دین بستر پر پڑا ہے۔ اس میں اتنی سکت ہی نہیں کہ وہ بتا سکے کہ اس کی ضرورت کیا ہے۔ وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ جن لذتوں پر نفس خوش ہو رہا ہے یہ میرے لیے سمِ قاتل ہے۔ تم مجھے زہر کھلا رہے ہو۔ دل زندہ ہو، پھر صحت مند ہو تو اپنی لذتیں پہچانے ان کے حصول کی کوششیں کرے۔ آج کا حکمران بھی اسی کا شکار ہے اور عام بندہ اپنی حیثیت میں اسی سے دوچار ہے۔

فرمایا، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ نبیؐ کا تمسخر اڑایا جائے۔ ان کے پیغام کا مذاق اڑایا جائے۔ پہلے بھی انبیاؑ آتے رہے اور ان کا مذاق اڑایا گیا۔ انہیں یہ طعنے دیے گئے کہ ان کے پاس دنیا میں تو شان و شوکت والا لباس نہیں، رہائش نہیں اور یہ چلے ہیں آخرت کے خزانوں کی بشارتیں دینے! ان کے اس استہزا کا کیا نتیجہ ہوا؟ تاریخ دیکھو! اگر انبیاؑ کا مذاق اڑایا گیا تو مذاق اڑانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾ تو جوان میں بہت زور والے تھے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت ہو چکی۔ فرمایا، ہم نے مذاق اڑانے والوں کو، بڑی بڑی طاقتور قوموں کو نیست و نابود کر دیا۔ تباہ کر دیا۔ یہ بربادی انہوں نے انبیاؑ کا مذاق اڑا کر خود خریدی۔ تاریخ ان کے حالات سے پُر ہے۔ فرعون، فراعنۂ مصر نے صدیوں مصر پر حکومت کی۔ چار سو سال یکے بعد دیگرے حکمران رہے۔ ہر بادشاہ کا لقب فرعون تھا۔ دنیا کی بہت بڑی طاقت تھی۔ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا۔ ان کے خزانے بنی اسرائیل کے کام آئے جنہیں وہ اپنا غلام سمجھتے تھے۔ اللہ نے ان کے غلاموں کو حکومت دے دی اور حکمرانوں کو تباہ کر دیا۔ اسی طرح عاد و ثمود کی قوموں کے حالات دیکھو۔ ان کے عظیم الشان، پہاڑ تراش کر بنائے ہوئے محلات راستوں پر عبرت کا نشان بن کر کھڑے ہیں۔ انہیں اپنی مادّی ترقی پر ناز تھا، قد و قامت پر، اپنی قوت و طاقت پر ناز تھا۔ انہوں نے دل مردہ رکھے ہوئے تھے، انبیاؑ کا مذاق اڑایا تو ہم نے انہیں برباد کر کے رکھ دیا۔ ان منکرین سے بھی پوچھا جائے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا؟ تو وہ ضرور کہہ دیں گے کہ زبردست (اور) علم والے (اللہ) نے ان کو پیدا فرمایا۔

جو غیر اللہ کو اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ ان کی مجبوری یہ ہے کہ وہ کسی ایسی ہستی کو مانیں جو سب مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اور اسے پیدا کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ عقل کی مجبوری ہے۔ دیوی دیوتا ہوں، پتھر کے بُت ہوں یا انسان ہوں۔ سانپ، پہاڑ یا درخت ہوں، جن کو بھی یہ پوجتے ہیں یہ سب مخلوق ہیں۔ مثلاً سوال اٹھتا ہے کہ انہیں کس

نے بنایا؟ اسی تسلسل کو چلاتے جائیں تو آخر میں انہیں ایک ہستی ماننی پڑتی ہے۔ تب یہ کہتے ہیں کہ ان بتوں کو اس ذات نے بنایا اور کائنات ان کے سپرد کر دی کہ اب تم نے اسے چلانا ہے۔ یہ ماننا عنداللہ مقبول نہیں۔ ماننا وہ ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتانے پر مانا جائے۔ جیسا آپ علیہ السلام منوائیں ویسا مانا جائے۔ ہر نبیؑ پر ایمان لا کر ہی اللہ پر ایمان لایا جاتا رہا۔

مشرکوں کی بھی یہ مجبوری ہے کہ کوئی دوسرا خالق پیش نہیں کر سکتے۔ ان سے پوچھا جائے کہ یہ کائنات، ارض وسما، اس کے سربستہ راز، اس کی رنگینیاں، اس کے خزانوں سے چیزوں کو ملا کر نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں تو یہ سب کچھ کس کا ہے، کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ اس نے پیدا کیا ہے جو سب پر غالب ہے۔ انہیں کہنا پڑتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے مخلوق بنائی۔ وہ غالب ہے، جاننے والا ہے۔ یہ ماننے کے باوجود اللہ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ کیسی بدبختی ہے! حالانکہ اللہ تو ایسے کریم ہیں فرمایا: الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَہۡدًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ فِیۡہَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰﴾ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور اس نے تمہارے لیے اس میں راستے بنائے تاکہ تم منزل تک پہنچ سکو۔ زمین بھی اللہ کی عجیب تخلیق ہے اس کی قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ اس کرّے کی شکل بیضوی ہے لیکن ہر جگہ یہ انسان کے لیے بچھونا ہے۔ ہم یہاں جس خطے میں ہیں، امریکہ کے مغربی ساحل عین ہمارے مقابل زمین کے دوسری طرف ہیں۔ گلوب کو سامنے رکھیں۔ اگر وہ اوپر ہیں تو ہمیں نیچے ہونا چاہیے۔ اگر ہم اوپر ہیں تو انہیں نیچے ہونا چاہیے لیکن وہاں جائیں تو زمین سیدھی ہے۔ اپنی کروی شکل، گولائی کے باوجود، جہاں بھی جائیں ہمارے لیے بچھونا ہے۔ فرمایا، کیا تمہیں اس میں ہماری عظمت نظر نہیں آتی؟ اور اسی زمین میں ہم نے تمہارے لیے سمتیں، اکناف، راستے متعین کر دیے کہ ایک دوسرے کے پاس آ، جا سکو، ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ ہو سکو۔ انسانی معاشرہ ایک دوسرے سے متعلق رہ سکے۔

وَالَّذِیۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنۡشَرۡنَا بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا ۚ کَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اور جس نے ایک اندازے سے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے ہم نے ایک مردہ دیس کو زندہ کیا اسی طرح تم بھی (زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔

اللہ ہی وہ ذاتِ کریم ہے جو درست اندازے سے بارش برساتا ہے جو انسانوں کے لیے مفید ہوتی ہے۔ اس بارش سے خشک زمینیں سیراب ہو جاتی ہیں، ان میں روئیدگی ہوتی ہے۔ پودے درخت پھل پھول دینے لگتے ہیں۔ کھیتیاں اناج اگلتی ہیں۔ اسی طرح اللہ کریم انسانوں کو زمین سے نکال کھڑا کریں گے۔

اللہ کریم کے حکم سے بارش برستی ہے۔ فرماتے ہیں، ہم اسے ذرا بڑھا دیں تو تم غرق ہو جاؤ اور ذرا گھٹا دیں تو

قحط سالی آ جائے۔ تم قحط کو روک سکو نہ سیلاب کو، تو پھر تمہیں اسکا ممنون ہونا چاہیے جو ہمیشہ درست اندازے سے پانی برساتا ہے جس سے تمہاری حیات رواں دواں رہتی ہے۔ کبھی تمہارے کردار کے سبب، تمہارے گناہوں کے سبب اسے گھٹا بڑھا دیتا ہوں کہ تمہیں احساس رہے کہ دنیا کو تم کنٹرول نہیں کر رہے، کوئی اور ہستی ہے تو اس کی مان کر چلو!

جس طرح ہم مردہ زمینوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کو تم بھی زمین سے اٹھ کھڑے ہو گے تمہارے سامنے یہ نظارہ ہے۔ درخت سے پتے گر کر مٹی ہو جاتے ہیں۔ جب موسم آتا ہے وہی درخت دوبارہ سر سبز ہو جاتا ہے۔ مردہ کھیتیوں میں جان پڑ جاتی ہے، زندگی کروٹیں لینے لگتی ہے۔ گھاس سے لے کر پودے، جڑی بوٹیوں تک پھوٹنے لگتی ہیں۔ اسی طرح تمہیں زمین کے سینے سے نکال کر کھڑا کر دیا جائے گا۔

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ اور جس نے تمام اقسام پیدا فرمائیں اور تمہارے لیے کشتیاں اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

اس کی قدرت ہے کہ اس نے ہر شئے کے جوڑے بنا کر انہیں بقائے نسل کا سبب بنا دیا۔ درختوں میں بھی نر اور مادہ ہیں۔ نر پودے پر پرندے بیٹھتے ہیں۔ ان کے ذرّات پرندوں کے پاؤں سے لگ جاتے ہیں۔ پھر وہ مادہ درخت پر بیٹھتے ہیں تو اس پر پھل آتا ہے۔

اسی نے تمہارے لیے مختلف سواریاں بنا دیں۔ بے شمار جانور تمہاری سواری ہیں۔ جن کو تم سواری اور بار برداری کے لیے استعمال کرتے ہو۔ تمہیں کشتیاں اور جہاز بنانے کی صنعت سکھائی۔ اور تم بہت سی بے جان سواریوں کو استعمال کرتے ہو۔ یہ سب عظمتِ الٰہی کو پانے کے نشان ہیں!

لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ تا کہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو جب تم اس پر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور (یوں) کہو پاک ہے وہ ذات جس نے ان (چیزوں) کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے کہ ان کو قابو میں کر لیتے۔ اور یقیناً ہم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

تمہارے لیے اتنی سواریاں بنا دیں۔ اس لیے جب ان کو استعمال کرو۔ ان پر سوار ہو جاؤ تو اللہ کے احسانات کو یاد کرو۔ اور کہو کہ اللہ پاک ہے۔ جس نے ہمارے لیے سواری کو مسخر کر دیا۔ ہم اسے جیسا چاہیں استعمال کر رہے ہیں۔ اگر اللہ ہمیں ان پر یہ طاقت نہ دیتے تو ہم ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ہمیں اللہ شعور نہ دیتے تو ہم جہاز کی صنعت نہ کر سکتے۔ دیگر سواریاں نہ بنا سکتے لہٰذا جہازوں، گاڑیوں، سواریوں کو مسخر کرنے والے کو یاد رکھو! تم نے ہمیشہ یہیں نہیں رہنا۔ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

اللہ کریم ایک ایک کر کے اپنی نعمتوں کا احساس دلا رہے ہیں کہ عقل وشعور سے لے کر قابلیت واستعداد تک سب اللہ کی عطا کردہ ہے جس کو بروئے کار لا کر تم طرح طرح کی ایجادات کرتے ہو تو انہی سہولیات میں ہی کھو کر نہ رہ جاؤ کیونکہ یہ پکّی بات ہے کہ تمہیں اللہ کے پاس واپس جانا ہے۔ لیکن انسان بھی کیا شَے ہے کہ مخلوق ہو کر خالق کے شریک بناتا ہے۔

## سفر کی دعا:

یہ آیہ ءکریمہ مسنون دعا بھی ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ سواری پر پاؤں رکھو تو بسم اللہ شریف پڑھ کر پاؤں رکھو۔ جب بیٹھ جاؤ تو الحمدللہ کہو پھر یہ آیہ ءمبارکہ پوری پڑھو۔

فرمایا: وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اور انہوں نے اس کے بندوں میں سے اس کے لیے جز (اولاد) بنالیا۔ بے شک انسان صریح ناشکرا ہے۔ اللہ کے کرم اور اس کی کرم نوازیوں کے جواب میں انسان اگر اس خالقِ حقیقی کے ساتھ شریک بنالے تو اس سے زیادہ جرم کیا ہوگا، ناشکری کیا ہوگی۔ انسان ایسا جاہل اور ناشکرا ہے کہ اللہ کے ہاں اولاد مانتا ہے۔ شریک بناتا ہے ان میں خدائی اوصاف مانتا ہے کہ یہ دیوی دولت دیتی ہے، فلاں صحت دیتا ہے فلاں اولاد دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ کیسی ناشکری ہے!

اصول یہ ہے کہ کُل کے اجزا بھی ہوتے ہیں جسے پانچ چیزوں سے مل کر دوا بنائی جائے تو اس کا ایک جز نکال دیں تو وہ دوا بے اثر ہوگی۔ یعنی کل اپنے جز کا محتاج ہوتا ہے۔ کُل اللہ کی ذات ہے وہ خالق ہے۔ تم اس کی مخلوق ہو۔ مخلوق خود اس خالقِ حقیقی کی محتاج ہے تو جسے تم شریک ٹھہراتے ہو وہ مخلوق ہو کر خالق کا حصّہ کیسے بن گئی؟

یقیناً ایسا کرنے والا بڑا ناشکرا ہے۔ یہ بہت بڑی ناشکری اور گستاخی ہے۔ اللہ کریم معاف فرمائیں۔ ہدایت پر قائم رکھیں۔ دین پر زندہ رکھیں۔ دین پر موت دیں۔ دین داروں کے ساتھ حشر نصیب فرمائیں۔

# سورۃ الزخرف رکوع 2 آیات 16 تا 25

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا
ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي
الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿١٨﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ
الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿١٩﴾
وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ
اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿٢١﴾ بَلْ
قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا
عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿٢٣﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا
وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَانْتَقَمْنَا
مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٥﴾

کیا اُس نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں پسند فرمائیں اور تم کو چُن کر بیٹے دیے ﴿۱۶﴾ اور جب ان میں سے کسی کو اُس چیز کی خوش خبری دی جاتی ہے جو انہوں نے رحمٰن (اللہ) کے لیے مقرر کی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے ﴿۱۷﴾ کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے؟ ﴿۱۸﴾ اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن (اللہ) کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے کیا یہ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے؟ ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور

ان سے پوچھا جائے گا ﴿۱۹﴾ اور کہتے ہیں کہ اگر وہ (بہت بڑا) مہربان (اللہ) چاہتا تو ہم ان (بتوں) کی عبادت نہ کرتے ان کو اس کا کچھ علم نہیں یہ تو صرف اٹکلیں دوڑا رہے ہیں ﴿۲۰﴾ کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی تو یہ اس سے (اپنے شرک کے لیے) سند پکڑتے ہیں ﴿۲۱﴾ بلکہ کہتے ہیں یقیناً ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں ﴿۲۲﴾ اور اسی طرح آپ سے پہلے ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا، ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کے پیچھے چلے جا رہے ہیں ﴿۲۳﴾ فرمایا اگر میں تمہارے پاس ایسا (دین) لاؤں کہ جس راستے پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا، اس سے کہیں سیدھا راستہ دکھاتا ہے وہ کہنے لگے کہ بے شک آپ جو (دین) لے کر آئے ہیں ہم تو اس کو مانتے ہی نہیں ﴿۲۴﴾ سو ہم نے ان سے بدلہ لیا پس دیکھو لو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ﴿۲۵﴾

# تفسیر و معارف

مخلوق جب گمراہ ہوتی ہے، انسان جب بھٹکتا ہے تو اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ عقلی نہ نقلی! نقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں اور صحائف نازل فرمائے ان میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ نقل ہو کر آگے پہنچا۔ اسی طرح قرآن کریم نازل ہوا، اس کے سارے ارشادات نسل در نسل آ رہے ہیں۔ یہ دلائلِ نقلی ہیں۔ عقلی دلائل یہ ہیں جسے انسانی عقل قبول کرے۔ جو خلافِ عقل نہ ہو۔ شرک پر کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ یہ کسی الہامی کتاب سے ثابت نہیں اور عقلاً بھی شرک قبول کرنا محال ہے۔ وہ خالقِ حقیقی ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ کے لیے ہے۔ مخلوق نہیں تھی پھر پیدا کی گئی۔ پھر نہیں رہے گی۔ اس لیے شرک نہ صرف خلافِ نقل ہے بلکہ خلافِ عقل بھی ہے کہ وہ اللہ کا شریک کیسے ہو سکتا ہے جو خود فانی ہے۔

مشرکینِ عرب فرشتوں کی پوجا کرتے تھے اور انہیں اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں پسند فرمائیں اور تم کو چن کر بیٹے دیے۔ جس نے ساری کائنات بنائی دیکھو! اس کے ذمہ لگاتے ہیں کہ اس نے اپنے لیے

بیٹیاں بنالیں اور انہیں بیٹے دے دیے۔ جو خود بنانے والا ہے اس نے (ان کے نزدیک) جو اعلیٰ مخلوق تھی وہ انہیں دے دی اور (ان کے نزدیک) جو کمتر تھی وہ اپنے لیے بنائی۔ بیٹیاں کسی طور ذلت کا باعث نہیں لیکن عہدِ جاہلیت کے عرب انہیں کم تر سمجھتے تھے۔ بیٹیاں ہوں یا بیٹے سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ اسی نے انہیں پیدا کیا۔

اللہ خالق ہے اور ان باتوں سے پاک ہے جو یہ کہتے ہیں۔ اولاد، والد کا جزو ہوتی ہے، حصّہ ہوتی ہے۔ شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے، بیل کا بیٹا بیل، انسان کا بیٹا انسان ہوتا ہے (معاذ اللہ) اللہ کی اولاد ہو تو اس میں الوہیت ہوگی۔ مخلوق اور خالق کا جوڑ کیسے ہوگا! یہ بات عقلاً بھی محال ہے شرک کے لیے ان کے پاس عقلی دلیل بھی نہیں۔

ان کے نزدیک بیٹیاں کم تر ہیں، باعثِ عار ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے فرشتے بنائے اور انہیں اپنی بیٹیاں بنا لیا۔ جو چیز اپنے لیے عار سمجھتے ہیں اسے اللہ کے لیے پسند کرتے ہیں۔ ان کا اپنا تو یہ حال ہے: وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿١٧﴾ اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوش خبری دی جاتی ہے جو انہوں نے رحمٰن (اللہ) کے لیے مقرر کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔

یہ جو اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ انہیں اگر اطلاع ملتی ہے کہ تمہارے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے تو بجائے خوش ہونے کے ان کے چہرے لٹک جاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ بیٹی بھی اولاد ہے۔ تمہاری ماں بھی کسی کی بیٹی تھی۔ اگر ماں نہ ہوتی تو تم دنیا میں کیسے آتے۔ تمہاری اہلیہ بھی کسی کی بیٹی ہے۔ اگر نہ ہوتی تو تمہاری اولاد کہاں سے آئی؟ لیکن یہ ایسے لوگ ہیں کہ اپنے گھر بیٹی کی ولادت کی خبر سن کر ان کے چہرے پر سیاہی پھیل جاتی ہے، شکل بگڑ جاتی ہے، چہرہ بے رونق ہو جاتا ہے۔ دل، دکھ سے اس طرح بھر جاتے ہیں جیسے مشکیزہ پانی سے پورا بھر جائے۔ ان کا اندر دکھ سے بھر جاتا ہے کہ بیٹی ہوگئی۔ اور یہی لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔

قادرِ مطلق نے پھر تقابل فرمایا کہ تم بیٹے کیوں پسند کرتے ہو اور بیٹیاں کیوں پسند نہیں کرتے؟ اس لیے کہ بیٹیاں ناز و نعم میں پلتی ہیں۔ خود اپنا دفاع نہیں کر سکتیں۔ بحث و مباحثہ ہو جائے تو دلائل نہیں دے سکتیں، کمزور پڑ جاتی ہیں۔ یہ خواتین کے لیے عمومی قاعدہ ہے۔ استثنائی صورتیں ہمیشہ ہوتی ہیں۔

فرمایا: اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿١٨﴾ کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے؟ فرمایا جو ناز و نعم میں پلے، زیور اور آراستگی میں پلے، جس کی پرورش ہی ناز و نعم اور بناؤ سنگھار میں ہو۔ نازک اندام ہو، مقابلہ بھی نہ کر سکے وہ تم اللہ کے لیے تجویز کرتے ہو اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو۔

## بناؤ سنگھار خواتین کا حق ہے:

علمائے حق فرماتے ہیں کہ بننا سنورنا، زیور پہننا، بال سنوارنا، لباس کی تزئین کرنا یہ خواتین کا حق ہے۔ انہیں زیب وزینت سے نہ روکا جائے لیکن یادرکھیں ہر حق کی بھی ایک حد ہے۔ ہر فرض کی بھی ایک حد ہے۔ حق بھی حدود کے اندر حق رہتا ہے۔ حدود کو جب عبور کرتا ہے تو حق نہیں رہتا زیادتی ہوجاتی ہے۔ فرض حد کے اندر فرض ہے۔ حد سے گزر جائے تو فرض نہیں رہتا لہٰذا بننے سنورنے کی بھی ایک حد ہے۔ حد سے گزر جائیں تو درست نہیں۔ مثلاً ناخنوں پر نیل پالش لگانا۔ لگائیں لیکن نیل پالش کے لیے نماز نہیں چھوڑی جاسکتی۔ وضو سے پہلے اتاریں۔ وضو کر کے پھر لگالیں۔ یہ ناخن پر ایک کور COVER ہے اس کے نیچے ناخن گیلا نہیں ہوتا۔ اور گیلا نہ ہو تو وضو نہیں ہوتا۔ اسی طرح چہرے کی آرائش اچھی بات ہے لیکن اس پر ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کیے جائیں تو اسراف ہے۔ بیوٹی پارلر سے تیار ہونے پر ہزاروں روپے خرچ ہوئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا۔ شادی پر جانے تک منہ نہیں دھو سکتیں، میک اپ اتر جائے گا لہٰذا جتنی نمازیں قضا ہوئیں ہونے دیں کہ بعد میں پڑھ لیں گی۔ یہ کوئی عذر نہیں۔ بناؤ سنگھار کی بھی ایک حد ہے۔ جو بناؤ سنگھار اللہ کی عبادات سے روک دے وہ شرعاً حرام ہوگا۔ میک اپ، بناؤ سنگھار کر کے پھر غیر مردوں کے سامنے مت جائیں۔ نمائش نہ کرتی پھریں۔

فرمایا: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن (اللہ) کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے کیا یہ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے؟ ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور ان سے پوچھا جائے گا۔

انہوں نے فرشتوں کو مونث مان رکھا ہے۔ کیا یہ ان فرشتوں کی تخلیق کے وقت وہاں موجود تھے؟ یہ کس قدر گستاخی ہے۔ کتنا صریح جھوٹ ہے۔ ان کا یہ جھوٹ لکھا گیا اور اس کی جوابدہی ہوگی۔ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، سب لکھا جا رہا ہے۔ انہیں اس جھوٹ کو قیامت کے دن ثابت کرنا ہوگا۔

اس آیہء مبارکہ کے آخری حصے کی سمجھ آجائے تو انسان کی ساری زندگی سنور جائے۔ یہ یقین ہو کہ میں جو کچھ بولتا ہوں یہ لکھا جا رہا ہے اور اس پر مجھے جوابدہ ہونا ہے تو پھر کردار سنور جائے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق:18) وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالتا مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔

اگر اللہ اس پر یقین عطا فرمادیں تو کوئی گالی دے گا، چغلی کھائے گا، گناہ کرے گا؟ اگر غلط بیانی، دھوکہ دہی

رک جائے تو کیا دنیا جنت نظیر نہ ہو جائے!

فرمایا، صرف یہی نہیں کہ یہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں بلکہ پوری ڈھٹائی سے کہتے ہیں اگر ہم غلطی پر ہوتے تو اللہ ہمیں مال و دولت کیوں دیتا؟ حالانکہ محض مال و دولت کا ہونا، اللہ کے راضی ہونے کے دلیل نہیں۔

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُم ۗ مَّا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٢٠﴾ اور کہتے ہیں اگر وہ (بہت بڑا) مہربان (اللہ) چاہتا تو ہم ان (بتوں) کی عبادت نہ کرتے ان کو اس کا کچھ علم نہیں یہ تو صرف اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔

کہتے ہیں، اللہ جو بہت رحم کرنے والا ہے اگر وہ چاہتا تو ہم فرشتوں کی پوجا نہ کرتے، بتوں کو نہ پوجتے، ہم شرک نہ کرتے۔ اس کا مطلب ہے اللہ اس بات پر راضی ہے۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اللہ اس پر راضی ہے ورنہ وہ نہ چاہتا تو ہم سے گناہ ہو سکتا تھا! اس بات کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ فرمایا، جو بھی اللہ کی نافرمانی کر کے یہ کہتا ہے یہ مجھ سے اللہ نے کرایا ہے وہ بغیر علم کے بغیر دلیل کے کہہ رہا ہے۔ جھک مار رہا ہے۔ انسان جو نافرمانی، برائی یا گناہ کرتا ہے وہ اپنے ذاتی اختیار کو استعمال کر کے فیصلہ کر کے کرتا ہے۔ اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ قد کاٹھ، قابلیت خود تقسیم فرمائی ہے اس سے یہ نہیں پوچھے گا کہ تیرا قد کتنا ہے۔ ہاں! یہ پوچھے گا کہ تیرا عقیدہ کیا تھا، تیرا کردار کیا تھا؟ اس انتخاب کا حق اللہ نے بندے کو دیا ہے۔ اس نے بتا دیا ہے کہ یہ نیکی کا راستہ ہے، اس کے علاوہ سارے راستے برائی کے ہیں۔ انتخاب تیرے پاس ہے۔ نیکی کے راستے پر چلے گا تو انعامات سے نوازوں گا۔ نیکی کو چھوڑ دے گا تو سزا پائے گا۔ نیکی کے راستے کے راہبر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لے گا، وہ انعامات کا حقدار ٹھہرے گا۔ وہی کامیاب ہوگا خواہ وہ امیر تھا یا غریب۔ اللہ کی رضامندی کا معیار نہ غربت ہے نہ امارت۔ رزق کی تقسیم ایک الگ نظام ہے دین، عقائد، دین پر عمل اور کردار یہ الگ نظام ہے اسے گڈمڈ نہ کیا جائے کہ فلاں کے پاس بہت دولت ہے، اس پر اللہ مہربان ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ کسی بدکار کے پاس بھی دولت ہو سکتی ہے۔

نیک کا سرمایہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ نیک وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نہیں چھوڑتا۔ وہ مفلس بھی ہو سکتا ہے۔ وہ امیر بھی ہو سکتا ہے۔ رزق کی تقسیم اللہ کی اپنی مرضی ہے۔ کردار کا اختیار اس نے ہمیں دیا ہے، رزق کا ہمیں اختیار نہیں دیا۔ کوئی اپنی مرضی سے دولت مند نہیں ہو سکتا کوئی اپنی خوشی سے غریب نہیں ہوتا۔ ہاں اپنی مرضی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرنی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

اتباع کرنا ہے یا خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنی ہے!

دولتِ دنیا اگر معیار ہوتی تو سب سے زیادہ درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ہوتی۔ کاشانہء نبوی پر تو تین تین ماہ آگ پر پکانے والی کوئی شئے نہ ہوتی تھی۔ دودھ، پانی، کھجور اور ایسی غذاؤں پر گزارا ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے نیک لوگ بھی بہت دولت مند گزرے ہیں۔ یہ اللہ کی اپنی تقسیم ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کو کتنی وسیع سلطنت عطا فرمائی۔ کیسا عظیم الشان اقتدار عطا فرمایا۔

کہیں اللہ نے فرعون، نمرود جیسے بدکاروں، متکبروں کو ریاست وحکومت دی اور صدیوں وہ حکمرانی کرتے رہے۔ خدائی کا دعویٰ کرنے والے کو بھی اقتدار بخش دیا۔ بڑے بڑے کافروں کو دولت و اختیار، سلطنت وحکمرانی دیے رکھی۔ یہ سب اس کے اپنے فیصلے ہیں۔ ان کو اللہ کی رضامندی کا معیار نہیں بنایا گیا۔ اللہ کی رضامندی، اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پُرخلوص پیروی میں ہے۔ تمام انبیاءؑ یہی دعوت لائے کہ اللہ ایک ہے۔ وہی ربّ ہے اس کے فرستادہ سچے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نبی آخر الزماں بھی یہی پیغام لے کر آئے۔ اب قیامت تک اللہ کی رضامندی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع میں ملے گی۔

فرمایا، کیا قرآن سے پہلے کوئی ایسی کتاب نازل ہوئی جس میں شرک کا حکم دیا گیا اور یہ اس کتاب کا اتباع کر رہے ہیں۔ تمہارے پاس شرک کرنے کی کیا دلیل ہے۔ ارشاد ہے: اَمۡ اٰتَیۡنٰهُمۡ کِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿۲۱﴾ کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی تو یہ اس سے (اپنے شرک کے لیے) سند پکڑتے ہیں۔ اللہ نے جو کتابیں پہلے نازل فرمائیں کیا ان سے نقل ہو کر تمہارے پاس یہ دلیل آئی کہ تم اس پر عمل کر کے شرک کے لیے دلیل بنا رہے ہو۔ اگر ایسا ہے تو پھر دلیل پیش کرو۔ اللہ کے ہر نبیؑ نے اللہ کی توحید کا پیغام دیا۔ تمام الہامی کتابوں نے شرک کا ردّ کیا۔ تم تو وہ قوم ہو جن پر اللہ کی کتاب نازل ہوئی تھی۔ تم نے اللہ کی کتابوں کو مسخ کر دیا۔ ان میں جو اللہ کے احکام تھے انہیں بدل دیا اور اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق ان کتابوں میں تحریف کر دی۔ پھر تم کہتے ہو: بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ بلکہ کہتے ہیں یقیناً ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا اور ہم ان ہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ فرمایا، یہ کیا دلیل ہے؟ تمہارے باپ دادا گمراہ تھے تو تم نے بھی گمراہی اختیار کرنی ہے۔ اگر باپ دادا کے پاس صحیح دین ہے۔ وہی دین تھا جو انبیاءؑ لے کر آئے پھر تو ان کا اتباع درست ہے لیکن جب وہ بت پرستی اور شرک کرتے رہے تو پھر یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ باپ دادا کا اتباع ہی کرنا ضروری ہے۔

## ایک سوال اوراس کا جواب:

اسلام میں اصول ہے کہ متقدمین کی رائے کے خلاف نہ جایا جائے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ کافر بھی کہتے تھے کہ وہ اپنے متقدمین کی راہ پر ہی چلیں گے لہٰذا مسلمانوں کا بھی متقدمین کی راہ اپنانا ایک ہی بات ہوگئی۔

یہ ایک بات نہیں ہے۔ ہمارے متقدمین کے پاس دلیل ہے قرآن اور سنّت، اللہ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جو متقدمین نے سمجھا ان سے اختلاف نہ کیا جائے۔ مثلاً قرآن نازل ہوا، کس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے سنا؟ صحابہ کرامؓ نے سنا۔ کوئی غیر صحابی اس کا گواہ نہیں ہے۔ حالتِ ایمان میں جس نے بھی سنا، وہ صحابیؓ ہوگیا۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا وہ صحابیؓ ہوگیا۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہِ مبارک پڑ گئی وہ صحابیؓ ہوگیا۔ پورے قرآن کے پہلے پہلے گواہ کون ہیں؟ صحابہ کرامؓ۔ قرآن کو کس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے سیکھا؟ صحابہ کرامؓ نے۔ کیسے سمجھا؟ جب آیات الٰہی نازل ہوتیں، وہ لکھ لی جاتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم دریافت فرماتے، اس کا کیا معنی ہے؟ بڑے بڑے زبان دانی کے ماہر موجود ہوتے لیکن عرض کرتے اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم بہتر جانتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اس کا معنی ارشاد فرماتے، سب اسے تسلیم کرتے۔ اس معنی کے مطابق عمل کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ان کے عمل کو قبول فرماتے، تصدیق فرما دیتے کہ اس حکم سے یہی مراد تھی۔ جہاں اصلاح کی ضرورت ہوتی اصلاح فرما دیتے۔ اس طرح صحابہ کرامؓ دلیل بن گئے۔

اس لیے یہ اصول ہے کہ متقدمین کے خلاف نہ جایا جائے۔ اس لیے نہیں کہ وہ ہمارے باپ دادا تھے۔ ہم ان کی اولاد ہیں بلکہ اس لیے کہ اُن کے ہاتھ میں اللہ کی کتاب تھی اور دامانِ رسالت بھی تھا۔ لہٰذا دلیل متقدمین نہ ہوئے، دلیل، قرآن وسنّت اور حدیث بن گئی کہ وہ اس کے امین تھے۔

بعض گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ سوائے چند کے معاذ اللہ گمراہ ہو گئے تھے۔ ان کی یہ بات کس قدر جہالت پر مبنی ہے۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو پھر دین ہی ختم ہو گیا ہوتا۔ جب قرآن کے گواہ ہی مجروح ہو گئے مشکوک ہو گئے۔ معاذ اللہ، قابلِ اعتبار نہ رہے سچے نہ رہے تو پھر قرآن کی صداقت کا کیا اعتبار۔ اسی لیے اہلِ سنت والجماعت کا اجماعی اور بنیادی عقیدہ یہ ہے: اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ: (ابن حبان) صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل ہیں (انکے کردار اور شخصیت کے کسی پہلو پر جرح نہیں کی جاسکتی) صحابہؓ کا عادل ہونا ہی دین کے سچ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر وہ مجروح ہو جائیں تو دین نہیں بچتا۔ اور دین نے ہمیشہ رہنا ہے۔ اس

لیے تمام گمراہ لوگ صحابہ کرامؓ پر ہی حملہ آور ہوتے ہیں تاکہ دین کو مشکوک بنا کر لوگوں کو گمراہ کر سکیں۔

متقدمین یعنی، صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، علمائے حق، امت کے راہبر یہ سعادت سینہ بہ سینہ لیتے آ رہے ہیں۔ ہمیں ان کے اتباع پر فخر ہے اس لیے کہ ان کے ہاتھ میں قرآن و سنّت ہے۔ یہاں یہ سوال اور جواب مکمل ہوا۔

کفار و مشرکین کا یہ کہنا کوئی دلیل نہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو شرک کرتے دیکھا اور ہم بھی وہی کر رہے ہیں۔ فرمایا: وَ كَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ اور اسی طرح آپ سے پہلے ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا، ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔

فرمایا، اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلّم!) یہ کوئی نئی بات نہیں ہو رہی، یہ پہلی بار آپ سے نہیں کہا جا رہا۔ پہلی امتوں میں بھی اس طرح کے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے انبیا و رسل علیہم السلام کو یہی جواب دیے تھے۔

یہاں مِنْ نَّذِيْرٍ۔۔۔ فرما کر رسولؐ کی کیا خوبصورت صفت ارشاد فرمائی کہ اپنے اعمالِ بد کے جو نتائج تم برزخ میں دیکھ سکو گے، جو نتائج روزِ محشر دیکھو گے، ان خطرناک نتائج سے آج آگاہ کر دیتے ہیں۔ اس میں انسان کی کتنی بہتری ہے۔ یہ بھی انسانی معاشرے کی ایک عجیب روش ہے جو روزِ اوّل سے ہے آخیر تک رہے گی کہ جس کے پاس چند سکّے زیادہ ہوں اسے اقتدار بھی مل جاتا ہے، اس کی خوشامد بھی کی جاتی ہے اور اس کی رائے بھی مانی جاتی ہے۔ باقی لوگ اس کے پیچھے چلتے ہیں۔

فرمایا، ان کے معاشرے کے جو بااثر لوگ تھے انہوں نے بھی یہی کچھ کہا تھا جو آج کے منکرین کہہ رہے ہیں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو یہ کام کرتے دیکھا تو ہم بھی ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم!) انہیں فرما دیجیے: قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فرمایا اگر میں تمہارے پاس ایسا (دین) لاؤں کہ جس راستے پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا، اس سے کہیں سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ دنیوی فائدہ نظر آتا ہو تو ہر کوئی پہلے سے زیادہ بہتر طریقے اپنانا چاہتا ہے۔ درزی کا بیٹا ہو، یا کاشتکار کا ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس سے بہتر کام کروں۔ اس لیے ہوتا ہے کہ لوہار کا بچہ

اقتدار حاصل کر لیتا ہے۔ پروفیسر کا بیٹا جرنیل بن جاتا ہے۔ کاشتکار کا بیٹا، کاشتکاری چھوڑ کر مبلغ بن جاتا ہے۔ ہر بندہ فطرتاً اس کوشش میں رہتا ہے کہ بہتر طرزِ حیات مل جائے۔ اس سے بہتر وسائل مل جائیں۔ یہ انسانی مزاج ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ دنیوی عہدوں اور مقامات کی اہمیت ہوتی ہے۔ آخرت کی اہمیت ہو تو بندہ اس میں بھی بہتری کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔

فرمایا، ان شرکیہ عبادات و رسومات کی جگہ، اگر میں تمہارے آباء و اجداد کی رسومات سے بہتر راستہ بتا دوں۔ وہ عبادات بتا دوں جو خوبصورت، آسان، مؤثر ہوں اور عنداللہ مقبول بھی ہوں تو کیا تم بہتری نہیں اپناؤ گے؟ تو وہ کہنے لگے جو باتیں آپ ہمیں بتا رہے ہیں ہم ان کا انکار کرتے ہیں۔

دنیا کے لیے تو کوئی انکار نہیں کرتا۔ کاشتکار کا بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کر لے تو بڑا خوش ہوتا ہے وہ تو نہیں کہتا کہ میں نے تو بس ہل ہی چلانا ہے۔ افسر بن جائے، عالم بن جائے، دنیا کا پیشوا بن جائے تو خوش ہوتا ہے ہر بندہ بہتری کی خواہش کرتا ہے، آباء و اجداد کا پیشہ گلے پڑ جاتا ہے تو کوئی بھی اس پر مطمئن نہیں رہتا۔ کم از کم اس میں بہتری ضرور لاتا ہے لیکن ان منکرین کی تو بس ایک ہی دلیل رہی ہے۔ میں نہ مانوں! اور یہ کوئی دلیل نہیں۔ فرمایا، انہوں نے یہ کہہ دیا تو پھر تاریخِ عالم پر انسان نظر دوڑائے اور دیکھے کہ جن لوگوں نے انبیاؑ کے پیغام کا انکار کیا ان کا انجام کیا ہوا؟ انبیاؑ کی مخالفت کرنے والوں کا دنیا میں کیا انجام ہوا۔ ہم نے اس کا بدلہ لے لیا۔ کہاں گیا فرعون اور اس کی خدائی کا دعویٰ؟ کہاں ہے نمرود اور اس کے محلات، کہاں ہے شدّاد اور کہاں ہے قارون اور اس کے خزانے؟ ہر منکر عذابِ الٰہی کا شکار ہوا۔ دنیا میں ہی انجامِ بد کو پالیا۔ قوموں کی قومیں غرق ہوئیں۔ ہواؤں نے اڑا اڑا کر پٹخ کر پھینک دیا۔ چیخ کا عذاب آیا۔ آواز بلند ہوئی اور اتنی ہوئی کہ دل پھٹ کر تباہ و برباد ہو گئے۔

انبیاؑ کی مخالفت اور انکار کا وہ انجام دیکھو جو دنیا میں ہوا اور جو آخرت میں ہوگا وہ تو بہت ہی بُرا ہوگا۔ فرمایا: فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٥﴾ سو ہم نے ان سے بدلہ لیا بس دیکھ لو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

آیاتِ قرآن یکے بعد دیگرے انسانوں کو دعوتِ فکر دیتی ہیں۔ درست فیصلہ کرنے کے لیے مددگار ہوتی ہیں۔ اب یہ انسان پر ہے کہ وہ اپنا اختیار کس طرف استعمال کرتا ہے۔ یہ طے ہے کہ

## دنیا کی آسانیاں بھی دامانِ رسالت میں ہیں:

اور آخرت تو ہے ہی، اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں۔ جس کی آخرت سنورتی ہے وہ دنیا میں بھی مطمئن رہتا ہے۔ اگر آخرت تباہ ہوتی ہے تو دنیا میں بھی سکھ نہیں رہتا۔ دنیا میں ہر شخص آرام چاہتا ہے، سکون چاہتا ہے، آبرو سے رہنا چاہتا ہے، ہر طرح کی آسانیاں چاہتا ہے۔ مرنا نہیں چاہتا۔ موت کو پسند نہیں کرتا۔ موت نہ ٹلے تو کہتا ہے آسان ہو جائے۔ تکلیف سے نہیں مرنا چاہتا۔

یہ سب چیزیں کہاں سے آئیں؟ جس نے دنیا بنائی ہے اس نے دکھ بھی بنائے ہیں۔ جس نے دنیا کی لذتیں بنائی ہیں اس نے دنیا کی تلخیاں بھی بنائی ہیں۔ جس نے صحت بنائی ہے اس نے بیماریاں بھی پیدا کی ہیں۔ جس نے زندگی دی ہے، اس نے موت بھی پیدا کی ہے۔ موت بھی اس کی مخلوق ہے۔ اس نے پیدا کی ہے اور زندگی سے پہلے پیدا کی ہے۔ فرمایا: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (الملک: 2) موت کا ذکر زندگی سے پہلے فرمایا گیا۔ موت کو میدانِ حشر میں موت آئے گی۔ پوری مخلوق کے سامنے موت کو فنا کر دیا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ آج موت کو موت آ گئی، اب اس کے بعد موت نہیں ہوگی۔ اب جو جنت میں جائے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا اور جو جہنم جائے گا وہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔

بارِ الٰہا! اس خارزار سے کیسے نکلیں؟ فرمایا، میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لو۔ تلخیاں، تمہیں شرینی کا لطف دیں گی۔ مصیبتوں میں لذت ہوگی۔ پریشانیوں میں سکون ہوگا۔ دنیا کے خارزار میں جنگل ہیں۔ کانٹے چبھتے ہیں، دامن الجھتے ہیں، اس میں ایک محفوظ راستہ ہے وہ ہے دامانِ نبوت تھام لو اور چلتے رہو۔ اگر بیماری آئے گی تو اور کچھ نہ سہی، گناہ جھڑ جائیں گے، خطائیں معاف ہو جائیں گی تو بیماری بھی فائدہ دے گی۔ بجائے جہنم میں جلنے کے یہاں دو دن بخار سے اگر گناہ معاف کر دیے جائیں تو مفت میں خلاصی ہو گئی۔ افلاس آئے گا تو اس کا اجر ملے گا۔ بھوک پیاس کاٹو گے تو انعام ملے گا۔ یعنی دنیا کے دکھ بھی تمہارے لیے انعام کا سبب بن جائیں گے۔ دل مطمئن رہے گا، دل پریشان نہیں ہوگا۔

دنیا کے حالات نیک و بد سب پر آئیں گے۔ بدکار کو دکھ دیں گے۔ وہ روئے گا، چلّائے گا۔ نیک کو یہ حالات اللہ کی رحمت کا امیدوار بنائیں گے۔ آسانیاں آئیں گی۔ بدکار مزید گناہوں میں دھنستا چلا جائے گا۔ نیک مزید اللہ کا شکر ادا کرے گا۔ اس کی مزید اطاعت کرے گا۔ اس کی مخلوق کی بہتری سوچے گا۔ دنیا میں اگر آرام سے رہنا ہے تو دامانِ نبوت تھام لو۔ دنیا بھی ملے گی اور آخرت بھی ملے گی۔ دامانِ نبوت چھوڑ دو گے تو آخرت بھی ضائع ہو جائے گی اور دنیا کے سارے دکھ بھی تمہارے حصے میں آ جائیں گے۔ یہ زندگی ہاتھ آئے

گی نہ وہ زندگی۔ مال و دولت ،حکومت ،اقتدار ہوگا لیکن کوئی محبت نہیں کرے گا۔ سب بُرا ہی کہیں گے۔ صحت ہوگی سکھ نہیں ہوگا۔ گاڑیوں اور جہازوں میں سفر کرو گے لیکن ڈاکٹر ساتھ رکھنا ہوگا۔ سفر کرتے ہوئے ساتھ ایمبولینس بگل بجا رہی ہوگی۔

دنیا کی آسانیاں بھی دامانِ رسالت میں ہی ہیں۔ کوئی کوتاہ نظر صرف دنیا کا بھلا ہی چاہے تو اسے بھی فائدہ مل جاتا ہے۔ اللہ کریم سب کا ربّ ہے۔ مومن و کافر سب کا ربّ ہے۔ نیک اور کافر سب کا ربّ ہے۔ دنیا کی نعمتیں سب کے لیے کھلی رکھی ہیں۔ کافر بھی اگر شریعت کے اصول لے کر ان پر ایمان لائے بغیر عمل کرلے تو دنیا کا فائدہ وہ بھی حاصل کر لیتا ہے۔ آخرت میں کوئی فائدہ نہ پائے گا مگر دنیا کا فائدہ ضرور پالے گا۔ آخرت کے لیے ایمان چاہیے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ فلاں بڑے فلاحی کام کرتا تھا، اس نے بہت اچھے کام کیے۔ اگرچہ وہ مسلمان نہیں تھا تو آخرت میں اسے اجر کیوں نہیں ملے گا؟ آپ کسی دکاندار کو پانچ سو دے کر چینی خرید لیں۔ وہ آپ کو پانچ سو کی چینی دے دے۔ چینی لینے کے بعد آپ دکاندار سے کہیں تمہاری دکان میں تو یہ بھی ہے، وہ بھی ہے تم مجھے یہ بھی دے دو، وہ بھی دے دو۔ دکاندار کہے گا آپ کا پانچ سو پورا ہو گیا آپ نے پانچ سو کی چینی لے لی۔ اب انہی پانچ سو میں آپ یہ کیسے لے سکتے ہیں؟ اسی طرح ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی اجر نہیں۔ دنیا کے لیے کیا گیا تھا۔ دنیا میں اجر مل گیا۔

## سورۃ الزخرف رکوع 3 آیات 26 تا 35

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ
فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾
بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا
الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ
نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ
بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا
يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ
بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾
وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا
مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ اور اس کی قوم سے فرمایا کہ جن
چیزوں کی عبادت تم کرتے ہو بے شک میں ان سے الگ ہوں ﴿۲۶﴾ مگر جس
نے مجھے پیدا فرمایا ہے سو بلاشبہ وہی میری راہنمائی فرمائے گا ﴿۲۷﴾ اور یہی بات
وہ اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تا کہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کرتے رہیں ﴿۲۸﴾
بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو فائدہ حاصل کرنے دیا یہاں تک کہ ان کے
پاس حق اور صاف صاف بیان کرنے والا پیغمبر آ پہنچا ﴿۲۹﴾ اور جب ان کے پاس

حق ( قرآن ) آیا تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے ﴿۳۰﴾ اور کہتے ہیں ان دونوں بستیوں ( مکہ اور طائف ) میں سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ ﴿۳۱﴾ کیا یہ لوگ آپ کے پروردگار کی رحمت ( نبوت ) کو بانٹتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کی روزی کو ان میں تقسیم فرمایا اور ہم نے ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تا کہ ایک، دوسرے سے خدمت لے اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں ﴿۳۲﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو رحمٰن کے منکر ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں ( بھی ) جن پر وہ چڑھا کرتے ﴿۳۳﴾ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت، جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ﴿۳۴﴾ اور سونے کے ( بھی ) اور یہ سب کچھ صرف دنیا کی زندگی کا ( چند روزہ ) سامان ہے اور آپ کے پروردگار کے ہاں آخرت پرہیزگاروں کے لیے ہے ﴿۳۵﴾

# تفسیر و معارف

## اتباع حق کا ہوگا:

فرمایا: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اور جب ابراہیم ( علیہ السلام ) نے اپنے باپ اور اس کی قوم سے فرمایا جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو بے شک میں ان سے الگ ہوں۔

گزشتہ آیات میں شرک اور کفر کا رد اور ان کے انجام بد کی خبر دی گئی تھی۔ اسی ضمن میں ارشاد ہوا کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا تو آپؑ کے والد سے لے کر پوری قوم کفر و شرک میں مبتلا تھی لیکن آپؑ نے باپ دادا کا اتباع نہیں کیا بلکہ اپنے قول اور عمل سے ثابت کیا کہ اتباع حق کا ہوگا۔ اگر باپ دادا حق پر قائم ہیں تو وہ اتباع بھی حق کا اتباع ہے۔ اور اگر خدانخواستہ بھٹک گئے ہیں تو ان کا اتباع قطعاً نہیں ہوگا۔ آپؑ کے والد اور ان کی قوم بہت طاقتور تھی۔ بادشاہ تک کفر و شرک میں مبتلا تھے اور آپؑ کے والد تو قوم کے مذہبی امور کے انچارج، شاہی بت گر، بت خانے کے مہتمم تھے آپؑ نے ان سب کی قطعاً پروانہ کی اور حق پر کاربند ہو گئے۔ آپؑ نے جرأت کے ساتھ حق بیان

فرمایا اور قوم کو لا جواب کر دیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ جن چیزوں کی تم پوجا کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے کہ تم اپنے ہاتھ سے پتھر تراش کر ایک بت بناتے ہو، بے حس و بے جان پتھر سے جیسی چاہو صورت بنالو، جہاں چاہو اسے رکھ دو۔ وہ کچھ نہ کہہ سکے اور پھر تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ! یہ کہاں کی دانشمندی ہے؟ اور تمہارے پاس اس کے حق ہونے پر کیا دلیل ہے؟ انہوں نے کہا یہ دین ہم نے اپنے آباء و اجداد سے پایا، ہمارے بزرگ یہی رسومات کیا کرتے تھے۔ آپؑ نے فرمایا: اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ مگر جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے سو بلا شبہ وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔ جس نے مجھے پیدا کیا اُسی کو معلوم ہے کہ میری منزل کہاں ہے اور اس کا راستہ کیا ہے۔ وہ رب جو جانوروں کی راہنمائی کرتا ہے، ساری مخلوق کی راہنمائی کرتا ہے کیا وہ مجھے چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں۔ وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔ وہ طریق حیات بھی بتائے گا۔

کائنات میں فطرت کے مظاہر کھلے پڑے ہیں۔ غور و فکر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ ہر مخلوق اللہ کی راہنمائی میں زندگی گزارتی ہے۔ جانوروں اور پرندوں کو دیکھیں ان کی فطرت میں سمو دیا گیا ہے کہ کیا کھانا ہے، کیا نہیں کھانا۔ جانور بعض چیزوں کو سونگھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ جس کی جو خوراک اللہ نے بنائی ہے وہ زندگی بھر اس پر گزارا کرتا ہے۔ شیر گھاس نہیں کھاتا، اور گھاس چرنے والے جانور کا گوشت نہیں کھاتے۔ انہیں یہ کون سکھاتا ہے؟ شہد کی مکھی کہاں سے تربیت لیتی ہے، کون اسے سکھاتا ہے کہ رس سے شہد کیسے بنانا ہے۔ اس کا چھتہ حیرت انگیز ہے۔ اس کے ہزاروں خانوں کے اضلاع، ان کی لمبائی اونچائی سب خاص توازن سے بنائے جاتے ہیں۔ پھر کن اجزاء سے چھتہ کی موم بنے گی اور کن سے شہید تیار کرنا ہوگا، یہ کون سکھاتا ہے؟ مکھی کے چھتہ سے شہد حاصل کرنے والے بڑی کاوش سے چھتے تک پہنچتے ہیں کیونکہ اللہ نے مکھی کی فطرت میں ڈال دیا ہے کہ کبھی سیدھا چھتے تک نہ جانا، خطرہ ہوگا تو وہ بے شمار چکر لگاتی رہتی ہے اور تھوڑے فاصلے کے بعد راستہ بدل لیتی ہے۔ اسے یہ کس نے سکھایا؟ مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دیتا ہے اور جانور کا بچہ سیدھا کھڑا ہو کر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ کون سکھاتا ہے۔ سوائے اللہ کے کوئی نہیں!

ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ میرا ربّ ہی میری راہنمائی فرمائے گا۔ اللہ کریم جس نے ہمیں انسان بنایا، اوصافِ انسانی عطا فرمائے، خلعتِ انسانی سے نوازا وہ ہمیں یوں ہی چھوڑ دے گا؟ جس نے ساری مخلوق کو ہدایت فرمائی ہے وہی میری بھی راہنمائی فرمائے گا۔ فرمایا: وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ اور یہی بات وہ اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تا کہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کرتے رہیں۔

اُسوۂ ابراہیمی سے یہ عیاں ہوا کہ صرف اپنے عقیدے اور عمل کی اصلاح کر لینا کافی نہیں بلکہ کفر و شرک کو غلط کہنا بھی ضروری ہے، اس کی تردید کرنا بھی لازمی ہے اور اس کام کو اس حد تک کیا جائے کہ اولاد اور نسل تک حق پہنچے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسے اس پابندی سے نبھایا کہ آنے والی نسلوں کے لیے مثال اور تعلیم چھوڑ گئے۔ صدیوں بعد بھی وہ پیغامِ الٰہی لوگوں میں چلتا رہا حتیٰ کہ بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تک بعض لوگ دینِ ابراہیمی کی بنیاد یعنی توحید پر قائم تھے اور آپؐ کی بعض سنتیں بھی رائج تھیں۔

## اولاد کی تربیت فرض ہے:

اولاد کی تربیت پوری توجہ سے کرنی چاہیے۔ جتنی توجہ ہم اس پہلو پر دیتے ہیں کہ بچے کی صحت اچھی ہو، اچھے سکول میں پڑھے، اچھے مضامین اختیار کرے، اچھی ملازمت یا کاروبار کرے اس سے زیادہ ضروری ہے کہ یہ اہتمام بھی کیا جائے کہ بچے کا عقیدہ صحیح ہو، کردار صحیح ہو، دینی اعتبار سے بھی تربیت کی جائے۔

بچے کہاں سے سیکھتے ہیں؟ بچے والدین سے سیکھتے ہیں۔ جس شعبۂ زندگی سے والدین تعلق رکھتے ہیں عمومی قاعدہ ہے کہ اولاد بھی وہی کچھ اپناتی ہے۔ جس مزاج کے والدین ہوتے ہیں، بچے بھی وہی اختیار کر لیتے ہیں۔ بچہ جب آنکھ کھولتا ہے، اس کے نزدیک دنیا کا سب سے اچھا انسان اس کا باپ ہوتا ہے۔ دنیا کی سب سے بہتر خاتون اس کی ماں ہوتی ہے۔ اُن کے کردار کو ہی پسند کرتا ہے اور انہی جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں ہم تو جو جی چاہے کرتے رہیں، بچے نیک ہونے چاہییں! بچے تو والدین کو Follow کریں گے، والدین سے سیکھیں گے، آپ سے ہی جینا سیکھیں گے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس ساری تربیت کا اہتمام کرنے کے بعد دردِ دل سے دعا کرنا بھی ضروری ہے۔ دعا کا بھی سلیقہ ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح ہم اپنی زمین سے کھیتی حاصل کرنا چاہیں تو اس میں کھاد ڈالتے ہیں، زمین تیار کرتے ہیں۔ بیج ڈالتے ہیں، پانی لگاتے ہیں، دیکھ بھال کرتے ہیں پھر اس کے بعد دعا کرتے ہیں کہ اللہ! میری فصل اچھی کر دے۔ جو یہ کام نہ کرے محض بیٹھا دعائیں کرتا رہے تو یہ گستاخی ہوگی۔ جو وسائل اور ذرائع اللہ نے پیدا کیے ہیں وہ اختیار کر کے نتائج کے لیے دعا کی جاتی ہے کہ یا اللہ! آپ نے جو کام میرے ذمہ لگایا تھا وہ میں نے اپنی حیثیت کے مطابق کر دیا۔ اب آپ مجھ پر کرم فرمائیں۔ اولاد کے لیے بھی محنت کرے۔ اپنی اصلاح کرے، ان کی تربیت کرے، انہیں دین سکھائے، کردار سکھائے، اخلاق سکھائے پھر اللہ سے دعا کرے کہ جو میرے بس میں تھا وہ میں نے پورا کیا یا تھوڑا کیا، جو توفیق ہوئی ہے میں کر رہا ہوں۔ آگے تیری عطا پر منحصر ہے، مجھے عطا فرما۔

فرمایا: بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٩﴾ بلکہ ہم نے ان کو اوران کے باپ دادا کو فائدہ حاصل کرنے دیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف بیان کرنے والا پیغمبر آ پہنچا۔ فرمایا، ان کا حال یہ تھا کہ یہ بتوں کو پوجتے رہے، کفر کرتے رہے، نافرمان رہے اور ہمارا کرم یہ تھا کہ ہم نے ان کی نسلوں کو پالا۔ کسی پر روزی بند نہیں کی، کسی سے صحت نہیں چھینی، اپنی نعمتیں عطا کرتے رہے، دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے ان میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث فرما دیا۔ اپنا آخری کلام، قرآنِ حکیم نازل فرما دیا۔ اور حق کو واضح کر دیا۔ یعنی بجائے اس کے کہ کفر وشرک کرنے کے باعث ان پر عذاب نازل ہوتا، ان کو تباہ کیا جاتا، ہم نے نسلوں سے بھٹکتے لوگوں پر احسان فرمایا کہ اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو مبعوث فرما دیا۔ اپنی کتاب نازل فرما دی اور بجائے عذاب کے ان کے لیے نجات کا دروازہ کھول دیا، کرم کا باب وا کر دیا۔ ان کے پاس حق پہنچ گیا۔

## رسولٌ مُبین:

نبیء اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم وہ نبی ورسول علیہ السلام ہیں کہ جس نے آپ کو نہیں مانا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی دیانت وامانت، راست بازی، کردار وعمل، عقیدے ویقین کی پختگی اور سچائی کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ کوئی کافر ومشرک بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر جھوٹ کا، بد دیانتی کا جھوٹا الزام بھی نہ لگا سکا۔ کوئی ایسا جملہ جو خلافِ شانِ نبوت ہو وہ کوئی کافر بھی ثابت نہ کر سکا۔ ایسا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوا کہ کوئی دشمن بھی ایسی بات جو آدابِ رسالت کے خلاف ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذمہ نہ لگا سکا۔ ایسا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم، جس کے رسول ہونے میں کبھی کسی کو شک نہیں ہوا۔ جنہوں نے ماننے سے انکار کیا وہ بھی جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے سچے رسولؐ ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٠﴾ اور جب ان کے پاس حق (قرآن) آیا تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے۔ ان منکرین نے حق قبول نہ کرنے کا، نہ ماننے کا فیصلہ کر لیا تھا لہٰذا بودے بودے اعتراضات گھڑتے رہے۔ کہنے لگے، یہ تو جادو کی باتیں ہیں۔ یہ بھی کوئی عقل میں آنی والی باتیں ہیں۔ فرشتہ کیا ہے، آسمانوں سے اوپر کون ہے؟ یہ سب جادوگری کی باتیں ہیں۔

اللہ کریم کے احسانات کہاں اور حق کا انکار کرنے والوں کا روّیہ کیا! انسان کو اللہ نے بہترین مخلوق بنایا ہے۔ یہ اپنی ساخت میں بھی دیگر مخلوقات سے بہتر ہے۔ اپنے حواس اور ظاہری خوبیوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ شکل وصورت، قدوقامت، سوچ اور کردار کے اعتبار سے بہترین مخلوق ہے۔ پھر اسے ایک ایسی نعمت سے نوازا گیا ہے جو اور کسی مخلوق کو عطا نہیں کی گئی۔ وہ ہے اللہ کریم کی پہچان کی استعداد۔ اسی لیے نبوت صرف انسانوں میں ہے۔ کسی

دوسری مخلوق میں نبی نہیں ہیں۔فرشتوں میں نہ جنوں میں۔

ان لوگوں نے انسان ہوکر بنی آدم میں سے ہوکر اپنے بلند مقام کو چھوڑا اور دنیوی مادی لالچ میں پھنس گئے۔محض دنیا حاصل کرنا چاہا، اس کے ضابطے بھول گئے۔حرام حلال بھول گئے، جائز ذرائع بھول گئے، راہ حق سے بھٹک گئے اور سب کچھ کھو بیٹھے۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی دعوت دی تو کہنے لگے یہ تو بس جادوگری ہے اور اس پر دلیل یہ دی کہنے لگے: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾ اور کہتے ہیں ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کہنے لگے مکہ اور طائف یہ جڑواں شہر، امراء کے حساب سے جڑواں ہیں۔یہ قدیم شہر ہیں تہذیبوں کا گہوارہ ہیں۔عظیم شہر ہیں۔ان میں بڑے بڑے امیر اور بااثر لوگ رہتے ہیں۔پورا معاشرہ ان کی قدر کرتا ہے۔وہ کچھ کہہ دیں تو لوگ ان کی بات سنتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں۔اگر یہ قرآن اللہ کا کلام تھا تو کسی بااثر امیر انسان پر نازل ہوتا، لوگ جس کی بات سنتے اور مانتے۔محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاندان اعلیٰ ہے لیکن مال و دولت تو نہیں ہے، حکومت واقتدار تو نہیں ہے۔والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔یتیمی اور غریبی میں پرورش پائی ہے تو ان کی بات کون سنے؟

فرمایا: اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٣٢﴾ کیا یہ لوگ آپ کے پروردگار کی رحمت (نبوت کو) بانٹتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کی روزی کو ان میں تقسیم فرمایا اور ہم نے ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں۔

انسان کی حیثیت ہی کیا ہے؟ اپنا نصیب خود بنا نہیں سکتا دوسروں کو کیا دے گا؟ انسان کون ہوتا ہے، کسی کو امیر کرے یا غریب کرے؟ فرمایا ہم ہی ہر ایک کو ہر شے دیتے ہیں۔دنیا بھی ہم ہی دیتے ہیں۔دنیا جو کم تر درجے کی چیز ہے۔گھٹیا ہے وہ بھی ہم اپنے دستِ قدرت سے بانٹتے ہیں اور یہ بات کرتے ہیں نورِ نبوت کی کہ وہ ان کی مرضی سے دیا جاتا! دنیا جو گھٹیا چیز ہے وہ تو کسی کو دینے پر قادر نہیں اور اللہ کی رحمت (نبوت) کو یہ بانٹیں گے؟

فرمایا، انسانوں کی معیشت کو ہم نے خود تقسیم فرمایا ہے۔ہر شخص کو مختلف استعداد دی اور دنیا کا نظام ایسا بنایا جس میں سب لوگ مختلف شعبوں میں کام کر کے ایک دوسرے کے لیے زندگی بسر کرنے کے انتظامات میں اپنا اپنا حصّہ ڈالیں کیونکہ معاشرے کے سارے افراد ایک دوسرے کی مدد کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔فرمایا دنیا کا رزق بھی ہم ان میں تقسیم کرتے ہیں۔بعض کو زیادہ دیتے ہیں، بعض کو کم دیتے ہیں۔ان کے درجات ایک دوسرے

پر بنا دیتے ہیں تا کہ انسانی معاشرہ قائم رہ سکے، ایک دوسرے کے کام آسکیں، ایک دوسرے سے وابستہ رہیں اور نظامِ دنیا رواں دواں رہے۔

اسلامی نظام نافذ ہو تو معاشرے میں ایسا ماحول بنتا ہے جس میں ہر فرد اپنی استعداد، تعلیم، قابلیت وصلاحیت، ہنر اور تجربہ کے مطابق اپنا حق لے لیتا ہے۔ اسلامی معیشت اسی اصول پر استوار ہے۔ اسلام میں مساوات سے یہ مراد نہیں کہ سب کو، یعنی اعلیٰ تعلیمی افتہ اور ایک مزدور کو ایک جیسا ملے۔ اسلام میں مساوات کا اصول یہ ہے کہ جس کے جتنے فرائض ہیں، اتنے اس کے حقوق ہیں۔ ایک شخص اگر زیادہ تنخواہ لیتا ہے تو اس کے فرائض بھی زیادہ ہیں۔ اس کے ذمہ ملکی پالیسیاں بنانا بھی ہے اور بین الاقوامی امور میں اس کے فرائض بھی ہیں۔ دوسرا شخص جو اس کے دفتر کا ایک کارکن ہے اس کی تنخواہ بھی کم ہے لیکن اس کے فرائض بھی کم ہیں۔ جتنی اس کی ذمہ داری ہے اتنی ہی وہ اجرت لے لیتا ہے۔ جیسے ایک مکان بنایا جائے تو اس میں کتنے لوگ کام کرتے ہیں۔ ایک آرکیٹکٹ نقشہ بناتا ہے۔ انجینئر اس میں ذمہ داری لیتا ہے کہ عمارت ہر طرح سے درست ہو۔ بنیادیں مضبوط ہوں، تعمیر درست ہو۔ مستری اپنے ہنر اور تجربہ کی بنیاد پر تعمیر کرتا ہے۔ مزدور اپنی طاقت لگا کر مشقت کرتا ہے۔ اس سارے کام میں سب سے زیادہ جسمانی مشقت مزدور کرتا ہے اور ان سب میں سب سے کم اجرت اسے ملتی ہے۔ مستری کی مشقت، مزدور کی نسبت کم ہے اور اس کی اجرت نسبتاً زیادہ ہے۔ انجینئر نے کاغذ پر چند لائنیں لگا دیں اور تعمیر کے کام میں اپنا حصہ ڈالا اس نے مستری سے زیادہ معاوضہ لیا۔ کیا یہ مساوات ہے؟ ہاں!

انجینئر نے اپنی زندگی کے بیس سال تعلیم میں لگائے پھر انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی، فن سیکھا، تجربہ پایا، پھر دن رات اسی کام میں لگا رہتا ہے تو مزید تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ اس تعلیم، تجربہ، ہنرمندی اور اس پر تعمیر کی ذمہ داری کی وجہ سے اس کا معاوضہ زیادہ ہے۔ مساوات سے مراد یہ ہے کہ جس کا جو حق ہے وہ بلا روک ٹوک اسے ملے۔ ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ذمہ داری پوری کرے اور اپنی اجرت اور معاوضہ بغیر تکلیف کے حاصل کرے۔ ہر ایک پر اس کی ذمہ داری کے مطابق بوجھ ڈالا جائے اور اس کے مطابق معاوضہ دیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ امیر اور وسائل رکھنے والے غریبوں کا معاوضہ پورا نہ دیں یا تنگ کر کے دیں۔ مساوات یہ نہیں کہ معاشرے میں سب تعلیم، قابلیت اور استعداد میں ایک جیسے ہو جائیں کہ پانچوں انگلیاں برابر ہو جائیں بلکہ مساوات یہ ہے کہ حق کے حصول میں پانچوں انگلیاں برابر ہوں۔ ہر فرد کے ساتھ انصاف ہو۔ ہر ایک کو اس کا حق احسن طریقے سے ملے۔

دنیا میں اشتراکی نظام اسی لیے ناکام ہوا کیونکہ یہ غیر فطری تھا۔ اللہ نے سب انسانوں کو مختلف استعداد، مختلف قابلیت، مختلف ذوق اور مزاج عطا فرمائے ہیں۔ مساوات یہ ہے کہ سب کو اپنی استعداد کو بروئے کار لانے کی یکساں مواقع ملیں۔ پھر معاشرے میں مختلف شعبوں میں لوگ اپنی قابلیت کی بنا پر کام کریں اور اس میں کسی کا حق تلف نہ ہو۔ اشتراکی نظام کے مقابل سرمایہ دارانہ نظام ہے جس میں دولت کا ارتکاز امرا کے ہاں ہو جاتا ہے۔ غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشی ناہمواری ہوتی ہے چونکہ اس نظام میں معاشی استحصال ہوتا ہے اس لیے معاشرے میں بغاوت، چوری، ڈاکہ، قتل و غارت گری ہوتی ہے۔ بداخلاقی عام ہو جاتی ہے۔ سود، جواء، سٹے بازی، ہیرا پھیری اس نظام کے لوازم ہیں۔

اسلامی نظام معیشت میں ہر حق دار کو اس کا حق فطری طور پر ملتا ہے۔ جیسی جس کی استعداد اور قابلیت ہے اسے اس کے مطابق موقع ملتا ہے کہ وہ معاشرے کے اس شعبے میں اپنا مقام پیدا کرے۔ معاشرے میں تمام شعبہء حیات مختلف امور کے متقاضی ہوتے ہیں۔ ہر شعبہ کے لوگ دوسرے شعبہ کے لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ باہمی ضرورتوں کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ مساواتِ اسلامی میں ہر شعبے کے ہر فرد کو اس کا مقام، عزت احترام اور معاوضہ ملتا ہے۔ معاوضے میں شعبے کے ہر فرد کو اس کا مقام، عزت احترام اور معاوضہ ملتا ہے۔ معاوضے میں تفاوت کا ہونا فطری ہے۔ ادب و احترام، مقام و مرتبہ ہر ایک کا انسان ہونے کے باعث ہے۔ بنیادی اصول یہی ہے کہ جتنی جس کی استعداد ہے، ہمت ہے اتنا ہی اس پر بوجھ ڈالو اور اتنا ہی اس کا حق ادا کرو۔

دنیا، انسان کے لیے آزمائش کی جگہ ہے۔ اللہ نے انسان کو نظامِ حیات دے کر راہنمائی کر دی ہے۔ عقل و شعور دے کر اختیار بھی دے دیا ہے۔ مقابلے میں دنیا کی نعمتیں پھیلا دیں۔ اب بندے کا امتحان ہے۔ بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا دنیا کے کسی لالچ میں پھنس جاتا ہے۔ بندہ جب بھٹکتا ہے تو عظمتِ الٰہی کو چھوڑ کر دنیا کے لالچ میں پھنس جاتا ہے۔ جب معرفتِ الٰہی پاتا ہے تو دنیا چھوٹتی نہیں۔ دنیا، جائز اور حلال طریقے سے استعمال ہوتی ہے۔ دنیا استعمال کرنے کے لیے ہے۔ چھوڑ دینے کے لیے نہیں لیکن جس کی ہے اس نے استعمال کرنے کا جو طریقہ اور سلیقہ سکھایا ہے اس کے مطابق کرے۔ یہ ہے اسلام کا خوب صورت، متوازن، معتدل، ہر ایک کے لیے خیر کا ضامن ضابطہء حیات!

## برصغیر، ایک مثال:

مسلمان حکمرانوں کی تاریخ ایسے عادل اور منصف لوگوں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے اپنے عہد میں اسلامی اصولوں پر معاشرہ تعمیر کیا اور مسلم تو مسلم غیر مسلموں نے بھی اس کے ثمرات سے فائدہ اٹھایا۔ اسی برصغیر میں مسلمانوں کے عہد حکمرانی میں ایسا معاشی نظام رائج رہا جس کی سالوں بعد گواہی غاصب انگریز نے دی جو برصغیر پر قابض ہوئے۔ 1832ء میں برطانیہ کی پارلیمنٹ میں اس انگریز ذمہ دار افسر نے جو بیان دیا وہ آج بھی ریکارڈ پر موجود ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پورا برصغیر گھوما ہوں۔ مجھے پورے برصغیر میں کوئی چور نظر آیا نہ گداگر۔

یہ اسلامی معاشی نظام کی برکات تھیں، جن کا اثر مسلمانوں کی حکومت کے زوال کے بعد تک رہا۔ برصغیر میں مسلمانوں کا دور حکومت سات سو سے ہزار سال کے درمیان ہے۔ پھر جب اسلامی ریاست پر زوال آیا تو برصغیر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ ہندو، سکھ اور مرہٹوں نے مختلف علاقوں میں حکومتیں بنالیں۔ اس کے بھی نصف صدی بعد انگریز آیا۔ اورنگ زیب عالمگیر، کب کا گزر گیا اس کے جانشین نالائق اور بے راہ رو تھے۔ ان سے سلطنت نہ سنبھالی گئی۔ اور ریاست کا کچھ حصہ ہندوؤں نے، کچھ مرہٹوں نے اور کچھ سکھوں نے چھین لیا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد سلطنتِ اسلامی زوال میں چلتی گئی۔ بالآخر بہادر شاہ ظفر سے انگریزوں نے سلطنت چھین لی۔ اس انحطاط کے باوجود، اسلامی معاشی نظام کے اثرات اور اس کی برکات انگریز کے قبضہ کرنے تک موجود تھیں۔

قرآنِ حکیم کی ہر آیہء مبارکہ ہر دور کے مسائل کا حل عطا فرماتی ہے۔ یہ آیہء کریمہ بھی اسلامی نظام کی برکات اور معاشرے میں ان کی افادیت کو واضح کر رہی ہے کہ اللہ کریم نے جو ضابطے اور قاعدے بنائے ہیں وہی بہترین ہیں کہ یہ اس خالقِ حقیقی کے بتائے ہوئے ضابطے ہیں جو انسانوں کا خالق ہے۔ وہی ان کی ضروریات کو جانتا ہے اور اسی نے ان کی ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کرنے کے سلیقے عطا فرمائے ہیں۔ انگریز نے برصغیر میں اسلامی قوانین اور احکام ہٹا کر اپنے بے دین معاشرے کے احکام وقوانین لاگو کیے۔ ضرورت تو یہ تھی اور یہی ہے کہ ان لادین قوانین کو یکسر ختم کر کے پھر سے اسلامی معاشی، سیاسی، ریاستی اور عدالتی نظام لایا جائے۔

خلاصہء کلام یہ کہ اگر ہر کوئی اپنے کام میں خود مختار ہوتا تو زندگی جانوروں جیسی ہوتی ہے جیسے ہر جانور پیدا ہوتا ہے۔ جب کمانے کے قابل ہوتا ہے تو ماں باپ کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ کوئی ماں باپ نہیں، بہن بھائی نہیں جانوروں کا معاشرہ ہے۔ انسان بھی سارے کے خود کفیل ہوتے تو ان میں ایک جانور کا اضافہ ہو جاتا۔ ہم نے انسانوں کو ایک

دوسرے پر درجات دے کر، مختلف علوم وفنون دے کر ایک دوسرے کا محتاج اور ضرورت مند بنا دیا ہے۔ جس سے انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اور لوگ ایک دوسرے سے وابستہ رہتے ہیں۔

فرمایا، بلاشبہ آخرت کی نعمتیں، اس دنیا کی حرص وہوس سے جمع کی ہوئی دولت سے کہیں بہتر ہیں۔ جن کا مطمعِ نظر دولتِ دنیا بن جائے وہ اس کے حصول میں حرام حلال کی پروانہیں کرتے، ساری زندگی اسی کو جمع کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ دنیا میں ہی اس کے نقصان اٹھانے پڑتے ہیں۔ کروڑوں اربوں جمع کر کے بھی ایسی بیماریاں لگ جاتی ہیں کہ دنیا کی نعمتیں استعمال نہیں کر سکتا۔ یہاں کی محرومی پر ہی بات ختم ہو جاتی تو جان چھوٹتی لیکن آگے نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دنیا سے جانا اور دولتِ دنیا کو چھوڑ کر جانا کتنا باعثِ حسرت ہوگا۔ آگے جا کر پرسش ہوگی کہ یہ مال کہاں سے کمایا، کن ذرائع سے حاصل کیا، کہاں خرچ کیا؟ کس کے حکم پر کمایا، کس کے حکم پر خرچ کیا؟ اس پر جو سزا ملے گی وہ بڑی دردناک ہوگی۔

اللہ کریم دنیا میں ہی متنبہ کر رہے ہیں اور واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ دنیا کو اللہ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر استعمال کر کے آؤ تو کامیابی تمہاری منتظر ہے۔ دنیا کے لالچ میں ان نعمتوں کو مت چھوڑو جو اللہ کے ہاں ہیں۔ وہ اس سے کہیں بہتر ہیں جو کچھ یہ منکرین یہاں جمع کرتے ہیں۔

اللہ کریم نے بڑا رحم کیا۔ اگر اللہ بنی آدم پر احسان نہ فرماتے کہ یہ دنیا کے لالچ میں آ کر، دولت دیکھ کر کفر کی طرف نہ چلے جائیں تو سب کو ایک جیسا کر دیتے۔ سب کو مالِ دنیا اور زر و جواہر سے مالا مال کر دیتے۔ فرمایا: وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿٣٣﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو رحمٰن کے منکر ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھا کرتے۔

یہ دنیا عجیب شے ہے۔ یہ عارضی ہے۔ آخرت دائمی ہے۔ یہاں کی دولت واقتدار اللہ نے کافروں کو بھی دیا ہے۔ یہ نیکوں کو بھی ملی ہے۔ اگر اس کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت ہوتی تو صرف نیکوں کو دیتا، بدکاروں کو نہ دیتا۔ اللہ کے نزدیک آخرت کی اہمیت ہے، قدر و قیمت ہے اسی لیے کسی بے دین، کسی کافر کو نہیں دے گا۔ جنت کی خوشبو بھی نہیں دے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ (سنن ترمذی کتاب الزھد باب ماجاء فی ھوان الدنیا) یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی درجہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔ چونکہ انسانی مزاج میں حرص ہے۔ اس کے غالب ہونے کے باعث لوگوں کی اکثریت مغلوب ہو سکتی تھی۔ فرمایا: وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا

عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔونَ ﴿۳۴﴾ اوران کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے۔ وَزُخْرُفًا ۚ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ اور سونے کے (بھی) اور یہ سب کچھ صرف دنیا کی زندگی کا (چندروزہ) سامان ہے۔اور آپ کے پروردگار کے ہاں آخرت پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

فرمایا، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کافروں کی دولتِ دنیوی دیکھ کرلوگوں کی اکثریت ہی کفر کی طرف نہ چلی جائے تو ہم کفر کرنے والوں کو اتنی دولتِ دنیا دیتے کہ وہ سونے چاندی کے مکان بناتے،ان میں زروجواہر جڑتے، ہیرے جواہرات چھتوں اور دیواروں پر لگاتے۔سونے چاندی کے تخت پوش بناتے۔اپنے گھروں کی سیڑھیاں بھی سونے چاندی سے بناتے۔آرام دہ بستر بھی سونے چاندی سے مزّین ہوتے۔

ان کے لیے کتنی حسرت ہوتی جب وہ اتنی دولتِ دنیا چھوڑ کر مررہے ہوتے تو انہیں کتنی حسرت ہوتی۔حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے خاک میں مل جاتے۔کافر نے تو چونکہ صرف دنیا ہی چاہی، محض دنیا ہی کا انتخاب کیا تو وہ آخرت سے بالکل محروم ہیں۔اللہ اسے دنیا میں سب نعمتوں کی فراوانی دے دیتے۔کثرت دے دیتے لیکن اللہ نے انسانوں پر احسان کیا اس طرح سے کافر کو دنیا نہیں دی کہ دنیا کے لالچ میں اکثریت ہی غرق نہ ہوجائے۔کوئی غرق ہونا چاہے تو ہوتا رہے یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے لیکن اللہ نے سب کا لحاظ کیا۔اس کے ساتھ معاشرے میں تفاوت قائم رکھا تاکہ انسانی تعلقات باہمی احتیاجات کے سبب قائم رہیں۔

یادرکھو! اُخروی نعمتیں تو ساری کی ساری ان کے لیے ہیں جو اللہ کے طالب ہیں جو متقی ہیں۔تقویٰ کیا ہے؟ بندے کا اللہ کریم سے ایسا رشتہ بن جائے کہ کوئی فیصلہ کرنے لگے تو خیال آجائے کہ اس بارے اللہ کا حکم کیا ہے۔بندہ کہے میں ویسے کروں گا جیسا اللہ نے حکم دیا ہے۔ایسا تعلق اللہ سے بن جائے۔اسے تقویٰ کہتے ہیں۔

جنہوں نے اللہ سے رشتہ استوار کرلیا ان کے لیے اللہ کے پاس آخرت کی نعمتیں ہیں۔یہ اس کے دستِ قدرت میں ہے اسی نے دینی ہے اور وہ بہترین دے گا۔جو عطا فرمائے گا تو ہمیشہ کے لیے! کوئی نعمت دے کر واپس نہیں لی جائے گی۔سارے انعامات سدا رہیں گے۔لیکن ان کے لیے جن کا اللہ سے دلی رشتہ استوار ہوگا اور جنہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامانِ رسالت تھاما ہوگا اور وہ اس رشتے کو مرتے دم تک نبھاتے رہے!

# سورۃ الزخرف رکوع 4 آیات 36 تا 45

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾ وَاِنَّهُمْ
لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا
قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾ وَلَنْ
يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ
الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا
مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿٤١﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿٤٢﴾
فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٣﴾ وَاِنَّهٗ
لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿٤٥﴾

اور جو رحمٰن (اللہ) کی یاد (قرآن) سے آنکھیں بند کر لے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں تو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے ﴿۳۶﴾ اور وہ ان کو راہِ راست سے روکتے رہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں ﴿۳۷﴾ یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا کاش! میرے اور تیرے درمیان (دنیا میں) مشرق و مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا تو (تُو) بہت بُرا ساتھی ہے ﴿۳۸﴾ اور جب تم ظلم کرتے رہے تو آج یہ بات تم کو ہرگز فائدہ نہ دے گی کہ تم (سب) عذاب میں شریک ہو ﴿۳۹﴾ تو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں اور ان لوگوں کو جو واضح گمراہی میں ہیں؟ ﴿۴۰﴾ پھر

اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں تو (تب) بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے ﴿۴۱﴾
یا آپ کو (دنیا کی زندگی میں) وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا
ہے پس یقیناً ہم اُن پر ہر طرح کی قدرت رکھتے ہیں ﴿۴۲﴾ پس آپ اس
(قرآن) پر قائم رہیے جو ہم نے آپ پر وحی فرمایا ہے بے شک آپ سیدھے راستے
پر ہیں ﴿۴۳﴾ اور یقیناً یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم (امت) کے
لیے نصیحت ہے اور (لوگو) تم سے بہت جلد پوچھا جائے گا ﴿۴۴﴾ اور آپ ان
(پیغمبروںؑ) سے پوچھ لیجیے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے کیا ہم نے رحمٰن (اللہ) کے
علاوہ کوئی دوسرے معبود مقرر فرمائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟ ﴿۴۵﴾

# تفسیر و معارف

قرآن حکیم، اللہ کا ذکر ہے جو اس سے آنکھیں بند کر لے وہ راہِ ہدایت سے دور ہو جاتا ہے۔ ذکرِ الٰہی کے کئی مدارج ہیں۔ ایمان لانا بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ ذکرِ الٰہی کی بنیاد ایمان ہے۔ دوسرا درجہ ہے، شریعت پر عمل کرنا۔ جو کام اللہ کے حکم پر کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر کیا جائے وہ عملی ذکر ہے کہ اس میں اللہ کی یاد موجود ہے۔ فرض اور واجب عبادات کے بعد تلاوتِ قرآن، تسبیحات، زبان کو اللہ کی یاد سے تر رکھنا، ذکرِ لسانی ہے۔ اور سب سے اعلیٰ ذکر ذکرِ قلبی ہے کہ دل ذاکر ہو جائے اور کوئی لمحہ غفلت میں نہ رہے۔ ہمہ وقت اللہ اللہ کرتا رہے ذکرِ قلبی کے لیے بھی بنیادی شرط ہے کہ ایمان ہو، کردار ہو پھر توجہ نصیب ہو تب جا کر ذکرِ قلبی نصیب ہوتا ہے۔

فرمایا: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ اور جو رحمٰن (اللہ) کی یاد (قرآن) سے آنکھیں بند کر لے ہم اس پر ایک شیطان مسلّط کر دیتے ہیں تو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے۔

جو لوگ زندگی بھر کتابِ الٰہی قرآن کو کھول کر دیکھتے ہیں نہ اللہ کی عظمت کا ادراک کرتے ہیں نہ اطاعتِ الٰہی کا اہتمام کرتے ہیں اور کفر و شرک پر جمے ہوئے ہیں۔ اس کی دنیا میں یہ سزا دی جاتی ہے کہ اللہ کریم ان پر ایک شیطان مسلّط کر دیتے ہیں۔ یاد رہے! یہ شیطان اس قرین شیطان سے الگ ہے جو انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَ قَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ۔ (صحیح مسلم)
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں: لوگو! تم میں سے کوئی شخص نہیں کہ جس کے ساتھ ایک قرین جن (شیطان) نہ ہو۔

اہل مغرب اور یہاں کے عاملین جن روحوں کو حاضر کرتے ہیں وہ یہی قرین شیطان ہوتا ہے۔ چونکہ یہ ساری زندگی بندے کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے اس کے تمام حالات سے باخبر ہوتا ہے۔ اسی کی آواز میں بات کر سکتا ہے۔ روحیں برزخ سے واپس نہیں لائی جاسکتیں۔ اگر مرنے والا نجات میں ہے تو اس کی قبر جنت کا باغ ہے اور اس کی روح جنت کے باغوں میں ہے تو دنیا کے عامل اسے وہاں سے پکڑ کر دنیا میں لے آئیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ اور اگر اس کی قبر جہنم کا گڑھا ہے اور اس کی روح گرفتارِ بلا ہے تو وہاں سے اُسے کون لائے گا؟ عملیات کرنے والے، عامل یا اہل مغرب کے لوگ جو عملیات کر کے کہتے ہیں کہ روح حاضر ہوگئی وہ روح نہیں ہوتی، وہی شیطان ہوتا ہے جو اس کے ساتھ ساری عمر رہا۔ وہ اس کا لب ولہجہ بھی جانتا ہے اور اس کے سارے حالات بھی جانتا ہے۔ یہ قرین شیطان ہوتا ہے۔

جب کوئی اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے آیاتِ الٰہی کی پروا نہیں کرتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت قبول نہیں کرتا تو دنیا میں اسے ایک سزا دی جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس پر ایک شیطان مسلّط کر دیا جاتا ہے۔ وہ بھی ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ دو شیطان اکٹھے ہو کر کیا کرتے ہیں؟ وہ اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، نیکی، بھلائی اور اچھائی سے روکتے ہیں۔ فرمایا: وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ اور وہ ان کو راہ راست سے روکتے رہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں۔

شیطان کے زیر اثر رہنے سے وہ برے کام کر کے سمجھتے ہیں کہ وہ تو ٹھیک کر رہے ہیں۔ چوری ڈاکہ کرنے والے، اپنی برائی کا جواز پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں، ہم نے جو کیا ٹھیک کیا، یہاں ایسا کرنا ہی ضروری تھا۔ ہر کافر باطل پر ہے لیکن خود کو حق پر سمجھتا ہے۔ یہ سب ان شیاطین کی صحبت کا نتیجہ ہے۔ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے اتنے قتل کیے، عزتیں لوٹیں، تباہی پھیلائی۔ شیاطین کہتے ہیں تم نے تو بڑا معرکہ مارا۔ تم نے بالکل ٹھیک کیا۔ اللہ کی یاد سے منہ پھیرنے والے کو دنیا میں یہ سزا مل جاتی ہے کہ وہ ہر وقت شیطان کے ساتھ رہتا ہے۔ اُس کی صحبت میں رہتا ہے۔ شیطان اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اس کی برائی کو بنا سنوار کر اسے دکھاتے ہیں وہ سمجھتا ہے کہ وہ بڑا کام کر رہا ہے یہاں تک کہ موت آ جائے گی۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیۡتَ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَیۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِیۡنُ ﴿۳۸﴾ یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا کاش! میرے اور تیرے درمیان (دنیا میں) مشرق و مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا تو (تو) بہت بُرا ساتھی ہے۔

مشرق اور مغرب ایک دوسرے سے انتہائی دور ہیں اور کبھی مل بھی نہیں سکتے۔ اس طرح کی دوری چاہے گا۔ اس وقت انسان کہے گا اے کاش! تو مجھ سے اتنا دور ہوتا کہ کبھی مجھے مل نہ سکتا، مجھے پا نہ سکتا۔ تو کیسا بُرا ساتھی تھا جس نے مجھے تباہ کر دیا۔ لیکن وَلَنۡ یَّنۡفَعَکُمُ الۡیَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ فِی الۡعَذَابِ مُشۡتَرِکُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اور جب تم ظلم کرتے رہے تو آج یہ بات تم کو ہرگز فائدہ نہ دے گی کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔ قیامت کے دن یہ بیزاری کسی کام نہ آئے گی۔ قیامت کا دن، نتائج کا دن ہے۔ آخرت یا موت کے بعد دارِ عمل ختم ہو جاتا ہے۔ عمل کا کام ختم ہو گیا تو اس کے ثمرات اور نتائج آنے ہیں۔ آج تمہاری ان سے بیزاری کسی کام نہ آئے گی۔

قرآنِ حکیم یہ آخرت کے واقعات دنیا میں کھول کھول کر بتاتا ہے کہ شیطان سے بیزاری کا اعلان کرنا ہے تو آج کرو، دنیا میں کرو۔ وہاں کرو گے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جتنے گمراہی کے راستے ہیں سب شیطان کے ہیں۔ اللہ کا، اللہ کے انبیاؑ کا، اللہ کی کتابوں کا راستہ حق کا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مبعوث ہونے کے بعد اللہ کا راستہ صرف اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں ہے، اللہ کی کتاب میں ہے۔

فرمایا جا رہا ہے دنیا میں تم شیاطین کی بات سنتے تھے۔ ظلم کرتے تھے تو آج تم سب اکٹھے عذاب کو بھگتو گے۔ جب دارِ عمل میں تھے تو ان کے کہنے پر عمل کرتے رہے، آج انہی شیاطین کے ساتھ عذاب بھگتو! میدانِ حشر میں لوگ رنگ و نسل کی بنیاد پر اکٹھے نہیں ہوں گے، نظریات و عقائد اعمال و کردار اور جس سے محبت کرتے ہوں گے اسی کے ساتھ ہوں گے۔ ارشادِ نبوی ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (صحیح مسلم)

بندے اسی کے ساتھ ہوں گے جس سے دنیا میں محبت رکھتے تھے۔ جس نے نیکوں سے محبت کی وہ ان کے ساتھ ہوگا جس نے شیاطین سے محبت اور دوستانہ رکھا وہ ان کے ساتھ اکٹھا ہوگا۔ فرمایا: اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَہۡدِی الۡعُمۡیَ وَمَنۡ کَانَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۰﴾ تو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں اور ان لوگوں کو جو واضح گمراہی میں ہیں؟ جب انہوں نے قبول نہیں کیا تو گویا انہوں نے سنا ہی نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ایسے کانوں کا کیا فائدہ جس سے حق سنائی نہ دے۔ یہ تو ایسے بہرے ہیں جو قوتِ سماعت ہوتے ہوئے نہیں سن رہے۔ کفار بظاہر بہرے نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاداتِ عالی سنتے تھے۔ ناراض ہوتے اور ایذا پہنچاتے تھے یعنی قبول نہ کرنا نہ سننے کے برابر ہے۔ فرمایا، ہر شخص راہ اپنانے میں آزاد ہے۔

آپ بھلا بہروں کو کیسے سنائیں گے اور اندھوں کو کیسے راستہ دکھائیں گے۔ انہوں نے سننے اور دیکھنے کی صلاحیت کو حق سننے اور حق دیکھنے کے لیے استعمال نہیں کیا۔ یہاں سے حقیقی بہرہ یا اندھا ہونا مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اس سے مراد ہے کہ جو حق نہیں سنتا، اس نے گویا سنا ہی نہیں جو حق نہیں دیکھتا اس نے گویا دیکھا ہی نہیں۔ یہ تو واضح گمراہی میں ہیں۔ واضح گمراہی یہ ہے کہ انسان کو پتا ہوتا ہے کہ وہ غلطی پر ہے لیکن اس کی اپنی انا اسے حق قبول کرنے سے روکتی ہے کہ اگر غلطی تسلیم کرلوں گا تو یہ میری شان کے خلاف ہوگا لہٰذا وہ ناحق پر جما رہتا ہے۔ یہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات نہیں مانتے، یہ بھی جانتے ہیں کہ حق آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہے۔ لیکن مانتے نہیں۔ سنتے ہیں، عمل نہیں کرتے۔ دیکھتے ہیں، عبرت حاصل نہیں کرتے۔ انہیں سماعت کچھ فائدہ دے سکی نہ بصارت اور نہ ان کے اعمال سدھر سکے۔

اللہ کریم نے فرمایا، ہم ان کے کردار کا بدلہ اُن سے ضرور لیں گے۔ فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ ﴿٤١﴾ پھر اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں تو (تب) بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے۔ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ ﴿٤٢﴾ یا آپ کو (دنیا کی زندگی میں) وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے پس یقیناً ہم ان پر ہر طرح کی قدرت رکھتے ہیں۔

فرمایا، یہ اللہ کی بات کو ٹھکرا رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی کر رہے ہے، تو اس کی سزا انہیں ضرور دی جائے گی خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے دی جائے یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم دنیا سے پردہ فرما جائیں تب دی جائے لیکن اللہ کا انتقام، اللہ کی سزا اللہ کا سخت عذاب انہیں پہنچے گا۔ ان کے کیے کی سزا انہیں دنیا میں بھی ضرور ملے گی اور آخرت کی مصیبتیں تو کفر کے لیے انتہائی اذیت ناک ہوں گی۔ کافر کی زندگی میں بظاہر آسانیاں، آسائشیں ہوں وہ کوئی سانس سکھ کا نہیں لیتا کیونکہ وہ محض اوہام پر جیتا ہے۔ حق پر اس کا یقین نہیں ہوتا۔ بدکار کی زندگی میں بھی سکون نہیں ہوتا۔ چور، ڈاکو، ظالم، بدکار، قاتل لٹیرے، رشوت خور ساری زندگی لحظہ لحظہ پریشان رہتے ہیں۔ یہ اللہ کی سزا ہے جو ان پر دنیا میں مسلّط ہو جاتی ہے۔ آخرت دائمی اور ابدی ہے۔ دنیا وقتی اور عارضی ہے۔ جو چیز مضبوط ہوتی ہے وہ وقتی چیز کو اپنے اثر میں لے لیتی ہے۔ طاقتور کا عکس کمزور پر پڑتا ہے اور وہ متاثر ہوتا ہے۔ اس کی مثال سیّد عبدالعزیز دباغ ؒ کی کتاب ''الابریز'' کے ایک واقعہ سے ملتی ہے۔ آپؒ ظاہری طور پر پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن علم کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ علما بھی ان سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کے ایک شاگرد نے ان کے ارشادات جمع کیے۔ الابریز عربی میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہے۔ اس میں وہ ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ان کے صوبے کا گورنر بہت ظالم تھا۔ لوگ اس سے بے حد تنگ تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ اس سے ناراض ہوا اور

اسے معزول کر دیا۔ انہوں نے اپنے شیخ دباغ ؒ کو یہ خبر سنائی کہ شکر ہے لوگوں کی ایک ظالم گورنر سے جان چھوٹ گئی۔ شیخ نے فرمایا، تو کہہ رہا ہے کہ وہ گورنری سے ہٹا دیا گیا ہے لیکن اس کے لیے جہنم میں جو عذاب بن رہے ہیں ان میں تو اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب میں شیخ کی محفل سے باہر آیا تو پتا چلا کہ بادشاہ نے اسے پھر سے بحال کر دیا ہے۔ جو برائی وہ یہاں کر رہا تھا۔ آخرت میں اس کی سزا بن رہی تھی۔

یہ دنیا عارضی ہے اور آخرت دائمی۔ اس لیے آخرت کا عکس ہر شخص کے دل پر آتا ہے۔ برائی کر کے کوئی بنی آدم سکون نہیں پا سکتا۔ اور جو نیکی کرتا ہے، بھلائی کرتا ہے، عبادت کرتا ہے اس کے لیے جنت تعمیر ہوتی ہے اس کا عکس اس کے دل پر آتا ہے وہ فقیر ہو یا بادشاہ پر سکون رہتا ہے۔ قرآنِ حکیم تاریخ کی کتاب نہیں تو یہ تاریخی واقعات کیوں بیان کرتا ہے؟ یہ عبرت کے طور پر بیان کرتا ہے کہ کس قوم کا کردار کیا تھا اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ تم بھی بنی آدم ہو، تم بھی روئے زمین پر ہو، مکلف ہو۔ دامانِ رسالت کو تھامو گے تو نتیجہ کیا ہوگا اور نافرمانی کرو گے تو انجام کیا ہوگا!

فرمایا، ہم ان پر ہر طرح کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان کو ذلت کا سامنا کرنا ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ بدر و احد میں قتل ہوئے، ذلیل ہوئے، قید ہوئے اور فتح مکہ پر ان کی کمر ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گئی۔ ارشاد ہو رہا ہے: **فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٣﴾** پس آپ اس قرآن پر قائم رہیے جو ہم نے آپ پر وحی فرمایا ہے بے شک آپ سیدھے راستے پر ہیں **وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔــلُوْنَ ﴿٤٤﴾** اور یقیناً یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم (امت) کے لیے نصیحت ہے اور (لوگو) تم سے بہت جلد پوچھا جائے گا۔ تمسک کہتے ہیں، ساتھ لگ جانا، چمٹ جانا، جزو بن جانا۔ یہاں خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمسک بالقرآن کا حکم فرمایا گیا۔ اس سے اس حکم کی اہمیت واضح کرنا مراد ہے۔ جس طرح ملکی قوانین ہر ایک کے لیے ہوتے ہیں۔ ملک کے آئین و دستور میں یہ ہوتا ہے کہ ملک کا سربراہ بھی اس شق کا پابند ہے۔ جس شق سے سربراہ مملکت کو مفر نہیں۔ یعنی وہ نہیں چھوڑ سکتا تو عام آدمی کی کیا جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ اس قانون کو توڑے۔ یہاں یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ تمسک بالقرآن ہر مسلمان کے ایمان کی شرط ہے۔ یعنی یہ کہ عقیدہ قرآن کے مطابق ہو، کردار قرآن کے مطابق ہو۔ مسلمان کو قرآن حکیم تھامنے پر، اللہ کے دین پر فخر ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ شرمندہ شرمندہ سی مسلمانی، کوئی مسلمانی نہیں۔ انسان مسلمان ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ ایمان اور کمزوری کا کوئی جوڑ نہیں۔ فرمایا، قرآن سے لپٹ جاؤ، دامنِ وحی، دامانِ رسالت نہ چھوٹے۔ اور پھر یہ بھی فرمایا کہ اس کے بارے پوچھا جائے گا۔ اس کی جوابدہی ہوگی۔ یہ بھی یاد رہے! قیامت کی بات تو قیامت کو ہوگی۔ قیامت کو پتا چلے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل

پر تھا لیکن اللہ کے دین، اللہ کے قرآن کا فیصلہ میں آج دے دیتا ہوں کہ بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سیدھے راستے پر ہیں۔ یہ فیصلہ یہیں صادر ہو گیا کہ جو عقیدہ، سوچ، فکر اور عمل و کردار قرآن کے مطابق ہوگا وہی حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوم کے لیے قرآن نصیحت ہے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوم کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی امت آپ کی قوم ہے۔ دنیوی قومیں تو نسب اور نسل پر منحصر ہیں کہ فلاں، فلاں کی اولاد ہے۔ انبیاؑ کی قوم ان کی امت ہوتی ہے۔ انبیاؑ کی برکات ان کی امت میں تقسیم ہوتی ہے۔ اسی طرح بدکاروں کے پیروکاران کی قوم ہوتی ہے جیسے فرعون کے بارے قرآن میں آتا ہے کہ ہم نے فرعون اور اس کی آل کو غرق کر دیا۔ اس کے ساتھ غرق ہونے والوں میں صرف اس کے گھر والے ہی نہیں تھے پوری قوم ساتھ ڈوب گئی تھی۔ یعنی فرعون کے پیروکار اس کی قوم کہلوائے۔

فرمایا: وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ پھر بہت جلد اس تمسک بالقرآن کے بارے پوچھا بھی جائے گا کہ کس نے مانا، کتنا مانا، کتنا عمل کیا اور کس خلوص سے کیا؟ جس بات کی کل جوابدہی ہونی ہے اس کی فکر آج کرلیں تو فائدہ ہو جائے گا۔ فرمایا: وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ اور آپ ان پیغمبروں سے پوچھ لیجیے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے کیا ہم نے رحمٰن (اللہ) کے علاوہ کوئی دوسرے معبود مقرر فرمائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟ توحیدِ باری تعالیٰ ایمانیات کا بنیادی نکتہ ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تک ہر نبیؑ نے بتائی۔ کسی نبیؑ نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت کا حکم نہیں دیا۔ فرمایا، آپ ان کی تعلیمات سے تحقیق کر لیجیے یا آپ ان سے ملاقات کر کے پوچھ لیجیے۔

شبِ معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے تمام انبیاؑ کی امامت فرمائی۔ تمام انبیاؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اقتداء میں دوگانہ ادا فرمایا۔ اس ضمن میں بھی بہت تاویلیں گھڑی جاتی ہیں۔ پتا نہیں انسان حقائق کو قبول کرنے میں کیوں ہچکچاتا ہے؟ جب حدیث شریف میں آگیا کہ سارے انبیاؑ کی امامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کروائی تو ماننے میں کیا تامل!

نبی علیہ السلام کسے کہتے ہیں؟ کیا صرف نبیؑ کی روح نبیؑ ہوتی ہے، جسم نبی نہیں ہوتا؟ یا صرف جسم عالی نبیؑ ہوتا ہے، روح نبی نہیں ہوتی؟ حق یہ ہے کہ روح اور جسم مل کر نبیؑ ہوتے ہیں۔ تمام انبیاؑ اپنی ارواح اور اجسام کے ساتھ نبیؑ ہیں۔ اور اسی حالت میں شب معراج کے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اقتداء میں تھے۔ وہ ذاتِ ربّ کریم جو معراج پر ملوا سکتی ہے وہ ربّ کریم جب چاہے ملوا سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا: وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ ۔۔ آپ ان پیغمبروں سے پوچھ لیجیے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے۔ ہمیں جب یہ بات ہضم نہیں ہوتی تو ہم اس کا مفہوم یہ لکھتے ہیں کہ ان کی تعلیمات پر تحقیق کر لیجیے۔ ہمارا حوصلہ نہیں ہوتا، ہم سمجھتے ہیں مجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا تو شاید انبیاؑ سے بھی نہیں ہو سکتا! حقیقت یہ ہے کہ نبیؑ اللہ کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے۔ اللہ کی بہت بڑی نعمت نبوت، صرف انبیاؑ کو ملتی ہے۔ غیر نبی اس کا سایہ بھی نہیں پا سکتا۔

قرآن جو بیان کرتا ہے وہ حق ہے، حتمی اور اٹل ہے۔ اس پر ایمان لانا ہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اللہ کی توحید ہر نبیؑ کا پیغام تھا۔ یہی پیغام نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہے اور رہتی دنیا تک رہے گا۔

# سورۃ الزخرف رکوع 5 آیات 46 تا 56

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِہٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَھُمْ بِاٰیٰتِنَآ اِذَا ھُمْ مِّنْھَا یَضْحَکُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا
نُرِیْھِمْ مِّنْ اٰیَۃٍ اِلَّا ھِیَ اَکْبَرُ مِنْ اُخْتِھَا ۫ وَاَخَذْنٰھُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّھُمْ
یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا یٰٓاَیُّہَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَھِدَ عِنْدَکَ ۚ اِنَّنَا
لَمُھْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْھُمُ الْعَذَابَ اِذَا ھُمْ یَنْکُثُوْنَ ﴿۵۰﴾
وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِہٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ؕ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ
ھُوَ مَھِیْنٌ ۙ وَّلَا یَکَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ اَوْ
جَآءَ مَعَہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَہٗ فَاَطَاعُوْہُ ؕ اِنَّھُمْ
کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْھُمْ فَاَغْرَقْنٰھُمْ
اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۵﴾ۙ فَجَعَلْنٰھُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے
پاس بھیجا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ یقیناً میں پروردگارِ عالم کی طرف سے پیغمبر (ہو کر
آیا) ہوں ﴿۴۶﴾ پس جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان پر
ہنسنے لگے ﴿۴۷﴾ اور ہم ان کو جو نشانی دکھاتے تھے تو وہ دوسری (نشانی) سے بڑھ
کر ہوتی تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تا کہ باز آجائیں ﴿۴۸﴾ اور وہ
کہنے لگے کہ اے جادوگر! اس عہد کے مطابق جو اس (تیرے پروردگار) نے تجھ

سے کر رکھا ہے اپنے پروردگار سے ہمارے لیے دعا کر تو ہم ضرور راہ پر آ جائیں گے ﴿۴۹﴾ پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تو انہوں نے فوراً اپنا وعدہ توڑ دیا ﴿۵۰﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے میری قوم! کیا یہ مصر کی حکومت میری نہیں اور یہ نہریں میرے (محل کے) نیچے بہہ رہی ہیں تو کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟ ﴿۵۱﴾ بلکہ میں بہت بہتر ہوں اس شخص سے جس کی کوئی قدر نہیں اور وہ صاف بول بھی نہیں سکتا ﴿۵۲﴾ تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا فرشتے پرا باندھ کر اس کے ساتھ آتے ﴿۵۳﴾ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی تو انہوں نے اس کی بات مان لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے ﴿۵۴﴾ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا پھر ہم نے ان سب کو ڈبو دیا ﴿۵۵﴾ پس ہم نے اُن کو گئے گزرے اور بعد والوں کے لیے ایک مثال بنا دیا ﴿۵۶﴾

# تفسیر و معارف

کفار نے ہمیشہ ہی نبوت کے لیے دولت و اقتدار کو معیار سمجھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر یہی باتیں سننا پڑیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۴۶﴾ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امرا کے پاس بھیجا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ یقیناً میں پروردگارِ عالم کی طرف سے پیغمبر (ہو کر آیا) ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام مبعوث تو ساری قوم کی طرف ہوئے تھے لیکن یہاں ذکر فرعون اور امرا کا ہو رہا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرما کر اور دلائل دے کر فرعون اور اس کے امرا کی طرف بھیجا۔ اس لیے کہ امرا ہی قوم کی قیادت ہوتے ہیں۔ حکمران، طبقہ امرا، بااثر طبقہ ہی لیڈر ہوتا ہے۔ لیڈر کا معنی ہے پیشرو، آگے چلنے والا، راہنما، راستہ دکھانے والا۔ یہ لوگ جدھر جاتے ہیں ساری قوم ادھر ہی جاتی ہے۔ اللہ کریم نے اپنے اولوالعزم رسول علیہ السلام کو فرعون اور اسی کے امراء کی طرف بھیجا۔ یہ اللہ کی شان ہے اور کیا شان ہے ربّ العالمین کی! ایک شخص، جس کے پاس بہت بڑی سلطنت و ریاست ہے، لاؤ لشکر ہیں، دولت کے انبار ہیں، اردگرد کی ریاستیں اس سے خوفزدہ رہتی ہیں۔ وہ خود اپنی خدائی کا دعویدار ہے، لوگوں سے اپنی عبادت کرواتا ہے، سجدے کرواتا ہے اس فرعون کی طرف اپنے

نبی علیہ السلام کو بھیجا جن کی ظاہری حالت یہ ہے کہ ہاتھ میں ایک لاٹھی ہے، کمبل دہرا کر کے اس کا کرتہ بنا کر پہنا ہوا ہے۔ گلے میں کانٹے لگا کر چاک بند کر رکھا ہے اور پاؤں میں کچے چمڑے کے جوتے ہیں!

اللہ کی شان ہے! فرمایا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے دیے۔ لباس وغیرہ نہیں تو کیا ہوا، فوج ساتھ نہیں، لوگ ساتھ نہیں لیکن میری طاقت تو ساتھ ہے، میں ساتھ ہوں، جہاں اللہ ہے وہاں کسی اور کی کیا ضرورت؟

موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فرعون کی طرف جائیں تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ اے میرے پروردگار (اس کام کے لیے) میرا سینہ کھول دیں۔ اور میرے لیے میرا کام آسان فرما دیں اور میری زبان پر سے (لکنت کی) گرہ کھول دیجیے تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں اور میرے لیے میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر فرما دیجیے هٰرُونَ أَخِي (طٰہٰ:30) ہارون (علیہ السلام کو) کہ میرے بھائی ہیں۔

اللہ کریم نے آپ علیہ السلام کی تمام گزارشات قبول فرمالیں۔ آپ کا شرح صدر بھی ہو گیا لکنت بھی دور ہو گئی۔ بھائی ہارون علیہ السلام بھی معاون بنا دیے گئے۔ اب یہ دونوں اللہ کے نبی و رسول علیہم السلام، فرعون کے دربار میں پہنچے۔ اسے اللہ کی کبریائی اور بندے کے عاجز بندہ ہونے کا بتایا۔ اسے دعوتِ حق دی کہ تجھے اللہ کی عظمت قبول کرنی چاہیے۔ اللہ کے سامنے تیری کوئی حیثیت نہیں۔ ہم اللہ کی طرف سے پیغمبر ہو کر تیرے پاس آئے ہیں تاکہ تجھے پاک کر دیں تو اللہ کو پہچان لے، اس کی عظمت مان لے۔ پھر آپؑ نے معجزات دکھائے۔ یہ ہے اللہ کی شان! وہ اللہ کو مانتا نہیں، جانتا نہیں۔ اس کے ماننے نہ ماننے سے عظمتِ الٰہی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کی شان وہی ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٤٧﴾ پس جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان پر ہنسنے لگے۔ کہنے لگے، یہ دیکھو! اس کے پاس لباس ہے نہ اچھا جوتا۔ کوئی ملازم ساتھ ہے نہ خادم۔ اسے کوئی جانتا ہے نہ پہچانتا ہے۔ یہ کیسا اللہ کا فرستادہ ہے؟ فرمایا: وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ۖ وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤٨﴾ اور ہم ان کو جو نشانی دکھاتے تھے تو وہ دوسری (نشانی) سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ باز آجائیں۔

انہوں نے جب موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑایا تو اللہ کی پکڑ میں آگئے۔ ہم نے ان پر اس طرح کی نشانیاں بھیجیں کہ ہر معجزہ پہلے سے عظیم الشان ہوتا ایک سے بڑھ کر ایک دلیل بھیجی گئی۔ لیکن انہوں نے مان کر نہ دیا۔ پھر ان پر جو گرفت آئی وہ بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ قرآنِ کریم میں دوسری جگہ ان بیماریوں اور مصیبتوں کا ذکر ہے۔ عجیب و غریب عذاب آئے۔ مینڈکوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ چولہے اور برتنوں میں، بستروں اور بیٹھنے کی جگہوں میں

مینڈک بھر گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتے کہ آپ اپنے ربّ سے کہیں کہ یہ عذاب ہم سے ہٹالے ہم آپ کی فرمانبرداری کریں گے جب عذاب ٹل جاتا تو پھر مُکر جاتے۔ پھر مزید عذاب آجاتا۔ اسی طرح ان پر جوئیں مسلط ہوگئیں۔ پانی کو خون کردیا گیا۔ برتن میں پانی ہوتا، جب منہ تک لے جاتے وہ خون بن جاتا۔ اسی طرح کے مختلف عذاب آئے لیکن وہ ہر مرتبہ وعدہ توڑ دیتے۔ ان پر یہ عذاب اس لیے آئے کہ انہیں ہوش آجائے، وہ توبہ کرلیں۔ یہ بھی اللہ کا کرم تھا کہ دنیا میں ہی عذابوں کی جھلکیاں دکھائیں کہ یہ ان کی توبہ کا سبب بن جائے۔ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ اور وہ کہنے لگے کہ اے جادوگر! اس عہد کے مطابق جو اس (تیرے پروردگار) نے تجھ سے کر رکھا ہے اپنے پروردگار سے ہمارے لیے دعا کر تو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے۔ کیسے بدنصیب تھے! کبھی اللہ کریم کو اپنا ربّ کہہ کر نہیں پکارا، کبھی ہمارا ربّ نہیں کہا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی نبی نہیں مانا بلکہ کہنے لگے کہ آپ تو بڑے جادوگر ہیں تو آپ اپنے پروردگار سے کہیں کہ ہم سے عذاب ٹال دے تو ہم ہدایت قبول کرلیں گے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تو انہوں نے فوراً اپنا وعدہ توڑ دیا۔ ان کا وطیرہ ہی بن گیا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ کریم ان کا عذاب ختم کردیتے تو یہ اپنا وعدہ توڑ کر پھر کفر پر جم جاتے۔

## یہ سب کیوں بتایا جارہا ہے؟

ہماری زندگی میں بھی مصائب، حادثات اور بیماریاں آتی ہیں۔ وقتی طور پر ہم متاثر ہوتے ہیں کہ یا اللہ! میری توبہ، مجھے معاف کردے لیکن جب وہ حادثہ گزر جاتا ہے، ہوش بحال ہوتے ہیں تو ہم پہلے جیسے ہوجاتے ہیں۔ فرعونیوں کی تاریخ بتانا مقصود نہیں۔ یہ سب بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے آپ کو تلاش کرو۔ کبھی کوئی عزیز فوت ہو جائے، مکان گر جائے، مال جاتا رہے، بیماری آجائے تو توبہ! توبہ! حادثہ پرانا ہوجائے، حالات ٹھیک ہوجائیں تو پھر ویسے کے ویسے! اس میں ہمارے لیے سبق ہے۔ اسے پلّے باندھ لینا چاہیے۔

یہ تو فرعونیوں کا کردار تھا کہ مصیبت آئی تو پاؤں پکڑ لیتے، موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرواتے کہ یہ ٹل جائے تو ہم آپ کی بات مان لیں گے۔ جب ٹل جاتی تو پھر ویسے کے ویسے ہوجاتے۔ مسلمانوں کو اس روش سے بچنے کے لیے یہ واقعات سنائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ، موسیٰ علیہ السلام کی بات پر اعتبار کرنے کے بجائے فرعون کی بے دلیل اور بے وزن باتوں کو مان لیتے۔ فرعون تو جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں لیکن وہ ماننا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے جھوٹ بولتا اور لوگوں کو گمراہ کرتا تھا۔ فرعون نے بڑے فخر سے کہا: وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ

مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے میری قوم! کیا یہ مصر کی حکومت میری نہیں اور یہ نہریں میرے (محل کے) نیچے بہہ رہی ہیں تو کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟

کہنے لگا، یہ موسیٰ (علیہ السلام) کون سی بادشاہت کی بات کرتے ہیں، کس جنت کی، اس کے باغوں اور نہروں کی بات کرتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں یہ سب مرنے کے بعد کہیں جا کر ملے گا۔ پتا نہیں وہ کس دنیا کی بات کرتے ہیں کہ وہاں ایک ایک جنتی کے پاس ریاست وسلطنت ہوگی! یہاں دنیا میں دیکھ لو! میرے پاس اتنی عظیم سلطنت اور ریاست ہے، حکومت واقتدار ہے، خزانے اور لاؤ لشکر ہیں۔ یہ ساری نہریں میرے ہی ماتحت چل رہی ہیں۔ جدہر چاہوں لے جاتا ہوں۔ کیا تمہیں میری مصر پر حکومت نظر نہیں آتی؟ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿٥٢﴾ بلکہ میں بہت بہتر ہوں اس شخص سے جس کی کوئی قدر نہیں اور وہ صاف بول بھی نہیں سکتا۔ کہنے لگا، میں بہتر ہوں یا یہ عام آدمی؟ میں صاحب حیثیت ہوں، بااثر ہوں، اتنی عظیم سلطنت کا اکیلا مالک ہوں اور اس کی تو زبان میں بھی لکنت ہے۔ یہ تو اپنا مافی الضمیر بھی بتا نہیں سکتا۔ اُس نے یہ سب جھوٹ کہا۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپؑ کی لکنت پہلے ہی دور ہو چکی تھی۔ شرح صدر کی نعمت سے سرفراز تھے اور دوسرے معجزات ہمراہ تھے۔ سب سے بڑی بات آپؑ کو نبوت ورسالت عطا ہو چکی تھی۔ فرعون نے جھوٹ اور مکاری سے قوم کو بیوقوف بنایا۔ کہنے لگا: فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا فرشتے پرا باندھ کر اس کے ساتھ آتے۔ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٤﴾ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی تو انہوں نے اس کی بات مان لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔

فرعون اپنی قوم کو بودی دلیلیں دینے لگا کہ میرے درباریوں کو دیکھ لو، میرے محل کے پہرے داروں تک سونے سے لدے ہوئے ہیں، زرق برق لباس پہن رکھے ہیں۔ اگر یہ اللہ کا رسول ہے تو اللہ نے اسے فاخرہ لباس اور سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے؟ اگر اللہ کا رسول ہے تو فرشتے پَرے باندھ کر اس کے ساتھ آجاتے۔ اللہ اس کی حمایت میں فرشتے بھیجتا۔

ان خرافات میں، اس کی باتوں میں کوئی وزن نہیں تھا لیکن وہ یہ خرافات بکتا رہا اور قوم بیوقوف بنتی گئی بالآخر وہ قائل ہوگئے اور فرعون کی بات مان لی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر دور میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ قوم کے حکمران، جھوٹ بولتے ہیں جھوٹے وعدے کرتے ہیں اور اقتدار حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر قوم کو ہوش آتی ہے تو کوئی اور آجاتا ہے جو انہیں زیادہ بیوقوف بنالیتا ہے۔ وہ پہلے سے زیادہ بدتر حکمران ثابت ہوتا ہے۔ پھر کوئی اور اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

## قومیں بیوقوف کیوں بنتی ہیں؟

فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝٥٤ بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔ من حیث القوم یہ بدکار لوگ تھے۔ بدکاری کا اثر یہ ہے کہ برائی اور جھوٹ قبول کرلیا جاتا ہے۔ لیڈر اسی کو دھوکا دے سکتے ہیں جو برائی میں پڑے رہتے ہیں۔ جن کا کردار برائی پر مبنی ہوتا ہے ورنہ نیک لوگوں کو یہ گمراہ نہیں کر سکتے۔ دھوکا ہمیشہ بدکاروں کو ہی لگتا ہے۔ جن کا عقیدہ درست نہیں، جن کا رزق حلال نہیں، صدق مقال نہیں۔

قومِ فرعون نے اللہ کے نبیؑ کی بات نہیں مانی جو حق بتا رہے تھے، وحیٔ الٰہی بیان کر رہے تھے، دو عالم کی کامیابی کی بات کر رہے تھے اور فرعون کی بات مانی جو جھوٹ کہہ رہا تھا، انہیں اُلّو بنا رہا تھا۔ اس لیے کہ وہ خود جھوٹ کہتے اور حرام کھاتے تھے۔ بدعملی اور برائی کی سزا یہ ہے کہ بندہ برائی ہی کو قبول کرتا ہے۔ ان کے کردار کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے۔ کپڑے سفید پہنے ہوتے ہیں، دل سیاہ ہوتا ہے۔ باتیں خوبصورت ہوتی ہیں، کردار ظالمانہ ہوتا ہے۔ بظاہر خیرات کرتے ہیں، حقیقتاً لوگوں کو لوٹتے ہیں۔

فرمایا، یہ قوم ہی بدکار تھی۔ اس لیے نبی علیہ السلام کی بات ان کے دل میں نہیں اتری، فرعون کی بات ان کے دلوں میں اتر گئی۔ اس بات نے غضبِ الٰہی کو بھڑکا دیا فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٥٥ جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا پھر ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝٥٦ پس ہم ان کو گئے گزرے اور بعد والوں کے لیے ایک مثال بنا دیا۔

جب یہ حد سے گزر گئے انہوں نے غضبِ الٰہی کو بھڑکایا تو ہم نے ان سب کو اکٹھا کر کے غرق دریا کر دیا۔ اس کی فوجوں، لشکروں، سپاہیوں، امرائے دربار سب کو ایک جگہ جمع کر کے ڈبو دیا اور وہ تباہ ہو گئے۔ جن محلات، خزانوں پر ان کو ناز تھا وہ سب ان کے ہاتھ سے جاتے رہے۔ یہ اس طرح نیست و نابود ہوئے کہ ان کی کہانیاں رہ گئیں، قصے بن گئے، نشانِ عبرت بن کر عبرت کی مثل بن گئے۔

قرآن کا مقصود موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کی تاریخ بیان کرنا نہیں بلکہ اس سے سبق حاصل کرنا ہے۔ اس آیۂ کریمہ کے آئینے میں اپنا آپ دیکھنا ہے۔ مسلمانو! دیکھو! تم کس کی بات مانتے ہو؟ اگر سچ کو قبول کرتے ہو تو قرآن مانو گے، حدیث مانو گے، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانو گے ورنہ جھوٹ کے دعویدار تو بہت پھرتے ہیں۔ ان کے پیچھے بھاگتے رہو گے تو غلام بنتے رہو گے، رسوا ہوتے رہو گے۔ اللہ کریم حق قبول کرنے کی، سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔

# سورۃ الزخرف رکوع 6 آیات 57 تا 67

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا
خَیْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ
هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ
لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓىِٕكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا
تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا یَصُدَّنَّكُمُ
الشَّیْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِیْسٰى بِالْبَیِّنٰتِ قَالَ قَدْ
جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَیِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۴﴾
فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ
اَلِیْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾
اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾

اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کا حال بیان کیا گیا تو آپ کی قوم کے لوگ اس (مارے خوشی) کے چلا اٹھے ﴿۵۷﴾ اور کہنے لگے بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰ علیہ السلام) انہوں نے آپ سے یہ مثال جو بیان کی ہے صرف جھگڑنے کے لیے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو ﴿۵۸﴾ وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور انہیں بنی اسرائیل کے لیے ایک نمونہ بنا دیا

تھا ﴿۵۹﴾ اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمہاری جگہ زمین میں بستے ﴿۶۰﴾ اور بے شک وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہیں تو تم لوگ اس میں شک نہ کرو اور میرا اتباع کرو، یہی سیدھا راستہ ہے ﴿۶۱﴾ اور تم کو شیطان روک نہ دے بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۶۲﴾ اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) معجزات لے کر آئے تو فرمایا میں تمہارے پاس دانائی کی باتیں لے کر آیا ہوں نیز اس لیے کہ کچھ باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، تم کو سمجھا دوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مان لو ﴿۶۳﴾ یقیناً اللہ ہی میرے پروردگار ہیں اور تمہارے بھی سو ان ہی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ﴿۶۴﴾ پھر ان میں سے کتنے فرقوں نے (آپس میں) اختلاف پیدا کر لیا پس وائے ہے ان لوگوں کے لیے کہ ظلم کرتے ہیں، ایک درد دینے والے دن کے عذاب سے ﴿۶۵﴾ یہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت ان پر اچانک آ جائے اور ان کو خبر تک نہ ہو ﴿۶۶﴾ تمام (دنیا کے) دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے ﴿۶۷﴾

# تفسیر و معارف

## اعتراض محض جھگڑنے کے لیے:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کا حال بیان کیا گیا تو آپ کی قوم کے لوگ اس سے (مارے خوشی کے) چلا اٹھے۔ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اور کہنے لگے بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰ علیہ السلام۔) انہوں نے آپ سے یہ مثال جو بیان کی ہے صرف جھگڑنے کے لیے بلکہ یہ لوگ ہی جھگڑالو ہیں۔

فرمایا، جب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے جو مریم علیہ السلام کے فرزندِ ارجمند تھے بات ہوئی اور اُن کا حال بیان کیا گیا تو یہ مشرکینِ مکہ اور آپ کی قوم کے افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قومی بھائی اس میں جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے بھئی عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تو سارے عیسائی پوجا کرتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا جن کی پوجا کی

جائے وہ تو جہنم میں جائے گا تو پھر عیسیٰ علیہ السلام پر بھی یہی قانون لاگو ہوگا؟ اور وہ لوگ اس بات پر خوش ہوئے کہ ہمارے بُت ہی نہیں جائیں گے پیغمبر بھی جائیں گے۔ فرشتوں کی پوجا ہوتی ہے وہ بھی جائیں گے اور کہنے لگے پھر ان سے تو پھر ہمارے بُت ہی بہتر ہیں۔ اگر کسی انسان ہی کی پوجا کرنی ہے۔ اپنے جیسے بندے کی پوجا کرنی ہے تو یہ پتھر کے بُت جنہیں دیوی دیوتا مانتے ہیں ہم بھی پتھر کی پوجا تو نہیں کرتے دیوی دیوتا تو ایک نظر نہ آنے والی غیبی طاقتیں ہیں، بہرحال وہ عالمِ انسانیت و بشریت سے تو بالاتر ہیں اس لحاظ سے ہم اچھے ہیں اور ہم حق پر ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جو باتیں یہ کر رہے ہیں یہ صرف آپ سے جھگڑنے کے لیے کر رہے ہیں، اندر سے یہ بھی جانتے ہیں کہ ایسی تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں تھیں۔ وہ اللہ کے نبیؑ تھے، اُنہوں نے اللہ کی طرف دعوت دی، حق بیان کیا۔ اب اگر کوئی گمراہ ہو کر اُن کی پوجا کرنا شروع کر دے انہیں اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دے تو اِس کا ذمہ دار وہ ہے جو کہہ رہا ہے۔ یہ اُنؑ کی تعلیمات نہیں ہیں، وہ ان کا بھی نافرمان ہے۔ اللہ کا بھی نافرمان ہے۔ سزا وہ بھگتے گا، اللہ فرماتے ہیں، جانتے یہ بھی ہیں۔ آپ سے جھگڑا کرنے کے لیے انہیں ایک بات مل گئی اس لیے کہ یہ قوم ہی جھگڑالو ہے۔ یہ اعتراض محض جھگڑنے کے لیے کر رہے ہیں۔ جہنم میں تو وہ جائیں گے جو اپنی عبادات کروانے پر خوش ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے بندے اور رسولؑ تھے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ۔۔۔ وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا تھا۔ ہم نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپؑ کو معجزاتی طور پر بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ آپؑ کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی طرح محض اللہ کی قدرت سے ہوئی۔ آدم علیہ السلام سے اماں حوا کو پیدا فرمایا۔ اماں حوا کے بعد آپؑ کی پیدائش ایک منفرد کام تھا۔ پھر ہم نے اُنؑ پر انعام کیا اُنہیں نبوت سے سرفراز فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾ اور انہیں بنی اسرائیل کے لیے ایک نمونہ بنا دیا تھا آپ بنی اسرائیل کے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بہت بڑی نشانی اور معجزہ تھے۔ اللہ نے ایک کمال ہستیؑ بنائی اور تم اس بات پر حیران ہوتے ہو کہ بغیر باپ کے کیسے پیدا ہو گئے۔

فرمایا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ فرمایا: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿٦٠﴾ اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمہاری جگہ زمین میں بستے۔ آئندہ انسانوں کو جو اولاد پیدا ہو وہ انسان نہ ہو وہ فرشتے ہوں اور اُس کے بعد زمین کے وارث وہ بن جائیں۔ ہماری قدرت کو کون روک سکتا ہے؟ اگر ہم نے بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا تو بغیر ماں باپ کے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ بغیر ماں باپ کے وجودِ آدم سے اماں حوا کو پیدا کر دیا تو یہ تو پھر انسان کے وجود سے انسان ہی پیدا ہوا! حضرت مریم علیہا السلام کے بطنِ مبارک سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ وہ بھی انسان تھیں، وہ بھی انسان ہیں۔ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ اور

بے شک وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہیں توتم لوگ اس میں شک نہ کرو۔ آپؑ قیامت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہیں کہ جس طرح اللہ بغیر باپ کے پیدا کرسکتا ہے اسی طرح مُردوں کوزندہ بھی کرسکتا ہے۔ پھرآپؑ کا آسمانوں پر جانا پھرآسمان سے زمین پر آنا۔ دجال وغیرہ کوقتل کرنا، ریاست بنانا۔ یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ آپؑ کے بعد پھر قیامت آئے گی تو آپؑ کا وجود دوطرح سے قیامت کے دلائل پیش کرتا ہے کہ جیسے بغیر باپ کے پیدا کردیا، اسی طرح مرے ہوؤں کوزندہ بھی کرسکتا ہے۔ جیسے انہیں زندہ آسمانوں پر اُٹھالیا، وہ قادر ہے جس کوجہاں چاہے رکھے۔ اسی طرح وہ اہلِ جنت کوجنت میں اور اہلِ جہنم کوجہنم میں لے جائے گا۔ جس کوجہاں لے جائے۔ جوجس کا حقدار ہوگا وہ اُسے وہاں لے جائے گا۔ تیسری بات کہ اُن کا پھرآسمانوں سے نازل ہوکرزمین پر بسنا، شادی کرنا، ریاست بنانا، دجال وغیرہ کوقتل کرنا، کفر کومٹانا، اسلامی ریاست قائم کرنا۔ یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ اس کے پیچھے پھر قیامت ہی آئے گی۔ قیامت قریب ہوگی: وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ۔۔۔ آپؑ کوقیامت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہیں لہٰذا اُن کے بارے میں کسی شک میں مبتلا نہ ہوجانا کہ یہ کیسے ہوگیا، یہ کیوں ہوگیا اللہ کی قدرت پر اعتماد کرو: وَاتَّبِعُوْنِ ۔۔۔ اورانہیں فرمادیجیے کہ میرا اتباع کرو۔

## سوائے اتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کوئی جائے پناہ نہیں:

کوئی ہدایت نہیں، کوئی نیکی نہیں، کوئی بھلائی نہیں، کہیں نفع نہیں۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ اتباعِ رسالت پناہی سیدھا راستہ ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر نبیؑ بارگاہِ الٰہی کا ایک دروازہ ہے جو بارگاہ میں کھلتا ہے۔ جس نبیؑ کا دامن تھام لووہ اللہ کی بارگاہ میں لے جاتا ہے لیکن سارے دروازے یکے بعد دیگرے بند ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ سب بند ہوگئے، اب صرف ایک دروازہ ہے اور وہ ہے اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں بیٹھے کچھ اوراق دیکھ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم حجرہ مبارک سے جلوہ افروز ہوئے اور پوچھا؟ کیا پڑھ رہے ہو؟ عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تورات کے کچھ قدیم اوراق ہیں۔ وہ ہم دیکھ رہے ہیں تو رُخِ انور متغیر ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جب ناراض ہوتے تھے تو چہرے پر سرخی آجاتی تھی۔ رُخِ انور کا رنگ بدل جاتا تھا۔ سب لرز اُٹھے۔ فرمایا تم آج تورات پڑھ رہے ہو۔ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ (حوالہ: مصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الادب باب مَن کرہ النظر فی کتب اہل الکتاب۔ نمبر 26421) آج اگر موسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت، شرفِ ہمکلامی سمیت اس عالمِ آب وگِل میں زندہ ہوتے ما وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (احمد) تو بغیر میرے اتباع کے اُن کے پاس بھی کوئی چارہ نہ ہوتا یعنی آج اگر

انبیائے سابقین بھی دنیا میں جلوہ افروز ہو جائیں۔ اللہ انہیں واپس بھیج دے تو انہیں اپنی نبوت، اپنے دین پر نہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع کرنا ہوگا۔ تو پھر دوسرا کون ہے جو اتباع نہ کرے اور منزل پا لے؟ فرمایا: وَاتَّبِعُوْنِ۔۔۔ میرا اتباع کرو صرف یہ سیدھا راستہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام خود نبی ہیں صاحبِ کتاب ہیں، اولوالعزم رسول ہیں۔ اُن کی پیدائش بھی معجزاتی ہے۔ اُن کا آسمانوں پر جانا بھی معجزہ ہے۔ اُن کے زمین پر بسنے کے کتنے معجزات تھے۔ مادر زاد اندھوں کو آنکھیں مل جاتی تھیں بیماروں کو شفامل جاتی تھی مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ قبر پر کھڑے ہو کے پرانے دفن مُردوں کو کہتے 'قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ' اللہ کے حکم سے کھڑا ہو، قبر سے نکل آتا تھا۔ یہ سارے کمالات اُن کی نبوت کے اور معجزات اور اُن کے پاس اپنی کتاب بھی ہے لیکن جب واپس زمین پر آئیں گے تو اتباع اس قرآن کا اور سنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کریں گے۔ اپنی کتاب کا نہیں۔ خود صاحب کتاب ہیں وہ بھی اللہ کی کتاب ہے، وہ حق ہے۔ لوگوں نے اگر تحریف کر دی بدل دی تو وہ میرے آپ کے لیے ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو اُن کے لیے تحریف شدہ کتاب تو نہیں ہے اُن کو تو حقائق پتا ہیں۔ تو کیا اُس پر عمل کریں گے؟ نہیں۔ عمل قرآن پر اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ہوگا تو پھر ماوشما کی کیا حیثیت ہے کہ ہم اتباع نہ کریں اور کامیاب ہو جائیں۔ فرمایا: وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾ اور تم کو شیطان روک نہ دے بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یعنی جہاں سے بھی اتباعِ رسالت چھوٹتا ہے یہ تم سے شیطان چھڑواتا ہے۔ یہ راستے شیطان بند کرتا ہے۔ وہ تمہیں کبھی خوف دلاتا ہے زکوٰۃ دے دو گے تو اتنے پیسے چلے جائیں گے نقصان ہو جائے گا۔ تم نماز کی طرف بھاگ رہے ہو اور فلاں جگہ کام ہے وہاں لیٹ ہو جائے گا فلاں ناراض ہو جائے گا۔ یہ نقصان ہو جائے گا، وہ نفع ہو جائے گا۔ فرمایا یہ اتباعِ رسالت کے راستے روکتا ہے۔ شیطان کے روکنے سے مت رک جاؤ۔ اس لیے کہ شیطان تو واضح دشمن ہے بنی آدم کا وہ تو تمہارا دشمن ہے۔ وہ تو آدم علیہ السلام کی اولاد سے دشمنی کرتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی جب مبعوث ہوئے تھے: وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾ اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) معجزات لے کر آئے تو فرمایا میں تمہارے پاس دانائی کی باتیں لے کر آیا ہوں نیز اس لیے کہ کچھ باتوں میں تم اختلاف کر رہے ہو تم کو سمجھا دوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مان لو۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تو یہی فرمایا تھا کہ میں اللہ کا دین اور اس کے معجزات لے کر مبعوث ہوا ہوں۔ آپؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ پیدا ہوتے ہی ایک دو دن عمر تھی تو لوگوں سے کلام کیا۔ اعلانِ نبوت کیا، اپنے نبیؑ ہونے کا بتایا۔ دین کی باتیں بتائیں میں اللہ کا بندہ اور اُس کا نبیؑ ہوں اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ (مریم:30) اللہ نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے مجھے یہ حکم دیا ہے نماز قائم رکھو، ماں کا احترام کرو اور ان معجزات کے ساتھ

میں تمہارے لیے دانائی یعنی اللہ کی راہ کی حقیقی راہنمائی لے کر آیا ہوں۔ دانائی کیا ہے؟ دانش یہ ہے کہ تمام خباثتوں کو چھوڑ کر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع کرلو یہ سب سے بڑی دانش مندی اور عقل مندی ہے اور جن باتوں میں تمہیں اختلاف ہے اور مذہبی اور دینی عقائد اور معلومات میں جھگڑ رہے ہو اُن میں فیصلہ کر دوں۔ تمہارے اختلافات ختم ہو جائیں، میں تمہیں حق بتادوں حق ایک بات ہوتی ہے جو ٹھوس ہوتی ہے۔ میں تمہیں وہ حق بتادوں: فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔۔۔ سو عظمتِ الٰہی کو سامنے لاؤ۔ عظمتِ الٰہی کا ادراک اور احساس کرو۔ اُس کی ناراضگی سے ڈرو اور اُس سے بچنے کا طریقہ ہے کہ میرا اتباع کرلو جو میں کہتا ہوں وہ مانو۔ جیسا میں کہتا ہوں۔ ویسا نظریہ، عقیدہ رکھو، ویسا عمل کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ ۔۔۔ یقیناً اللہ ہی میرے پروردگار ہیں اور تمہارے بھی۔ وہ پیدا کرنے والے، وجود عطا کرنے والے، نبوت اور عظمتِ نبوت دینے والے، علوم عطا کرنے والے اور معجزات عطا کرنے والے ہیں۔ یہ وجود، شعور، عقل یہ باتیں کرنے کی قوت یہ عمل کی طاقت، یہ ساری طاقتیں اللہ نے دی ہیں: فَاعْبُدُوْهُ ۔۔۔ سو ان ہی کی عبادت کرو۔ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو۔ جس نے پیدا کیا ہے، جس نے تمام نعمتیں اور تمام طاقتیں دی ہیں۔

## دین صراطِ مستقیم ہے:

فرمایا: هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ یہی سیدھا راستہ ہے۔ سیدھا راستہ صرف ایک ہوتا ہے۔ آپ دو نقطے لگالیں تو بے شمار خطوط سے آپ انہیں ملاسکتے ہیں۔ کہیں کہیں سے خط پھرا کر لائیں، دوسرے نقطے سے ملادیں، مل گیا لیکن سیدھا خط وہ ہوگا جو اُن دو نقطوں کے درمیان کم از کم فاصلہ ہوگا اور اُس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہوگا۔ خطِ مستقیم وہ ہے جو دو نقطوں کو سیدھا بغیر کسی ٹیڑھا پن کے ملائے۔ دین صراطِ مستقیم ہے یعنی اللہ کی رضا کو پانے کا ٹھیک سیدھا راستہ! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین پر ایک سیدھی لکیر بنائی اور اس سے دائیں بائیں بہت سی لکیریں دونوں طرف بنا کر فرمایا کہ یہ درمیانی خط خطِ مستقیم، یہ اللہ کا راستہ ہے۔ اس سے دائیں بائیں جتنے راستے نکل رہے ہیں یہ سب شیطان کے راستے ہیں۔ فرمایا، بالکل سیدھا راستہ یہ ہے کہ جو تمہارا پروردگار ہے صرف اُس کی عبادت کرو۔ عبادت کیا ہوتی ہے؟ بھلائی کی اُمید یا نقصان کے ڈر سے اطاعت کرنا عبادت ہوتا ہے۔

فرمایا: فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾
پھر ان میں سے کتنے فرقوں نے (آپس میں) اختلاف کرلیا پس وائے ہے ان لوگوں کے لیے کہ ظلم کرتے ہیں ایک درد دینے والے عذاب سے۔ کیونکہ انہوں نے آپس میں اختلاف کیا، گروہ گروہ بن گئے۔ احزاب بن گئے، جتھے بن گئے۔ کسی نے کوئی عقیدہ اپنا لیا کسی نے کوئی تو جس نے بھی حق سے اختلاف کرکے نبیؐ کے ارشاد کے خلاف عقیدے اپنائے وہ سب ظالم ہیں اور افسوس ہے ایسے ظالموں پر! ایک بہت دردناک دن آرہا ہے۔ قیامت کا دن ہوگا۔ بہت دُکھی کر

دینے والا، اُس دن اُن پر بہت سخت عذاب ہوگا یہ اپنی تباہی کے اسباب کر رہے ہیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا تو کچھ نہیں بگاڑ رہے۔ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾

یہ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟ کیوں نہیں مانتے؟ بحث کیے جا رہے ہیں۔ تکرار کیے جا رہے ہیں انہیں کیا پتا قیامت اچانک آجائے اور انہیں پتا ہی نہ چلے۔ بیٹھے بیٹھے آدمی مر جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ (مشکوٰۃ) جو مرتا ہے اس کی ایک طرح سے قیامت واقع ہو جاتی ہے کیونکہ دارِ عمل تو ختم ہو گیا دارِ جزا شروع ہو گیا۔

فرمایا ان کے پاس کون سی دلیل ہے کہ یہ دین کے معاملے میں جرح کرتے ہیں۔ بحثیں کرتے ہیں۔ کج بحثیاں کرتے ہیں، نئے نئے عقیدے گھڑ لیتے ہیں۔ نئے نئے عمل ایجاد کر لیتے ہیں۔ بھئی! سیدھا سیدھا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرو اور تمہارے پاس کیا خبر کب تمہیں آ کر موت دبوچ لے تمہاری قیامت تو آ گئی اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ تمام (دنیا کے) دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔

یہ جو دنیا کی دوستیاں ہیں، سیاسی دوستیاں اقتدار کی دوستیاں، مال و دولت کی دوستیاں، اکٹھے مل کر رشوت لینے کی دوستیاں، مل کر ڈاکے مارنے کی دوستیاں مل کر ایک دوسرے کے حقوق چھیننے کی دوستی۔۔۔ قیامت کے دن یہ سب ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ ایک کہے گا یا اللہ زیادہ قصور اس کا ہے۔ دوسرا کہے گا نہیں اس نے مجھے بھی ورغلایا گناہ پر، جو دوستیاں ہیں، برائی پر دوستیاں ہیں اور عدمِ اطاعت پر دوستیاں ہیں، فرمایا، اُس دن یہ دشمنیوں میں بدل جائیں گی اور ایک دوسرے کے خلاف گواہیاں دیں گے کہ یہ تو مجھ سے اس نے کروایا تھا۔ وہ کہے گا نہیں مجھ سے اس نے کروایا تھا۔ وہاں سب دنیا کے مفادات پر بنے ہوئے دوست بدل جائیں گے سوائے اللہ کے بندوں کے۔ اللہ کے نیک بندے ایک دوسرے کو دعا دیں گے، احسان مانیں گے کہ اس نے مجھے تربیت کی تھی میں دین پر آ گیا۔ اس نے مجھے دین کی بات بتائی تھی، اللہ اس پر زیادہ مہربانی فرمائے، وہاں دوستی تقویٰ کی ہوگی۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہوں گے۔ ایک دوسرے کا بھلا چاہیں گے۔ ایک دوسرے کے کردار کو سراہیں گے۔ اللہ سے دُعا کریں گے کہ یہ مجھے نیکی پر لے آیا تھا، آپ اسے اپنے فضل سے نوازیں جو دنیا میں مل کر رشوت لے لیتے ہیں ایک دوسرے سے تعاون کر کے بے ایمانی کر لیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مل کر قتل کر دیتے ہیں مشورے کرتے ہیں، جتھا بنا لیتے ہیں لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں، گناہ کر لیتے ہیں۔ فرمایا، فردِ قیامت یہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ اللہ کے چاہنے والے، اللہ کے راستے پر چلنے والے وہاں بھی دوست ہوں گے، ساتھی ہوں گے کہ ان کے رشتے محض اللہ کے لیے تھے۔

# سورة الزخرف رکوع 7 آیات 68 تا 89

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ
عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ
الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِنَّ
الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ
مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ
لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ
اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾ قُلْ اِنْ
كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا
يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ
وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَىِٕنْ

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ
قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے ﴿۶۸﴾ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے تھے اور فرماں بردار تھے ﴿۶۹﴾ تم اور تمہاری بیویاں عزت و احترام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ ﴿۷۰﴾ ان پر سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا اور آنکھوں کو لذت ہو گی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے ﴿۷۱﴾ اور یہ وہ جنت ہے کہ تم اپنے (نیک) اعمال کے بدلے میں جس کے مالک بنا دیے گئے ہو ﴿۷۲﴾ تمہارے لیے اس میں بہت سے پھل ہیں جن میں سے کھا رہے ہو ﴿۷۳﴾ بے شک نافرمان لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۷۴﴾ وہ ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اُسی میں مایوس پڑے رہیں گے ﴿۷۵﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا ولیکن یہ خود ہی ظالم تھے ﴿۷۶﴾ اور پکاریں گے کہ اے مالک! (جہنم کا داروغہ) تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے (موت دے دے) وہ کہے گا تم ہمیشہ ایسے ہی رہو گے ﴿۷۷﴾ درحقیقت ہم تمہارے پاس حق (سچا دین) لے کر آئے تھے ولیکن تم میں سے اکثر حق سے ناخوش رہے ﴿۷۸﴾ کیا انہوں نے کوئی بات طے کر رکھی ہے تو یقیناً ہم بھی کچھ طے کرنے والے ہیں ﴿۷۹﴾ کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے، کیوں نہیں! اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی سب باتیں) لکھ لیتے ہیں ﴿۸۰﴾ آپ فرما دیجیے کہ رحمٰن (اللہ) کے اگر اولاد ہو تو سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا میں ہوں ﴿۸۱﴾ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کے مالک (اور) عرش کے مالک (اللہ) اس سے پاک ہیں ﴿۸۲﴾ تو آپ ان کو اسی شغل اور کھیل میں رہنے دیجیے یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس سے جا ملیں ﴿۸۳﴾ اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی عبادت کے لائق ہے اور زمین میں بھی عبادت کے لائق ہے

اور وہ بڑی حکمت والا، بڑے علم والا ہے ﴿۸۴﴾ اور بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس کے لیے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے کی بادشاہت ہے اور اُسی کو قیامت کی خبر ہے اور اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے ﴿۸۵﴾ اور جن کو یہ اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہیں، وہ سفارش تک کا اختیار نہیں رکھتے مگر (ہاں) جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا تھا اور وہ (اس کی) تصدیق بھی کرتے تھے ﴿۸۶﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا فرمایا؟ تو ضرور کہیں گے اللہ نے، سو یہ لوگ کدھر پھرے جاتے ہیں ﴿۸۷﴾ قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ "اے میرے پروردگار! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے۔" ﴿۸۸﴾ سو ان کی طرف سے منہ پھیر لیجیے اور کہیے سلام ہے (یعنی الگ ہو جایئے) سو عنقریب ان کو بھی معلوم ہو جائے گا ﴿۸۹﴾

# تفسیر و معارف

میدانِ حشر میں جب نافرمانوں اور کفار پر انتہائی سختی برتی جا رہی ہوگی اس لمحے اللہ کے بندوں سے کہا جائے گا: یٰعِبَادِ۔۔۔ اے میرے بندو! اللہ کے بندے کون ہیں؟ ساری مخلوق اسی کی ہے تو پھر وہ کون ہوں گے جنہیں اس خطاب سے پکارا جائے گا؟

## اللہ کے بندے کون؟

یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے خواہشاتِ نفس اور شیطان کے پھندوں سے بالاتر ہو کر اللہ کی اطاعت کی۔ نفس کا مقابلہ کیا۔ دارِ دنیا کی تکلیفوں اور دکھوں کا مقابلہ کیا لیکن اطاعتِ الٰہی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

جس دن یہ آواز لگائی جائے گی اس دن لوگ مختلف نظریات' کے باعث مختلف حالات سے دوچار ہوں گے۔ کوئی نفس کا بندہ ہوگا، کوئی دولت کا، کوئی خواہشات کا، اور کوئی دیوی دیوتاؤں کا ہوگا۔ اس دن کفار کو بڑا افسوس ہوگا کہ کروڑوں کمائے، محلات بنائے سارا سونا چاندی، مال و دولت دنیا میں ہی رہ گیا۔ دنیا کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم اور آخرت میں غضبِ الٰہی دیکھنے کا دکھ دیکھنا پڑا۔ اُن کے برخلاف وہ لوگ ہوں گے جنہیں ربّ العالمین اپنے بندے کہہ کر پکاریں گے تو ان کی خوشی کا کیا عالم ہوگا!

ارشاد ہوگا: یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ آج تم پر کوئی خوف نہیں اور

نہ تم غمگین ہو گے۔ خوف، آئیندہ کے خدشے کو کہتے ہیں۔ کہیں بیمار نہ ہو جاؤں، گر نہ پڑوں، کوئی مار نہ دے۔ یہ خوف ہے۔ افسوس، بیتی باتوں کے دکھ کا نام ہے۔ میں نے یہ کیوں کیا، ایسا کیوں ہو گیا، یہ نہیں ہونا چاہیے تھا وغیرہ۔ فرمایا آج تم خوف اور افسوس سے بالاتر ہو۔ اس لیے کہ: اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۶۹﴾ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے تھے اور فرمانبردار تھے۔ فرمایا جائے گا کہ تم وہ لوگ ہو جو مجھ پر ایمان لائے۔ جنہوں نے میری بات مانی۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع کیا۔ تمہاری زندگی میری اطاعت سے عبارت تھی۔ تم نے تسلیم کر کے مان کر بسر کی۔

امتِ مرحومہ کو اللہ کریم نے مُسۡلِمِیۡنَ کا نام دیا ہے۔ سورۃ الحج میں ارشاد ہوتا ہے: مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰہِیۡمَ ؕ ہُوَ سَمّٰىکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (الحج: 78) تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا اندازِ کار (ملّت) اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے۔ یعنی ایمان لانے والوں کو مسلم، تسلیم کرنے والا کہا گیا ہے۔

قیامت کو مسلمین کون کہلائے جائیں گے؟ جو نام کے نہیں واقعی مسلمان ہوں گے۔ جنہوں نے ایمان، عقیدے اور عمل سے مانا ہوگا۔ یہاں تو ہم نسلی مسلمان ہیں۔ خاندانی مسلمان ہیں، گنتی میں تو ہم سارے ہی مسلمان ہیں لیکن وہاں اُسے مسلمان مانا جائے گا جس کا عقیدہ اور عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع میں ہوگا۔ ایسے مسلمانوں کے لیے آخرت کی ابدی لذتیں ہوں گی۔ اس لیے انہیں دنیا کی عارضی نعمتوں کو چھوڑنے کا بھی کوئی افسوس نہ ہوگا۔ اگر دنیا میں کوئی عادل حکمران تھا تو آخرت میں اسے جو نعمتیں ملیں گی، اتنی دنیا میں نہیں ملی ہوں گی لہٰذا مسلمین کو گزشتہ کا افسوس ہوگا نہ آنے والے وقت کا ڈر! انہیں کہا جائے گا کہ تم مان کر چلنے والے تھے اس لیے: اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ اَنۡتُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ تم اور تمہاری بیویاں عزت واحترام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

## اَزۡوَاجُکُمۡ سے مراد:

اَزۡوَاجُکُمۡ سے صرف یہ مراد نہیں ہے کہ جو دنیا میں تمہاری بیویاں تھیں۔ اس لیے کہ دنیا میں تو نوح علیہ السلام کی بیوی نے پیغمبرؑ کے ساتھ عمر بسر کی۔ لوط علیہ السلام کی بیوی نے پیغمبرؑ کے ساتھ عمر بسر کی اور قرآن میں ہے کہ انہیں کہا جائے گا، جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔ بات محض عمر بسر کرنے کی نہیں۔ مومن اللہ کا ہے۔ اس کا خاندان وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔

جنت میں داخلہ بڑی عزت کی بات ہے۔ فرمایا: یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَہَبٍ وَّ اَکۡوَابٍ ۚ وَ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ۚ وَ اَنۡتُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ ان پر سونے کی

رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے۔ اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا اور آنکھوں کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔

جنت میں داخلہ خیرات بٹنے کی طرح نہیں ہوگا۔ اللہ کا انعام ہوگا۔ عزت و احترام کے ساتھ استقبال ہوگا۔ وہاں جنت میں اُن کے خادم اور غلام اور اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتے اور غلمان بھی، سونے چاندی کے برتنوں میں طرح طرح کے کھانے اور مشروبات پیش کریں گے۔ اب ظاہر ہے جہاں برتن سونے چاندی کے ہوں گے وہاں کی نشستیں کیسی ہوں گی! وہاں کا ماحول کیسا ہوگا! وہاں کی جگہ کیسی ہوگی! وہاں کی روشنیاں کیسی ہوں گی اُس اعتبار سے ایک چیز کو بتا دیا کہ باقی سارے کو قیاس کرلیں کہ جہاں برتن ہی سونے چاندی کے ہوں گے اور وہ سونا چاندی بھی دنیا والا نہیں ہوگا، جنت کا ہوگا ابدی ہمیشہ دائمی رہنے والا۔ پھر بات کو سمیٹتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ سادہ سی بات ہے جو چاہیں گے، وہ پائیں گے۔ رب کریم نے گنا نہیں۔ فرمایا، جواُن کا دل چاہے گا وہ ہوگا۔ جس کی خواہش کریں گے۔ وہ پائیں گے: جواُن کی نگاہوں کو بھائے گا وہی اُنہیں ملے گا جو وہ دیکھنا چاہیں گے، وہی ملے گا۔ جیسی نعمت کی خواہش اُن کے دل میں پیدا ہوگی وہ حاضر کردی جائے گی۔ جو چیز دیکھیں گے، پسند آئے گی وہ پیش کردی جائے گی ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کوئی جنتی کسی دوسرے ساتھی کو دیکھے گا اور اُس کا لباس اسے بڑا پسند آئے گا وہ کہے گا بہت خوبصورت لباس ہے اس کے دل میں خیال آئے گا وہ اپنی طرف دیکھے گا تو اُس کا لباس بھی ویسا ہی ہوگا۔ اُس نے دعا نہیں کی، مانگا نہیں۔ کپڑے بدلے نہیں، تلاش نہیں کیے۔ اُس کے دل میں خواہش ہوئی اور اسے ویسا لباس عطا ہوگا۔ دنیا میں انسان کو نعمتوں کے زوال کا ڈر رہتا ہے۔ صحت ہوتی ہے ڈر رہتا ہے جاتی رہے گی زندگی ہوتی ہے ڈر رہتا ہے موت آجائے گی۔ دولت ہوتی ہے ڈر رہتا ہے نقصان ہوجائے گا چلی جائے گی چھن جائے گی۔ عہدہ اور مرتبہ ہوتا ہے خطرہ رہتا ہے چھن نہ جائیں۔ فرمایا، جنت میں یہ فکر نہیں ہوگی۔ وہاں کی ان نعمتوں کو زوال نہیں۔ اُس حیات کو موت نہیں۔ اُس صحت کو بیماری نہیں جنت میں داخل ہوجاؤ سب نعمتیں تمہاری ہیں جو چاہو گے، پسند کرو گے وہ پاؤ گے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوں گی۔ فرمایا: وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۷۲ اور یہ وہ جنت ہے کہ تم اپنے (نیک) اعمال کے بدلے میں جس کے مالک بنا دیے گئے ہو۔ ہم نے تمہیں جنت کا مالک بنا دیا۔ یعنی جنت بھی وراثت ہے۔ وراثت متقدمین سے ملا کرتی ہے۔ باپ دادا سے ملا کرتی ہے وراثت کے طور پر۔ تم نے دین موروثی طور پر لیا۔ تم نے قرآن وراثتاً لیا۔ تم نے احکامِ شریعت وراثتاً لیے۔ تم نے ایمان وراثتاً لیا ہے۔ اسی طرح ہم نے تمہیں جنت بطورِ میراث تمہاری ملکیت میں دے دی ہے۔ جو وراثت میں ملتی ہے وہ ملکیت ہوجاتی ہے۔ فرمایا، تمہارا کردار اچھا تھا۔ تم نے وراثت میں جو عقیدہ پایا اُسے نبھایا جو

کردار پایا اسے نبھایا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتائے ہوئے عقیدے پر قائم رہے۔ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۷۳﴾ تمہارے لیے اس میں بہت سے پھل ہیں جن میں سے کھا رہے ہو۔ اُس میں بے شمار پھل ہوں گے۔ دنیا میں بھی بے حساب پھل ہیں لیکن گنے جاسکتے ہیں وہاں گنے نہیں جائیں گے بے شمار کثرت سے بے پناہ پھل ہوں گے۔ اس میں سے جنتی کھائیں پئیں گے۔

اسی میدان میں ایک طرف یہ انعامات بٹ رہے ہیں دوسری طرف فرمایا: إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۷۴﴾ بے شک نافرمان لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ جن لوگوں نے ظلم کیے، نافرمانی کی، عقیدہ خراب کیا، کردار خراب کیا۔ انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ وہ بھی ہمیشہ رہیں گے۔ نہ جنت کی نعمتوں کو زوال ہوگا نہ دوزخ کے عذابوں میں کمی آئے گی۔ جنت میں کسی کو موت آئے گی نہ جہنم میں کوئی مر سکے گا۔ وہی لمحہ ہے وہی دن ہے وہی وقت ہے۔ ایک طرف ابرِ رحمت برس رہا ہے اور دوسری طرف غضبِ الٰہی بھڑک رہا ہے یہ فیصلہ ہماری اس زندگی کے عقیدے اور کردار کا ہے کہ ہم رحمتِ الٰہی کے سائے میں جانا چاہتے ہیں یا غضبِ الٰہی کی طرف بھاگ رہے ہیں! دوسروں کی بجائے ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ میرے عقائد ونظریات کیا ہیں، اور میرا کردار کیا ہے؟ خامی کوتاہی غلطی، اُس کے لیے توبہ کا دروازہ وا ہے۔ اللہ سے معافی طلب کرنی چاہیے۔ روزانہ ضرور استغفار کرنا چاہیے۔ اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے تلقین فرمائی ہے۔ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۷۵﴾ وہ ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ دوزخ کا عذاب ہلکا نہیں ہوگا اور مایوس وناامید ہوکر پڑے ہوں گے کہ اب کوئی سننے والا نہیں۔ کوئی مدد کرنے والا نہیں کوئی بچانے والا نہیں، کیا کریں! مصیبت خود مصیبت ہوتی ہے لیکن مصیبت میں بھی کچھ امیدیں ہوتی ہیں۔ بیماری آتی ہے تو امید ہوتی ہے کہ اس دوا سے ٹھیک ہوجاؤں گا۔ گرفتار ہوجاتا ہے تو امید ہوتی ہے کہ وکیل اچھا کریں گے، جج کو پیسے دے دیں گے چھوٹ جائیں گے۔ ہر مصیبت کے ساتھ اُمیدیں تو ہوتی ہیں۔ کوئی ایسی مصیبت آجائے کہ اس میں امید ہی نہ رہے تو پھر وہ بہت مشکل ہوجاتی ہے۔ فرمایا، جہنمیوں کو کوئی امید نہیں ہوگی کہ کبھی ہماری دعا سنی جائے گی یا کوئی ہماری سفارش کرے گا یا کوئی ہم سے رعایت ہوگی۔ کبھی نہیں اور جہنم کا عذاب بڑھ تو سکتا ہے کم نہیں ہوگا۔

**اللہ، کریم ہیں:**

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ ۔۔۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اُن سے یہ زیادتی ہم نے نہیں کی:

وَلٰكِنۡ كَانُوۡا هُمُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۷۶﴾ لیکن یہ خود ہی ظالم تھے۔ یہ ساری زیادتی اپنے آپ کے ساتھ خود انہوں نے کی ہے۔ اللہ کریم نے زیادتی نہیں کی۔ اللہ تو اتنا کریم ہے کہ ہر نیکی پر وہ اجر بڑھا دیتا ہے۔ گناہ کی سزا اُتنی رکھی ہے جتنا جرم کیا ہے۔ نیکی کا ارادہ کرتا ہے کہ میں یہ نیک کام کروں گا وہ کام نہ بھی کرے، تو اس ارادے کو بھی نیکی تصور کر کے اُس پر ثواب مل جاتا ہے۔ برائی کا ارادہ کرتا ہے۔ برائی کرے نہیں تو اُس ارادے کو معاف کر دیا جاتا ہے کہ اس نے عمل تو نہیں کیا۔ رعائتیں بڑی ہیں لیکن ان سب کو چھوڑ کر، یعنی اللہ کی کتاب، اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ان سب نعمتوں کو چھوڑ کر یہ شیطان اور نفس کے پیچھے بھاگ گئے تو انہوں نے خود اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے اب بھگت رہے ہیں۔ داروغہ جہنم سے کہیں گے: وَنَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ ۔۔۔ مالک اُس فرشتے کا نام ہے جو دوزخ کا داروغہ یا انچارج ہے۔ وہاں تک بات پہنچائیں گے کہ اے مالک! تو ہمارے لیے دعا کر دے۔ دنیا میں ہم نے اُس کی نہیں سنی تو یہاں اب وہ ہماری نہیں سنتا ہم کیا کریں؟ تو آپ ہی اپنے پروردگار سے کہیں کہ ہمیں معاف نہیں کرتا، نہ کرے ہمیں تباہ کر دے، فنا کر دے، اس عذاب سے تو ہم چھوٹ جائیں ہم سے زندگی ہمارا وجود، ہماری روح، ہر چیز ختم ہو جائے۔ وہ جواب دے گا: قَالَ اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ ﴿۷۷﴾ تم ختم نہیں ہو سکتے، تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ تمہیں موت نہیں آئے گی، تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے، آج شکوہ کرتے ہو: لَقَدۡ جِئۡنٰكُمۡ بِالۡحَقِّ ۔۔۔ درحقیقت ہم تمہارے پاس (سچا دین) لے کر آئے تھے ہم نے پوری طرح حق کی طرف راہنمائی کی۔ کتابیں بھیجیں۔ انبیاؑ بھیجے، احکام بھیجے، انبیاؑ نے عقائد بتائے، کردار بنایا، پھر ہم نے کتنی بڑی رعایت دی کہ زندگی میں جو کچھ بھی کر چکے ہو کسی لمحے تو واپس آ جاؤ۔ تم مرتے دم تک واپس نہیں پلٹے۔ پھر شکایت کس بات کی؟

وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَكُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿۷۸﴾ ولیکن تم میں سے اکثر حق سے ناخوش رہے۔ تمہاری اکثریت تو وہ ہے جو حق سے ناراض رہتے تھے، ناخوش رہتے تھے کہ یہ کیا مصیبت پڑ گئی ہے۔ ایک تو ان مولویوں نے زندگی تنگ کر رکھی ہے۔ یہ بات بات پر حرام حلال لیے کھڑے ہیں۔ یہ بات بات پر تھوڑی تھوڑی دیر بعد اذانوں کا شور مچا رہے ہیں، بے آرام کر رہے ہیں کیا آج آپ کے معاشرے میں آپ یہ سنتے نہیں ہیں؟ یہ جو کچھ ہم سنتے ہیں یہ تو برائے نام مسلمان معاشرے کا حال ہے، کافر معاشرہ اس سے کتنا تنگ ہوگا کہ دنیا میں تو تم کہتے تھے کہ یہ کیا مصیبت آ گئی تم دین سے نفرت کرتے تھے کہ یہ موج سے نہ سونے دیتا ہے۔ نہ مزے سے کام کرنے، نہ مزے سے کھانے دیتا ہے۔ ہر کام میں اس نے رکاوٹ ڈال رکھی ہے۔

## اللہ کی تجویز:

فرمایا: اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ کیا انہوں نے کوئی بات طے کر رکھی ہے تو یقیناً ہم بھی کچھ طے کرنے والے ہیں۔ بلکہ تم لوگ دین کے خلاف سازشیں کرتے تھے، خفیہ تدبیریں کرتے تھے۔ تجویزیں لڑاتے تھے کہ کسی طرح انبیاؑ کی تعلیمات معدوم ہو جائیں۔ کسی طرح نبیؐ کی بات لوگوں تک نہ پہنچے۔ کسی طرح دین کو روکا جائے۔ تم بھی تجویزیں کرتے تھے ہم نے بھی تجویز کی کہ جو تم تجویز کرتے تھے۔ آج اُس کی سزا بھی بھگتو۔ تمہاری تجویز سے دین کا تو کچھ نہ بگڑا۔ نبوت کا تو کچھ نہ بگڑا۔ قرآن کو تو تم نہ بگاڑ سکے نہ روک سکے نہ تبدیل کر سکے لیکن ہماری تجویز یہ تھی کہ اب تم اس تجویز کی سزا بھی بھگتو: اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۔۔۔ کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی خفیہ باتیں اور سرگوشیاں اللہ کریم سن نہیں رہے؟ جو سازشیں اندر بیٹھ کر اور اندھیروں میں جمع ہو کر دین کے خلاف کرتے ہیں تو یہ انہیں غلط فہمی ہے کہ یہ کر رہے ہیں اور اللہ کو کوئی علم نہیں۔ فرمایا: بَلٰى ۔۔۔ کیوں نہیں! وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی سب باتیں) لکھ لیتے ہیں۔ منہ سے بات نکلی تو اور بات ہے جو تمہارے دل میں ہے ہم وہ بھی جانتے ہیں۔ جو تم آئندہ سوچو گے وہ بھی ہمارے علم میں ہے۔ جو تم کر چکے ہو وہ بھی ہمارے علم میں ہے اور یہ باتیں جو تمہارے لبوں سے نکلتی ہیں وہ تو ہمارے فرشتے تمہارے ساتھ ہیں وہ بھی لکھ لیتے ہیں۔ اللہ کا علم تو بے حد و بے حساب ہے۔ اُس کی شان کے لائق ہے۔ فرشتہ جو مخلوق ہے وہ بھی لکھ لیتا ہے۔ دیکھو تمہارا کچا چٹھا لکھا ہوا ہے۔ تم کیا سمجھتے تھے تم چھپ چھپ کر تدبیریں کر رہے ہو اُس کا علم کسی کو نہیں؟

اور تم کہتے ہو اللہ کا بیٹا ہے اور فلاں بھی اللہ کا شریک ہے اور حصہ دار ہے تو فرمایا گیا: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا ۔۔۔ اب فرما دیجیے کہ رحمٰن (اللہ) کے اگر اولاد ہو تو سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا میں ہوں۔ اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو میں اللہ کا نبیؐ اور اللہ کا رسولؐ ہوں سب سے پہلے میں اُس کی عبادت کرتا، سب سے پہلے اللہ مجھے خبر دیتے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ سب سے پہلے اللہ کی کتاب میں خبر آتی، اللہ کے نبیؐ کے پاس آتی کہ یہ میری اولاد ہے۔ اولاد مالک ہی کی مثال ہوتی ہے۔ اُس کا جزو ہوتی ہے۔ اللہ کا بیٹا ہوتا تو وہ بھی معبود ہوتا تو تم سب لوگوں سے پہلے میں اللہ کے بیٹے کی عبادت کرتا لیکن ایسی بات ہے نہیں: سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کے مالک (اور) عرش کے مالک (اللہ) اس سے پاک ہیں۔ پروردگار، بنانے والا، قائم رکھنے والا، پالنے والا، یعنی آسمان اور آسمانوں کی ساری مخلوق، زمین اور

زمین کی ساری مخلوق ، عرشِ علٰی اور عرشِ علٰی کی ساری ، مخلوق جو کچھ جہاں ہے وہ اُس سب کا پروردگار ، پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے لہٰذا اُس کی شان اس سے بلند ہے کہ کوئی اُس کی بیوی ہو یا کوئی اُس کا بیٹا ہو۔ یہ مخلوق کے اوصاف میں سے ہے ، وہ خالق ہے۔ یہ جو باتیں تم گھڑتے ہو وہ اسے بہت پاک ہے۔

اگر یہ اس بات پر اصرار کرتے ہیں تو: فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ۝٨٣ تو آپ ان کو اسی شغل اور کھیل میں رہنے دیجیے یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس سے جا ملیں۔ دنیا میں سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ کسی کو چھوڑ دیا جائے ، اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے کہ جو جی چاہتا ہے کرتا پھر۔ یہ بہت بڑی سزا ہے۔ اگر تو برائی سے باز نہیں آنا چاہتا کر کے دیکھ لے ، کرتا رہ۔ گویا اللہ اسے روزی تو دے رہا ہے ، پال تو رہا ہے لیکن الفت اور محبت کا تعلق ختم ہو گیا۔ نبیؐ کا دامن اُس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ فرمایا ، انہیں چھوڑ دیجیے ، کھیل کود میں لگے رہیں اور تماشے کرتے رہیں حتیٰ کہ جس دن کا وعدہ ہے وہاں پہنچ جائیں گے۔ خود بخود سمجھ آ جائے گی کہ کیا کیا اور کرنا کیا چاہیے تھا؟ موت آئی تو آنکھیں کُھل جائیں گی۔ قیامت ہو گی تو سب پتا چل جائے گا۔

فرمایا: وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝٨٤ اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی عبادت کے لائق ہے اور زمین میں بھی عبادت کے لائق ہے اور وہ بڑی حکمت والا بڑے علم والا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں وہ ایک واحد مستحق ہے عبادت کا۔ کوئی اُس کا شریک نہیں۔ ارض و سما میں ہر جگہ اسی کی شہنشاہی ہے۔ وہی مالک ہے۔ وہی پروردگار ہے اور وہی معبودِ برحق ہے: دانا تر ہے اور سب جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے ، اُس کی حکمت کا تقاضا ہے کس کو کہاں کیسا پیدا کرنا ہے۔ کس کو کون سے اوصاف دینے ہیں کس کو کس طرح سے رکھنا ہے ، کس کو کتنی مہلت دینی ہے۔ سب اُس کی حکمت کے کرشمے ہیں: وَتَبٰرَكَ الَّذِي لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۔۔۔ اور بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس کے لیے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے کی بادشاہت ہے۔ بہت برکت والی ، بہت عظیم ، بہت مبارک ذات ہے اُس کی! جس کی حکومت ، آسمانوں اور زمینوں اور ہر چیز پر ہے جو کچھ ارض و سما میں ہے۔ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔۔۔ اور اسی کو قیامت کی خبر ہے۔ صرف وہی جانتا ہے قیامت کب قائم ہو گی۔ کسی نے کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ جس نے پیدا نہیں کی اسے اس سے کیا مطلب کہ وہ ختم کب ہو گی؟ دنیا میں بھی ایک رواج ہے کہ جو چیز کوئی ایجاد کرتا ہے اُس کی گارنٹی بھی دیتا ہے تو یہ کیسے ہے کہ بنائے کوئی ، ایجاد کسی اور کی ہو۔ گارنٹی کوئی اور دے گا؟ جو ایجاد کرتا ہے وہ گارنٹی دیتا ہے۔ مخلوق کو جس نے تخلیق کیا ، گارنٹی بھی اُسی کی ہے تمہارا تو وہ حوصلہ ہی نہیں کہ تم اسے سمجھ سکو۔ لہٰذا یہ دنیا کب ختم ہو جائے گی یہ بتانا اُس کو سزاوار ہے۔ یہ اُس

کی عظمت کا تقاضا ہے۔ مخلوق اس بات کو ہضم نہیں کر سکتی۔ وہی جانتا ہے، قیامت کا علم اُسی کے پاس ہے۔ ہاں! یہ بات یقینی ہے وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴿۸۵﴾ اور اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ تم اس بات پر قائم رہو کہ تمہیں واپس اُس کی بارگاہ میں جانا ہے۔ اُس کی تیاری کرو۔ جو کام اُس کو سزاوار ہے اُن کی فکر نہ کرو جو کام تمہارے ذمہ ہے اُس کی فکر کرو۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ اللہ نے ساری مخلوق کی روزی اپنے ذمے لے لی، ہماری محنت سے روزی نہیں ملتی۔ ہم جو محنت کرتے ہیں اگر وہ جائز کرتے ہیں تو عبادت ہے۔ ناجائز کرتے ہیں تو گناہ ہے۔ روزی وہ دیتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو سارا دن مزدوری کرتے ہیں۔ شام کو روکھی سوکھی کھاتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو کچھ نہیں کرتے اور موج کرتے ہیں۔ رزق تو وہ خود بانٹتا ہے۔ فرمایا، جو کام اللہ نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ انسان سارا دن اس کی فکر میں تو لگا رہتا ہے جو اس کے ذمے تھا تعمیرِ آخرت وہ چھوڑ دیتا ہے۔ جو اللہ نے اپنے ذمے لیا اُس کی فکر میں مر رہا ہے اور جو اُس کے اپنے ذمے ہے اُس کا اسے کوئی فکر نہیں تو یاد رکھو تمہیں واپس اُس کی بارگاہ میں جانا ہے۔ اُس وقت کی تیاری کرو۔ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴿۸۶﴾

اور جن کو یہ اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہیں، وہ سفارش تک کا اختیار نہیں رکھتے مگر (ہاں) جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا تھا اور وہ (اس کی) تصدیق بھی کرتے تھے۔ یعنی اللہ کے نافرمان تو ایک دوسرے کی سفارش بھی نہیں کر سکیں گے۔ سفارش تو وہی کر سکتا ہے جس نے خود جرم نہ کیا ہو۔ جو خود مجرم ہو گا وہ اپنی سزا بھگتنے گا یا کسی دوسرے کی سفارش کرے گا۔ ہاں! وہ سفارش کریں گے جن کا کردار، صداقت کی گواہی دیتا رہا اور اللہ نے انہیں علم عطا فرمایا وہ ضرور سفارش کر سکیں گے۔ وہ ایک دوسرے کے حق میں بھلائی کی بات بھی کریں گے۔

یہ جو اللہ کی عبادت نہیں کرتے، اللہ کی اولاد بتاتے ہیں۔ دیوی دیوتا بتاتے ہیں۔ ان سے اگر پوچھا جائے: وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ ۔۔۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا فرمایا؟ یہ دیوی دیوتا بھی تو مخلوق ہیں یہ بُت بھی مخلوق ہیں۔ انسان بھی مخلوق ہیں تو ان کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴿۸۷﴾ تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ سو یہ لوگ کدھر پھرے جاتے ہیں۔ ان کی مجبوری ہے، یہ کہیں گے کہ اللہ ہے جس نے سب کو پیدا کیا۔ یہ عقل کی مجبوری ہے اُسے ایک طاقت ماننا پڑتی ہے۔ جب اللہ نے تمہیں پیدا کیا، رزق دیا، جان دی، اعضا و جوارح دیے، صحت دی تو پھر تم دوسرے کی اطاعت کہاں کرتے پھرتے ہو اللہ کی کیوں نہیں مانتے؟

## دنیا میں سب سے بڑی سزا:

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ "اے پروردگار! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے۔" یا اللہ! بڑی محنت کی، بڑا مجاہدہ کیا، بڑی کوشش کی۔ یہ مانتے ہی نہیں۔ یہ عجیب قوم ہے یہ بات سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ یہ نہیں مانتے۔ ارشاد ہوتا ہے فَاصْفَحْ عَنْهُمْ۔۔۔ سوان کی طرف سے منہ پھیر لیجیے میرے حبیب! جو آپ کی بات نہیں مانتے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اُن سے رُخِ انور پھیر لیجیے انہیں جانے دیجیے انہیں چھوڑ دیجیے، انہیں بھی دیکھ لینے دیجیے۔ اسی پر جہنم کا خلود اور ہمیشگی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم!) آپ ان سے رخِ انور پھیر لیجیے۔ جنہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے چھوڑ دیا باقی بچا کیا!

وَقُلْ سَلٰمٌ۔۔۔ اور کہیے سلام ہے (یعنی الگ ہو جائیے) آپ ان سے جھگڑا نہ کیجیے۔ اچھی طرح سے الگ ہو جائیے۔ یہاں سلام سے یہ مراد نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں کہیں 'السلام علیکم' کافر کو السلام علیکم کہنا صریحاً حرام ہے۔ یہاں سلام سے الگ ہوں سے مراد اچھے طریقے سے الگ ہو جانا ہے کہ اگر یہ نہیں مانتے یہی ان کا فیصلہ ہے تو آپ ان سے جھگڑا نہ کریں۔ دشمنی نہ بنائیں، آپ انہیں کہیں، ٹھیک ہے تم اپنا کام کرو۔ میں اپنا کرتا ہوں۔ آپ ان سے الگ ہو جائیے: فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ بہت جلدی انہیں سمجھ آ جائے گی کہ کرنا کیا تھا، کرتے کیا رہے! یہ کفر کی سزا ہے۔

اللہ کریم اس انجامِ بد سے بچائے۔ توبہ کی توفیق دے، گناہوں سے نجات عطا فرمائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامانِ رحمت نصیب فرمائے۔ قرآن ہمیں کفریہ عقائد و اعمال اور ان کے انجام سے متنبہ کرتا ہے کہ مسلمان ان رویوں سے بچیں۔ یہ ایسا زمانہ ہے کہ ہمارے عقائد اور اعمال میں بہت کمیاں اور کمزوریاں در آئی ہیں۔ جب دنیا کے معاملے میں کوئی کمزوری آتی ہے تو ہم کوشش کرتے ہیں، بھاگ دوڑ کرتے ہیں، محنت کرتے ہیں۔ دین کے معاملے میں بھی ہمیں بھاگ دوڑ کرنی چاہیے۔

# سورۃ الدخان رکوع 1 آیات 1 تا 29

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾
فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ
وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي
السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا
اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا
الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا
مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا
عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ
تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ
مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ
اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ
كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا

اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾

حٰمٓ۔ قسم ہے واضح کتاب کی! ﴿٢﴾ بے شک ہم نے اس کو ایک برکت والی رات
(شبِ قدر) میں نازل فرمایا ہے، بے شک ہم آگاہ فرمانے والے تھے ﴿٣﴾ اس
میں تمام حکمت کے کام طے کیے جاتے ہیں ﴿٤﴾ ہمارے ہاں سے حکم ہو کر
بے شک ہم ہی بھیجنے والے ہیں ﴿٥﴾ آپ کے پروردگار کی رحمت ہے (یعنی آپ
کو پیغمبر بنانے والے تھے) یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿٦﴾ آسمانوں اور
زمین کا پروردگار اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بشرطیکہ تم لوگ یقین کرنے والے
ہو ﴿٧﴾ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے (وہی) تمہارا
اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے ﴿٨﴾ بلکہ یہ لوگ شک میں کھیل رہے
ہیں ﴿٩﴾ سو آپ (ان کے لیے) اس دن کا انتظار کیجیے کہ آسمان کی طرف ایک
ظاہر دھواں پیدا ہو ﴿١٠﴾ جو ان سب لوگوں کو ڈھانک لے یہ درد دینے والا عذاب
ہے ﴿١١﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم اس سے مصیبت کو دور کر دے ہم ضرور
ایمان لائیں گے ﴿١٢﴾ ان کو اس وقت نصیحت کہاں فائدہ دے گی جبکہ ان کے
پاس پیغمبر آ چکے جو صاف صاف بیان فرما دیتے تھے ﴿١٣﴾ پھر انہوں نے اس سے
منہ پھیر لیا اور کہنے لگے یہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے ﴿١٤﴾ ہم تو تھوڑے دنوں عذاب
ٹال دیتے ہیں مگر تم پھر کفر کرنے لگتے ہو ﴿١٥﴾ جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں
گے اُس دن ہم پورا پورا بدلہ لیں گے ﴿١٦﴾ اور بے شک ہم نے ان سے پہلے
فرعون کی قوم کو آزمایا تھا اور ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے ﴿١٧﴾ کہ اللہ
کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کر دو بے شک میں تمہاری طرف (اللہ کا)
دیانت دار پیغمبر ہو کر آیا ہوں ﴿١٨﴾ اور یہ کہ تم اللہ سے سرکشی مت کرو بے شک
میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں ﴿١٩﴾ اور میں اس بات سے کہ تم مجھے
سنگسار کرو اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ چاہتا ہوں ﴿٢٠﴾ اور اگر تم لوگ مجھ
پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو ﴿٢١﴾ تب انہوں (موسیٰ علیہ السلام)

نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ بڑے نافرمان لوگ ہیں ﴿۲۲﴾ (ارشاد ہوا) تو میرے بندوں کو لے کر راتوں رات چلے جائیں یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا ﴿۲۳﴾ اور تم لوگ دریا کو اس کی حالت پہ (یعنی خشک) چھوڑ دینا یقیناً ان کا لشکر غرق کردیا جائے گا ﴿۲۴﴾ بہت کچھ چھوڑ گئے باغ اور چشمے ﴿۲۵﴾ اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات ﴿۲۶﴾ اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے ﴿۲۷﴾ اس طرح ہوا اور ہم نے دوسری قوم کو ان کا مالک بنادیا ﴿۲۸﴾ سو ان پر نہ تو آسمان رویا اور (نہ ہی) زمین اور نہ ان کو مہلت دی گئی ﴿۲۹﴾

# تفسیر و معارف

سورۂ دخان شروع ہوتی ہے۔ یہ اُن سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں دخان، دھوئیں کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں دخان کا تذکرہ آتا ہے۔

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ حٰمٓ۔ یہ حروف مقطعات ہیں۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ﴿۲﴾ قسم ہے واضح کتاب کی۔ قسم سے مراد ہے کہ جس کی قسم کھائی جارہی ہے وہ اس بات پر گواہ ہے۔ اس وجہ سے شریعت کا حکم ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھائی جائے۔ ماں باپ، اولاد وغیرہ کی قسم کھانا، حرام ہے ناجائز ہے۔ قسم صرف اللہ کی ہوگی جو ہر وقت، ہر بات پر گواہ ہے، شاہد عدل ہے۔ دیکھ رہا ہے، جانتا ہے۔ قسم ہے اس کتاب کی۔ یہ کتاب جو حقائق سے پُر ہے۔ زندگی کی ہر حقیقت کی نقاب کشائی کرتی ہے، یہ اس بات پر گواہ ہے کہ اس کتاب کو ہم نے بہت مبارک رات میں اتارا ہے۔ برکت والی رات میں نازل فرمایا ہے۔ فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ بے شک ہم نے اس کو برکت والی رات (شبِ قدر) میں نازل فرمایا ہے، بے شک ہم آگاہ فرمانے والے تھے۔ نزولِ کتاب کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اس دنیا میں ان کے اعمال کے نتائج سے آگاہ کردیا جائے۔ لوگ، بے خبری میں نہ مارے جائیں۔ لوگوں کو کھول کر بتادیا جائے کہ کن عقائد و اعمال سے ان کی آخرت سنورتی ہے اور کون سے ایسے عقائد و اعمال ہیں جن سے آخرت تباہ ہوتی ہے تاکہ لوگوں کی مکمل راہ نمائی ہو اور وہ اپنے لیے راہ عمل کا انتخاب کرسکیں۔ یہ کتنی خوش بختی کی بات ہے کہ بندے کو اس وقت یہ راہنمائی دے دی جائے جب وہ دنیا میں ہے اور عمل کرسکتا ہے۔ اس وقت اسے اس کے عقیدے اور عمل کے انجام سے مطلع کردیا جائے۔

## لیلۂ مبارکہ لیلۃ القدر ہے:

مفسرین کے نزدیک لیلۂ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے جو رمضان کے مہینے میں، آخری عشرے کی طاق راتوں میں آتی ہے۔ نصف شعبان کی رات جو شبِ براءت کے نام سے مشہور ہے اس کے بارے جو احادیث بیان کی جاتی ہیں ان روایات کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ علمائے کرام نے اس کے بارے فرمایا ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف روایات پر بھی عمل کر لینا درست ہے۔ ضعیف حدیث، احکام میں قبول نہیں کی جاتی عمل کی فضیلت میں اسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ بندہ ہر رات عبادت کرے لیکن اس رات زیادہ کرلے تو اچھی بات ہے۔ البتہ یہ طے ہے کہ نزولِ قرآن لیلۃ القدر میں ہوا اور احکامِ الٰہی کی تقسیم بھی لیلۃ القدر میں ہی ہوتی ہے۔ یہاں لیلۂ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے کیونکہ اس رات کی فضیلت میں نزولِ قرآن کا ذکر پہلے آیا ہے۔ اور قرآن میں دوسری جگہ بھی بڑا واضح آیا ہے کہ اللہ نے قرآن کریم کو رمضان میں نازل فرمایا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ:185) فرمایا، رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے: فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ اس میں تمام حکمت کے کام طے کیے جاتے ہیں۔ یعنی یہ اتنی مبارک رات ہے کہ اگلے سال کی اس رات تک جتنے فیصلے مخلوق میں نافذ ہونے ہیں ان کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ صحت، بیماری، رزق، عہدہ، موت زندگی یہ سب امور فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ پھر سارا سال ان پر عمل درآمد ہوتا رہتا ہے۔ اس رات میں ہر حکمت والا کام طے کر دیا جاتا ہے تو جتنے امرِ حکیم تھے ان میں سب سے اعلیٰ امرِ حکیم، نزولِ قرآن ہے۔ اللہ کے سارے فیصلے حکمت والے ہیں۔ ہر کام عظیم ہے لیکن سب کا جامع قرآن حکیم ہے۔ اس لیے بھی لیلۂ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہی ہے۔

## دورِ حاضر کی زبوں حالی:

شبِ براءت کے نام پر ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے؟ مشعلیں جلا کر لڑکے راتوں کو گھومتے ہیں۔ پٹاخے چلائے جاتے ہیں، حلوے تقسیم ہوتے ہیں۔ جس طرح غیر مسلموں کی رسمیں ہیں ویسی ہی رسمیں کی جاتی ہیں۔ جو صحیح اسلامی تہوار تھے وہ بھی ڈھول تماشے کی نذر ہو رہے ہیں اور باقی لوگوں نے خود گھڑ لیے ہیں اور غیر مسلموں کے انداز اپنائے جا رہے ہیں۔ ایک طرف کہتے ہیں حادثے میں اتنے افراد شہید ہو گئے۔ دوسری طرف کہتے ہیں ان کے لیے ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی۔ ادھر انہیں شہادت پر فائز کرتے ہیں ادھر کافروں کی طرح خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ ان کی یاد میں شمعیں روشن کی جاتی ہیں۔ یعنی آگ جلائی جاتی ہے۔ مسلمان تو فاتحہ پڑھتے ہیں! کافر شمعیں روشن کرتے ہیں یعنی آگ جلاتے ہیں۔

## ایک واقعہ، ایک مثال:

1963ء کی بات ہے میں ڈھلوال سکول میں پڑھاتا تھا۔ سکول کے ساتھ ایک مسجد تھی اس میں دیوبندیوں، بریلویوں کا جھگڑا رہتا تھا۔ اس مسجد کے صحن میں دو تین مزار بنے ہوئے تھے۔ بریلوی ان پر تیل کے دیئے جلاتے تھے اور دیوبندی انہیں بجھا دیتے تھے۔ ان کا مقابلہ چلتا رہتا تھا۔ ایک دن دونوں اپنا مقدمہ لے کر میرے پاس حل کروانے آ گئے۔ میں نے بریلوی حضرات سے پوچھا، جو بزرگ یہاں آرام فرما ہیں ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ان کا عقیدہ، نظریہ کیا تھا؟ کیا یہ اللہ کے نیک بندے تھے، انہیں اللہ نے جنت دی ہوگی؟ کہنے لگے بالکل! یہی امید ہے۔ میں نے کہا جن کے پاس جنت کی خوشبو، جنت کی روشنی ہے فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيمٍ (الواقعہ:89) ان کے پاس جنت کی خوشبو اور وہاں کی نعمتیں ہیں، وہاں ان کی قبر پر تارا میرا کے تیل کا بدبودار دیا جلانے کی کوئی ضرورت ہے؟ اگر خدانخواستہ بندہ جہنم میں ہے، اس کی قبر جہنم کا گڑھا ہے، آگ ہے تو اس پر مزید آگ جلانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے کہا یہ تیل اور دیئے مسجد کو دے دیں، مسجد میں روشنی ہوا کرے گی۔ نمازیوں کو آسانی رہے گی۔ اس پر اتفاق ہوگیا۔

کافر تو ایک منٹ کی خاموشی اختیار کرتا ہے۔ اس کے پاس اور کچھ ہے نہیں۔ مسلمان فاتحہ پڑھیں، کوئی سورت پڑھیں، اللہ کریم سے ان کے درجات کی بلندی کی دعا کریں۔ لیکن مسلمان کافروں کی طرح کے انداز کیوں اپنا رہے ہیں؟ فکر کا مقام ہے!

فرمایا، یہ ہمارا فیصلہ ہے، یہ ہماری طرف سے طے ہے: أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٥﴾ ہمارے ہاں سے حکم ہو کر۔ بے شک ہم ہی بھیجنے والے ہیں۔ یعنی اس رات میں جو احکام اور امور طے کر دیے جاتے ہیں یہ اللہ کے حکم سے ہوتے ہیں اور وہی انہیں بھیجتے ہیں۔ اور قرآنِ حکیم کے نزول کا مقصد بھی لوگوں کو اچھے برے کاموں کے نتائج سے آگاہ کرنا تھا۔ اسی طرح یہ فیصلہ بھی اللہ کریم کا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری نبی و رسول بنا کر بھیجتے۔ فرمایا، ہم ہی انبیاؑ کو بھیجنے والے ہیں۔ نبوت ہماری عطا ہے اور یہ ہمارا فیصلہ ہے کہ ہم کس کو نبیؑ بناتے ہیں۔ کس کو رسولؑ بناتے ہیں۔ کس کے ذریعے کتاب پہنچاتے ہیں۔ اے انسان! یہ بعثتِ انبیاؑ اور نزولِ کتاب تیرے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی رحمت ہے۔ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦﴾ آپ کے پروردگار کی رحمت ہے (یعنی آپ کو پیغمبر بنانے والے تھے) یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ کریم نے اس آیۂ مبارکہ میں اپنی صفتِ ربوبیت کا ذکر فرمایا کہ یہ آپ کے ربّ کی رحمت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

مبعوث ہونا اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔ اللہ ہی زمینوں آسمانوں کی ساری مخلوقات کی ساری ضروریات پوری کرنے والا ہے اسی نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو آخری نبی ورسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرما کر قیامت تک کی ساری انسانیت اور تمام مخلوقات کے لیے رحمۃ للعالمین بنا دیا۔

اللہ کریم نے، سب کے پالنے والے نے انسان کو ماڈی دنیا میں بھیجا۔ دنیا، ماڈی نعمتوں سے دنیا کو سجا دیا۔ انسان کو ماڈی وجود دیا۔ اس میں دماغ جیسی نعمت دی جو سمجھتا ہے کہ مفید کیا ہے، مضر کیا ہے، عزت کس میں ہے، بے عزتی کس میں ہے؟ اگر کسی کا دماغ درست نہ رہے تو پھر اسے کیا پتا چلتا ہے کہ وہ میٹھا کھا رہا ہے یا کڑوا۔ اچھی بات کہہ رہا ہے یا بُری۔ لباس ہے یا نہیں؟

اُسی پروردگار نے انسانی وجود میں روح ودیعت فرمائی۔ بدنِ انسانی کی طرح روح کا بھی اپنا عالم ہے۔ روح کی بھی ضرورتیں ہیں۔ غذا، دوا، صحت و بیماری ہے۔ جس طرح بدن کے لیے دماغ ہے اسی طرح روح کے لیے لطیفہ قلب ہے۔ جسے انگریزی میں SUBTLE HEART کہتے ہیں یعنی انتہائی لطیف اور نازک نکتہ۔

جس پروردگار نے دماغ دیا تھا، شعور دیا تھا، اس کے قوٰی دیے تھے، انہیں قوتِ کار دی تھی اسی ربّ کی ذمہ داری ہے کہ روح کے جہان کو بھی منکشف کرتا۔ روح کی بھی تربیت فرماتا۔ چنانچہ اس نے انبیاؑ مبعوث فرمائے اور روحانی زندگی کا سبب بنا دیا۔ یہ سارے اس پروردگار کی رحمت کے مظاہر ہیں جس نے ماڈی دنیا کی ماڈی زندگی کے لیے بے پناہ نعمتیں عطا فرمائیں اور روحانی زندگی کے لیے اس سے کروڑوں درجہ اعلیٰ نعمتیں عطا فرمادیں۔ ماڈی حیات کے لیے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیا:30) اور ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جاندار چیز بنائی۔ ماڈی حیات کے لیے پانی کو بنیاد بنا دیا وہاں روح کی حیات کے لیے نبوت کے ابرِ رحمت کو باعثِ حیات بنا دیا۔ انسانی زندگی تو یہ ہے کہ دماغ بھی سلامت ہو اور زندگی گزرے اور دونوں مل کر اچھے انجام کو پہنچیں۔

وہ ربّ دو جہاں ہے۔ سب کا پالنہار ہے۔ اگر صرف بدن کی ضرورتیں پوری کرتا، روح کو چھوڑ دیتا تو پالنہار کیسا؟ چنانچہ اس نے جہاں بدن کے لیے اہتمام کیا۔ بینائی دی، گویائی دی، سماعت دی، عقل وشعور دیا۔ حواسِ ظاہری دیے اسی نے روح کی حیات کے لیے لطائف ربانی دیے۔ انبیاؑ کو قوتِ قلوب دے کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔ انبیائے کرامؑ نے انسان کی ماڈی زندگی کے بہترین اسلوب سکھائے اور روحانی زندگی کے سارے لوازمات بتا دیے۔ انسان کو بتا دیا کہ تیری روحانی زندگی کا مدار اسی دنیا کی تیری ماڈی زندگی پر ہے۔ جیسے بعض چیزیں کھانے سے تُو مر سکتا ہے۔ اسی طرح حرام کھانے سے تیری روح مر جائے گی۔ جھوٹ بولنے سے روح کو نقصان پہنچے گا۔ ربّ العالمین نے بدن اور روح، دونوں کی زندگی کے پورے پورے اسباب عطا فرما دیے۔ زمین پر سورج روشن کر دیا کائنات کو روشن

کرتا رہے گا۔ اُدھر نورِ نبوت کے سورج امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلّم کو رحمۃ للعالمین مبعوث فرما دیا۔ ابدالآباد روح کو حیات پہنچاتے رہیں گے۔

## یقین لانے والوں کے لیے یہ دلائل کافی ہیں:

فرمایا: رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا‌ ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ۝ آسمانوں اور زمین کا پروردگار اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ بشرطیکہ تم لوگ یقین کرنے والے ہو۔

زمینوں، آسمانوں میں جو کچھ ہے۔ ہر ذرّے کی ضرورت پوری کرنا، یہ اس کی شان ہے۔ ساری مخلوق اسی کی ہے۔ وہ واحد مالک ہے، خالق ہے، ہر چیز کا پالنہار ہے۔ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت، ہر جگہ صرف وہی پوری کر رہا ہے۔ کائنات میں اس کی توحید کے دلائل یقین لانے والوں کے لیے کافی ہیں۔ تم یقین لانے والے بنو!

## فاعلِ حقیقی:

کائنات میں ہر سُو اسباب بکھرے ہوئے ہیں۔ اللہ نے دنیا کو عالمِ اسباب بنایا ہے اور ہر کام کسی سبب کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ فاعلِ حقیقی اللہ ربّ العزت ہیں۔ ہر سبب کے پیچھے اللہ کا دستِ قدرت کارفرما ہوتا ہے۔ اللہ کریم سبب بھی خود پیدا فرماتے ہیں، نتیجہ بھی خود پیدا فرماتے ہیں لیکن وہ سبب ہمارے اور اللہ کے درمیان ایک پردہ ہے۔ اگر ہم اسی سبب کو فاعلِ حقیقی سمجھ لیں تو گمراہ ہو جائیں گے اور یہ یقین ہو کہ سبب بھی اللہ نے بنایا اور اس کا نتیجہ بھی اللہ نے نکالا، بندے کا کام سبب اختیار کر کے حکمِ الٰہی کی تعمیل کرنا ہے۔ تو پھر بات درست رہتی ہے۔

حضرت عبدالقادر رائے پوری بہت بڑا نام ہے۔ فرماتے ہیں، میں نے بہت سوچا، کہ اس عالمِ دنیا میں ہر کام کسی سبب کے نتیجے میں ہوتا ہے اور سبب بھی اللہ کریم خود پیدا فرماتے ہیں تو اللہ کریم خود براہ راست کام کر دیتے، سبب کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے بہت سوچا۔ بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ مخلوق تجلیاتِ باری کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر اسباب کا حجاب نہ ہوتا تو ہر شئے فنا ہو جاتی۔ اگر جمالِ باری براہ راست سامنے ہوتا تو یہ فانی کائنات برداشت نہ کر سکتی۔ دنیا ختم ہو جاتی اس لیے ربِ کریم نے اسباب کا حجاب اختیار فرمایا۔ بات ہے بندے کے یقین کی کہ وہ فاعلِ حقیقی کو پہچان لے اور اسباب کو اس کا حکم سمجھ کر اختیار کرے اور اللہ کی اطاعت کا فریضہ انجام دے۔ بات یقین کی ہے!

## ایک مثال:

محکمہ تعلیم کے ایک افسر ہوا کرتے تھے ہمارے سکولوں کی کارکردگی دیکھنے اور دیگر قواعد وضوابط کے معائنہ کے لیے آیا کرتے تھے۔ چکوال کے تھے۔ میں کسی کام سے چکوال گیا۔ وہاں اعلان ہو رہا تھا قادیانیوں کے خلاف

جلسہ ہو رہا ہے۔ میں ان سے ملنے گیا تو میں نے ویسے ہی پوچھ لیا کہ شاہ جی! سنا ہے بڑا جلسہ ہو رہا ہے، علما آئے ہوئے ہیں آپ تقریر سننے، جلسہ میں جائیں گے؟ انہوں نے مسکرا کر کہا، میں تو نہیں جا رہا! میں نے دہرا کر کہا اتنا بڑا جلسہ، اتنے علما اور موضوع قادیانیت ہے؟ کہنے لگے، بات یہ ہے کہ مرزا نبی ہو سکتا ہے۔ **(اے وچلا نئیں منندا)** یہ بات دل ہی نہیں مانتا تو تقریر سن کر، جلسہ دیکھ کر کیا کرنا؟ جو اندر ہے وہ یہ مانتا ہی نہیں کہ مرزا قادیانی نبی ہو سکتا ہے تو پھر جلسے میں کیوں جاؤں؟

قرآنِ حکیم بھی یہی بات پوچھ رہا ہے **تہاڈا وچلا منندا؟** تمہارا دل اس بات پر قائم ہے، تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ اللہ ہی ربّ ہے؟ تمہارے یقین نہ کرنے سے اس کی ربوبیت میں فرق نہیں آئے گا، نقصان تمہارا ہوگا، یقین نصیب نہ ہوا تو مارے جاؤ گے! اس لیے کہ: لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔۔۔ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کوئی کسی کا فریادرس نہیں، مشکل کشا نہیں، کسی کا کوئی رازق نہیں، کوئی کسی کو کچھ دینے والا نہیں ہے۔ وہ اکیلا، وحدہٗ لاشریک معبودِ برحق ہے۔ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ۔۔۔ (وہی) زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہی پیدا فرماتا ہے وہی موت دیتا ہے۔ جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں، فنا ہوتی ہیں وہ کسی کو کیا دیں گی۔ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے امیدیں وابستہ نہ کرو۔ یہ فانی مخلوق ہے۔ جس نے اسے پیدا کیا ہے، جو اسے فنا کرتا ہے اس کی بارگاہ میں پہنچو۔ رَبُّکُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸﴾ (وہی) تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ ازل سے وہی خالق ہے وہی مالک ہے، وہی قائم رکھنے والا ہے وہی پرورش کرنے والا ہے۔ تم سے پہلوں کا ربّ بھی وہی ہے اور تمہارا بھی وہی پالنہار ہے۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہی تعلیمات تھیں جواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں لیکن: بَلۡ ھُمۡ فِیۡ شَکٍّ یَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۹﴾ بلکہ یہ لوگ شک میں کھیل رہے ہیں۔ انہیں، ان حقائق میں شک ہے۔ یہ ان حقائق میں شک کرتے ہیں جو روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ یہ زندگی کو محض کھیل کی طرح تماشا سمجھ رہے ہیں۔ صرف اسی میں خوش ہیں کہ کھایا پیا، سو گئے۔ یہ زندگی کھیل نہیں ہے یہ تعمیرِ آخرت کے لیے ہے۔ اس کے ہر نظریے، ہر عمل پر ایک حقیقت تعمیر ہوتی ہے۔ بھلائی کی یا برائی کی۔ لیکن ان لوگوں نے تو اسے شک کی نذر کر دیا اور خسارے میں چلے گئے کیوں کہ یہ اسی شک میں کھیل رہے ہیں۔ فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۰﴾ سو آپ (ان کے لیے) اس دن کا انتظار کیجیے کہ آسمان کی طرف ایک ظاہر دھواں پیدا ہو۔ یَّغۡشَی النَّاسَ ؕ ھٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ جو ان سب کو ڈھانک لے۔ یہ درد دینے والا عذاب ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لیے انتظار کیجیے۔ ایک وقت آئے گا جب آسمان نظر نہیں آئے گا، دھواں ہی دھواں نظر آئے گا۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ قیامت کو اس طرح کا دھواں آسمان سے اترے گا کہ کفار

کے ہر مسام تک پہنچ جائے گا، بدن کے ہر مسام سے باہر نکلے گا۔ اور مومن کے لیے ایک طرح کا زکام پیدا کردے گا۔

## دخان کی تفصیل:

اس آیۂ کریمہ میں دخان یعنی دھواں کا جو ذکر ہوا ہے اس کے بارے مفسرین کی آراء یہ ہیں۔

اہلِ مکہ کی ایذائیں، نافرمانیاں، گستاخیاں حد سے بڑھ گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بددعا سے بارشیں رک گئیں، قحط پڑ گیا۔ اوپر دیکھتے تھے تو آسمان نظر نہیں آتا تھا۔ گرد وغبار کا دھواں تھا یا بھوک وافلاس سے نظر ایسی ہوگئی کہ ہر طرف دھواں ہی دکھائی دیتا تھا۔ پھر کفار مدینہ منورہ آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے دعا کروائی۔ وعدہ کیا کہ قحط دور ہوجائے تو ہم ایمان لے آئیں گے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعا سے قحط دور ہوگیا تو پھر مکر گئے اور مقابلے پر مزید اکڑ گئے۔ دوسری بات خود قرآن نے یہاں بتادی کہ قیامت میں آسمان دھواں دھواں ہوجائے گا لوگوں (کفار) کو ڈھانک لے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔

اس دن کا فر پکار اٹھے گا: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿۱۲﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس مصیبت کو دور کردے ہم ضرور ایمان لائیں گے۔

وہ لوگ جنہوں نے زندگی بھر انبیاؑ کے پیغام کو کوئی اہمیت نہ دی۔ ساری عمر ربّ کو پکارے بغیر گزار دی اس دن وہ کہیں گے اے ہمارے ربّ! تو ہی ہمارا ربّ ہے تو ہی نجات دے سکتا ہے۔ ہم مانیں گے۔ کسی طرح یہ عذاب ہٹادے۔ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۱۳﴾ ان کو اس وقت نصیحت کہاں فائدہ دے گی جبکہ ان کے پاس پیغمبر آچکے جو صاف صاف بیان فرمادیتے تھے۔ اب ایمان لانے کا موقع تم ضائع کر چکے ہو۔

دنیا کی زندگی ہر فرد وبشر کے لیے ایک ہی سنہری موقع ہے۔ جیسے کھیل میں ایک مرتبہ ہی گولڈن چانس ملتا ہے۔ اسی پر ہار جیت کا انحصار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ زندگی ایک ہی بار ملتی ہے۔ گولڈن چانس ایک ہی دفعہ کا ہے کسی نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھالیا تو جیت گیا ورنہ آخرت میں سب کچھ دیکھ لے گا تو کہے گا میں اب ایمان لاتا ہوں لیکن تب اس اقرار کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ فائدہ حاصل کرنے کا موقع تب تھا جب اللہ کے پیغمبر آچکے اور کھول کھول کر حقائق بتاچکے۔ اب تو ہر شئے سامنے ہے اب ماننے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔

میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہر بات واضح کرکے بتادی۔ میں نے ان میں، ہر راز کھول دینے والا، ہر حکمت بتانے والا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھیجا۔ دنیا بھر میں لوگ دور دراز تک بستے ہیں۔ ان کی شکلیں مختلف، زبانیں مختلف، غذائیں مختلف، بیماریاں اور دوائیں مختلف ہیں۔ ہر جگہ کی اپنی ضرورتیں، اپنے موسم، اپنی بیماریاں

صحت، اپنا کاروبار کا نظام ہے جو ہر جگہ کا مختلف ہے۔ یہ شان صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہے کہ وہ قانون پیش کیا، وہ نظام دیا جو ساری کائنات کے ہر فرد و بشر کے لیے ہر جگہ قابل عمل اور یکساں مفید تھے۔ آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے جب یہ جدید ذرائع آمدورفت نہیں تھے۔ تیز رفتار وسائل نہیں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شریعت نے زندگی کے ہر سوال کا جواب دیا اور زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ جتنی تبدیلیاں آتی جائیں گی، ہر سوال کا جواب وہی رہے گا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ دنیا میں یہ لوگ کیا کرتے تھے؟ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ پھر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے، یہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔ دنیا میں یہ اس رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی کرتے تھے جسے اللہ نے رسول مبین فرمایا۔ ہر بات کو واضح کر دینے والا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم!

دنیا میں تکلیفیں آئیں ہم نے ان پر سے عذاب اٹھا لیا تو مکر گئے۔ اس عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتانے پر یقین نہ کیا، ایمان نہ لائے تو عذاب ٹل جانے پر بھی کیا ایمان لائیں گے؟۔ اس روش سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔ دنیا میں دکھ تکلیف آئے تو ڈرنا چاہیے، توبہ کر لینی چاہیے۔ لیکن دیکھا جا سکتا ہے کہ دنیا میں جب مسلمانوں پر کوئی تکلیف آتی ہے، بیمار پڑ جاتے ہیں تو پھر خیرات کرتے ہیں۔ قرآن کے ختم پڑھواتے ہیں، قبروں پر غلاف چڑھاتے ہیں۔ زندہ لوگ لباس کو ترستے ہیں اور یہ قبروں کو چادریں پہناتے ہیں۔ جب مصیبت ہٹ جائے تو پھر ویسے کے ویسے ہو جاتے ہیں۔ اللہ کریم اس روّیے کی نفی فرما رہے ہیں۔ یہ کفار کی روش ہے کہ جب مصیبت دیکھی نبی علیہ السلام سے دعا کروا لی جب مصیبت ہٹ گئی تو نبی علیہ السلام کی گستاخی شروع کر دی۔ اللہ کے پیغام کو پرکاہ اہمیت نہ دی۔

فرمایا: اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ ہم تو تھوڑے دنوں عذاب ٹال دیتے ہیں مگر تم پھر کفر کرنے لگتے ہو۔ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے اس دن ہم پورا پورا بدلہ لیں گے۔

ایک دن آ رہا ہے جب عارضی پکڑ نہیں ہوگی، چھوٹی موٹی بیماریاں نہیں ہوں گی۔ تھوڑے دنوں کی قحط سالی نہیں ہوگی بلکہ بہت بڑی گرفت ہوگی۔ پھر وہ عذاب اٹھائے نہیں جائیں گے بلکہ ہر ایک کو اس کے کردار کا بدلہ دیا جائے گا۔ جس نے جو کیا تھا اُسے وہ بھگتنا ہوگا۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے عذاب، سبق حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں جس دن وہ بڑی گرفت آئے گی پھر کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ اپنے کیے کا انجام بھگتنا ہوگا۔ دنیا میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ فرمایا: وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اور

بے شک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا تھا اور ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے تم سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کو آزمایا۔ ان کے پاس اپنا بہت محبت کرنے والا، ہمدردی کرنے والا، بھلائی چاہنے والا کریم رسول بھیجا۔ اللہ کے نبی کتنے کریم ہوتے ہیں کہ بندہ کفر میں غرق ہے، اللہ کی نافرمانی کر رہا ہے اور وہؐ چاہتے ہیں کہ اسے کفر و شرک کی غلاظت سے نکال کر صاف ستھرا کر کے اپنے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں کھڑا کر دیں۔ نبیؐ نیکیوں کے لیے ہی نہیں آتے بلکہ ہر گنہگار، بدکار کو اللہ کے در رحمت کی طرف ہدایت فرمانے کے لیے آتے ہیں۔ ہم نے بنی اسرائیل میں اپنا کریم رسول بھیجا۔ آپؑ نے آواز لگائی: اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾ کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کر دو بے شک میں تمہاری طرف (اللہ کا) دیانتدار پیغمبر ہو کر آیا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا، بنی اسرائیل پر ظلم توڑنا بند کرو۔ یہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ انہیں میرے سپرد کر دو میں ان کے لیے خود اہتمام کروں گا۔ اللہ کا دیا ہوا نظام حیات ہے اس میں ان سب کے لیے بہتری ہے۔ تم ان سے بیگار لینا اور ان پر ظلم کرنا بند کرو۔ میں تم سب کے لیے اللہ کا پیغمبرؑ ہوں۔ اللہ کی عظمت کو قبول کرو۔ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْٓ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾ اور یہ کہ تم اللہ سے سرکشی مت کرو بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں۔ اللہ کے سامنے مت اکڑو، سرکشی نہ کرو۔ تم مخلوق ہو کر خالق کے سامنے کیا جرأت کر رہے ہو، کیوں اپنی تباہی کو دعوت دے رہے ہو؟ میں تمہارے ساتھ دلیل سے بات کرتا ہوں تم اکڑ کر جواب دیتے ہو کہ ہم پتھر مار مار کر سنگسار کر دیں گے۔ لیکن تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ اور میں اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ چاہتا ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارا رب بھی وہی ہے جو میرا ہے۔ میں اس پروردگار کی پناہ پکڑتا ہوں۔ تمہارے بازو میں جو طاقت ہے اور صلح کی جو قوت ہے اسی کی دی ہوئی ہے وہ تمہیں یہ توفیق ہی نہیں دے گا کہ تم میرا کچھ بگاڑ سکو۔ اور اگر تمہیں ضد ہے کہ ایمان نہیں لانا تو میرے درپے مت ہو۔ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لانا چاہتے تو مجھ سے الگ ہی رہو۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں جانوں، اللہ کی مخلوق جانے۔ میرا راستہ چھوڑ دو۔

آج بھی ہر بدکار جانتا ہے کہ وہ خلاف شریعت کر رہا ہے لیکن اس کے جواز کا فتویٰ لینا چاہتا ہے کہ جو وہ کر رہا ہے یہ شریعت ہے، یہ صحیح ہے۔ جب خود غلط کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے ہی درست سمجھتا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ جھوٹے فتوے خریدے جاتے ہیں۔ گناہ کی یہ مصیبت ہے اور انہوں نے بھی یہی کیا تو اللہ کے

پیغمبرؑ نے فرمایا، تم کفر پر قائم ہو، توحید سے روکتے ہو۔ خود غلطی پر ہو اور دوسروں کو اللہ کی بات سے روکتے ہو۔ خود نہیں ماننا چاہتے تو پھر راستے سے ہٹ جاؤ۔ جو مانتا ہے، اسے ماننے دو۔ مگر وہ نہ مانے پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا: فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ تب انہوں (موسیٰ علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔ یا اللہ! یہ من حیث القوم بدکار ہو گئے ہیں۔ برائی ان میں رچ بس گئی ہے ان کی نس نس میں سما گئی ہے۔ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ (ارشاد ہوا) تو میرے بندوں کو لے کر راتوں رات چلے جائیں یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ اللہ کریم کی طرف سے جواب آ گیا کہ آپ ان سے الگ ہو جائیں۔

## نبیؑ سے الگ ہو جانے کا انجام:

جو نبیؑ سے الگ کر دیا گیا۔ جو اپنے فیصلوں سے نبیؑ سے الگ ہوا۔ جس نے نبیؑ کو اتنا تنگ کیا کہ ربّ العالمین نے اپنے نبیؑ سے فرما دیا کہ آپؐ ان سے الگ ہو جائیں۔ ان کے پاس خیر کا کوئی ذرہ بھی نہ بچا۔ نبیؑ کی نافرمانی کا انجام حسرت کی موت تھی۔

اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، آپ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جائیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ نے انہیں اپنے بندے فرمایا جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور فرمایا کہ فرعونی آپ کا پیچھا کریں گے۔ انہیں آنے دیں۔ اس بات سے مت گھبرائیں۔ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ اور تم لوگ دریا کو اس کی حالت پر (یعنی خشک) چھوڑ دینا یقیناً ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گا۔

فرمایا، ہم آپؐ کے لیے سمندر میں خشک راستے بنا دیں گے لیکن جب آپؐ پار ہو جائیں تو یہ خواہش نہ کیجیے کہ راستے بند ہو جائیں اور فرعونی پیچھے نہ آئیں۔ انہیں پیچھے آنے دیجیے۔ اس کا مطلب ہے نبیؑ کی سوچ بھی دعا ہے۔ ہم بھی جو خواہش کرتے ہیں زبان سے نہ بھی کہیں تو دلوں کا حال وہ جاننے والا ہے۔ ہمیں اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ زبان پر کیا ہے اور دل میں کیا ہے۔ اصل دعا وہی ہوتی ہے جو دل میں ہوتی ہے۔ فرمایا، یہ پورا لشکر جب اندر آ جائے گا تو پانی از خود مل جائے گا۔ یہ غرق ہو جائیں گے۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہوا: فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ (الشعرآ:63) وہ (سمندر) پھٹ گیا سو ہر ایک ٹکڑا یوں لگتا تھا گویا ایک بڑا پہاڑ (ہے) پانی اس طرح پھٹا کہ بڑے بڑے تودے بن گئے اور درمیان میں خشک راستے۔ اللہ کریم نے اپنی قدرت سے سمندر کا کیچڑ بھی خشک کر دیا۔ خشک راستے بن گئے اور بنی اسرائیل اس پر سے گزر گئے۔ وہی ہوا جو اللہ نے فرما دیا تھا۔

فرعونی پیچھے آئے۔ خشک راستہ پر چلے تو حکم الٰہی نے آن پکڑا۔ سمندر کا پانی مل گیا اور وہ غرق ہو گئے۔ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ بہت کچھ چھوڑ گئے باغ اور چشمے۔ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات۔ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے۔ اللہ کے نبیؑ کی نافرمانی کا انجام یہ ہوا کہ سب کچھ چھوڑ کر حسرت کی موت نصیب ہوئی۔ یہ انجام ہر اس شخص کا ہوتا ہے جو نبیؑ کی نافرمانی میں زندگی گزار دیتا ہے۔ مرتے وقت ان سب چیزوں کو چھوڑنے کی حسرت لیے جاتا ہے جن کے پیچھے لگ کر نبیؑ کا راستہ چھوڑا۔

جس نے دنیا کی زندگی میں آخرت کی تعمیر کی اسے کوئی حسرت نہیں ہوتی کیونکہ اسے دنیا کی نسبت اخروی نعمتیں نصیب ہو رہی ہوتی ہیں۔ اخروی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ارب گنا بہتر نعمتیں ہیں اور دائمی ہیں۔ جس کے چند روپے ضائع ہو جائیں اور کئی ارب روپیہ مل جائے وہ ان چند روپوں کا افسوس کیا کرے گا؟ اور جس کے پاس ہوں ہی چند اور وہ بھی موت کے ساتھ چھن جائیں، آگے کی سزائیں نظر آ رہی ہوں تو اس کے لیے کتنا حسرت کا وقت ہوتا ہے! اللہ پناہ دیں۔

فرعونیوں کے پاس کس قدر مال و دولت، سونے چاندی جواہرات کے خزانے، سونا اگلتی کھیتیاں، محلات کے عیش و آرام کیا کچھ تھا۔ اللہ کے نبیؑ کی نافرمانی کر کے غرقِ آب ہو گئے۔ اللہ کے عذاب میں جا داخل ہوئے۔ ارشاد باری ہے: اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (نوحؑ:25) غرق تو پانی میں ہوئے اور داخل آگ میں ہوئے۔ پانی میں غرق ہوئے لیکن آگ میں داخل ہوئے۔ اور یہ: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (غافر:46) آگ کہ (برزخ میں) صبح اور شام اس کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ غرقِ آب ہونے سے لے کر قیامت تک صبح و شام تازہ آگ فرعون اور آلِ فرعون پر بھیجی جاتی ہے۔ یہ ابھی برزخ کا عذاب ہے۔ قیامِ قیامت کو ابدالآباد کے عذاب میں داخل ہوں گے۔

ایسا ہی ہوتا ہے۔ جو پودا لگایا جائے ایک دن پھل لے آتا ہے۔ کفر و شرک کا پودا، برائی کا پودا ایسا ہی پھل لاتا ہے۔ فرمایا: كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ اسی طرح ہوا اور ہم نے دوسری قوم کو ان کا مالک بنا دیا۔ جس قوم کو انہوں نے غلام بنا رکھا تھا جنہیں یہ انسانی درجہ دینے کو تیار نہیں تھے ان کو ان محلات، خزانوں اور نعمتوں کا مالک بنا دیا۔ ان پر اتنی بڑی تباہی آئی لیکن: فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ سو ان پر نہ تو آسمان رویا اور (نہ ہی) زمین اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔ اتنا بڑا شہنشاہ، اس کے جرنیل، لشکر، درباری سب

کچھ غرق ہو گیا اور آسمان رویا نہ زمین۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے جانے سے اللہ کی کائنات پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ کچھ نہیں رکا۔ وہی سورج طلوع ہوتا رہا ہے، وہی ہوائیں چلتی رہی ہیں، وہی بادل برس رہے ہیں۔ کھیتیاں اُگ رہی ہیں۔ نظام کائنات رواں دواں ہے۔

ارض وسما بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ ہر مخلوق میں اپنی حیثیت اور انداز کے مطابق شعور ہے۔ ہر مخلوق اللہ سے اپنے طریقے سے بات کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ جب اللہ کا کوئی نیک بندہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو زمین بھی اس پر روتی ہے، جس پر وہ عبادت کیا کرتا تھا۔ آسمان بھی روتا ہے کہ اس سے گزر کر اس کی عبادات بارگاہِ الٰہی میں پہنچتی تھیں۔

اور ظالموں پر جب اللہ کی گرفت آتی ہے تو پھر سوچنے کا موقع گزر جاتا ہے۔ اللہ کی پکڑ آجائے تو مہلت نہیں ملتی۔ یکدم ہر چیز تباہ ہو جاتی ہے۔

اللہ کریم اپنی گرفت سے معاف فرمائے۔ اپنے عذابوں سے محفوظ رکھے۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ نیکی پر قائم رکھے، نیکی پر موت آئے، نیک انجام ہو۔

# سورۃ الدخان رکوع 2 آیات 30 تا 42

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ
كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٣٢﴾
وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ
إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوا بِاٰبَآئِنَآ إِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ
أَهْلَكْنٰهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَا لٰعِبِينَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ
يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا
وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی ﴿۳۰﴾ فرعون
سے کہ واقعی وہ بڑا سرکش (اور) حد سے نکل جانے والا تھا ﴿۳۱﴾ اور بے شک ہم
نے ان (بنی اسرائیل) کو اپنے علم سے تمام جہان والوں سے پسند فرمایا ﴿۳۲﴾
اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی ﴿۳۳﴾ بلاشبہ یہ
لوگ کہتے ہیں ﴿۳۴﴾ کہ ہمیں صرف پہلی دفعہ مرنا ہے اور پھر اٹھنا نہیں ﴿۳۵﴾
اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر کے) لاؤ ﴿۳۶﴾ کیا یہ
(شان وشوکت میں) بہتر ہیں یا تبع (شاہِ یمن) کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے
گزر چکی ہیں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ نافرمان تھے ﴿۳۷﴾ اور ہم نے

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس کو محض کھیلتے ہوئے نہیں بنایا ﴿۳۸﴾
ہم نے ان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۳۹﴾
بے شک فیصلے کا دن ان سب کا وقتِ مقررہ ہے ﴿۴۰﴾ جس دن کوئی دوست کسی
دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کو مدد ملے گی ﴿۴۱﴾ مگر جس پر اللہ رحم
فرمائیں بے شک وہ زبردست ہیں مہربان ہیں ﴿۴۲﴾

# تفسیر و معارف

اللہ کریم نے ہر متکبر و سرکش کو بھی دنیا میں مہلت دی، زندگی کی فرصت دی، توبہ کے مواقع دیے لیکن ان لوگوں نے اپنی سرکشی میں آ کر ضد اور عناد سے انبیاؑ کا انکار کیا۔ جب ان کی مہلتِ عمل ختم ہوئی تو اللہ کی گرفت میں آ گئے۔ فرعون کو ہی دیکھ لو! کس طرح اپنے انجام کو پہنچا۔

اللہ کریم نے بنی اسرائیل کو اس کے ظلم سے نجات بخشی اور عزت عطا فرمائی۔ ارشاد ہے: وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۳۰﴾ اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی۔ فرمایا، اس قدر دنیوی طاقت کا مالک، فوج، لاؤلشکر، خزانے رکھنے والا ظالم، جابر اور متکبر، اس کے سامنے بنی اسرائیل کی حیثیت ایک چیونٹی سے بھی کم تھی۔ ہم نے انہیں نہ صرف اس کے ظلم سے چھڑایا بلکہ بنی اسرائیل کو اس کے مال و منال، حکومت و سلطنت کا وارث بنا دیا۔ مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۱﴾ فرعون سے کہ واقعی وہ بڑا سرکش (اور) حد سے نکل جانے والا تھا۔

## انعامات ہی آزمائش بھی ہوتے ہیں:

فرمایا: وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۳۲﴾ اور بے شک ہم نے (بنی اسرائیل کو اپنے علم سے تمام جہان والوں سے پسند فرمایا۔ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿۳۳﴾ اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی۔

فرمایا، ہم نے اس عہد کے لوگوں میں انہیں منتخب کر لیا۔ ان میں اپنا ایسا نبی و رسول علیہ السلام بھیجا جسے شرفِ ہمکلامی حاصل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ سے براہ راست ہمکلام ہوتے تھے۔ آپؑ ہر بات میں اپنی قوم کی راہنمائی فرماتے۔ گویا اس عہد میں روئے زمین پر سب سے زیادہ خوش نصیب بنی اسرائیل تھے۔ ان پر اللہ کے

بڑے عظیم الشان انعامات ہوئے۔ کتنا بڑا انعام تھا کہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو ان میں مبعوث فرمایا۔ سمندر میں ان کے لیے خشک راستے بنائے۔ فرعون اور اس کے لشکر کو، اس کی طاقت کو غرق کر دیا۔ اس کی سلطنت، ریاست، خزانے، محلات، باغات، چشمے اور دنیوی دولت سب کچھ ان کے حوالے کر دیا۔ یعنی دنیوی نعمتیں اور روحانی برکات، کرامات، ایمان باللہ اور نیکی کی توفیق بھی عطا کی۔ لیکن انعامات بھی بڑی آزمائش بن جاتے ہیں۔ چھوٹی سی بات ہے! جب تک یہ یقین رہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، سب درست رہتا ہے۔ جب یہ بات آجائے کہ میں بہت بڑا ہوں، سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ایک باریک سا خط، باریک سی لائن ہے کہ صحت، اولاد، مال و دولت، اقتدار، حکومت و سلطنت، تمام دنیوی نعمتیں اور تمام روحانی نعمتیں، مقامات، مراقبات، درجات، علمِ ظاہری اور علمِ باطنی نصیب ہوتے جائیں تو یہ احساس زندہ رہے کہ یہ سب اللہ کے انعام ہیں۔ میں کچھ بھی نہیں۔ یہ اس کی مرضی جو وہ عطا کر رہا ہے۔ میں اس کا شکر بجالاتا رہوں۔ یہ احساس قائم رہے تو بات درست رہتی ہے اور ذرا سا ہٹ گئے اور یہ خیال آ گیا کہ یہ میرا کمال ہے تو سب کچھ الٹ گیا۔ سب کچھ غلط ہو گیا۔ فرمایا انعامات ہی آزمائش بھی ہوتے ہیں اور یہی امتحان بن جاتا ہے۔

کافروں کے اعتراض ہمیشہ بودے ہی ہوا کرتے ہیں۔ فرمایا: اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ بلاشبہ یہ لوگ کہتے ہیں اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ کہ ہمیں صرف پہلی دفعہ مرنا ہے اور پھر اٹھنا نہیں۔ فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر کے) لاؤ۔

کافر اور بے دین کہتے ہیں، ہم موت کو مانتے ہیں۔ روز لوگ مرتے ہیں لیکن بس یہی موت ہے۔ مر گئے قصہ ختم۔ بدن بوسیدہ ہو کر خاک میں مل گئے پھر کہاں دوبارہ جی اٹھنا اور کہاں کی آخرت۔ اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچ کہہ رہے ہیں تو پھر ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھائیں۔ یہ کتنا بودا اعتراض ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آخرت میں جی اٹھنے کی بات بتا رہے ہیں۔ اخروی جزا اور سزا کا انجام بتا رہے ہیں اور یہ اسی دنیا میں دوبارہ زندہ ہونے کا کہہ رہے ہیں۔ ان بیوقوفوں کو نہیں پتا کہ دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں کبھی نہیں آتا۔ یہ دنیا تو آخر میں خود تباہ ہو جائے گی۔ سورج، چاند ستارے، بادل، چشمے باغات کچھ بھی نہ رہے گا۔ سب کو زندہ ہو کر میدانِ حشر میں پہنچنا ہے۔ ہر شخص جو دنیا سے چلا گیا وہ برزخ میں ہے۔ تمہارے باپ دادا بھی برزخ میں ہیں، اپنا کیا بھگت رہے ہیں۔ اچھے اچھائی کے ساتھ ہیں۔ برے برائی کا انجام پا رہے ہیں فرمایا، یہ اپنی تھوڑی سی طاقت پر اِترا رہے ہیں۔ ذرا ان سے پوچھیے: اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ کیا یہ (شان وشوکت میں) بہتر ہیں یا تبع (شاہِ یمن) کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے گزر چکی ہیں۔ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ نافرمان تھے۔

## تبع کی قوم:

تبع، یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ ان بادشاہوں کی سلطنت بہت وسیع تھی اور ان کا عرصہ حکمرانی بھی طویل تھا۔ یہ قوم قوت و طاقت اور جاہ وحشمت میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ان کا دارالسلطنت مغربی یمن تھا۔ یمن میں بیٹھ کر شام، عراق، افریقہ کے بعض علاقوں تک بلکہ سمرقند تک حکمرانی کرتے تھے۔ جس تبع کا یہاں ذکر آیا ہے وہ یہودی علما کی تبلیغ سے موسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لے آیا تھا۔ اس کی قوم بھی ایمان لے آئی تھی۔ بعد میں اس کی قوم بت پرستی میں مبتلا ہوگئی۔ جتنے تبع بادشاہ گزرے ان میں یہ بہت بہادر، جری طاقتور تھا اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا عہدِ حکومت بھی بہت طویل تھا۔ اس بادشاہ کے بعد اس کی قوم گمراہ ہو کر اللہ کی گرفت میں آئی اور تباہ ہوگئی۔

فرمایا، قومِ تبع کی تاریخ پڑھ لو! کتنی طاقتور قوم تھی۔ مال و دولت، قوت و طاقت میں کتنی بڑھی ہوئی قوم تھی۔ جب اللہ کی گرفت آئی تو لشکر کام آئے نہ ہتھیار۔ سلطنت کام آئی نہ ریاست۔ تباہ ہوگئے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ اللہ کے سخت نافرمان تھے۔ یہ منکرین، آج اپنی طاقت پر اترا رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے ان سے زیادہ قوت والے لوگ اور بڑی طاقتور قومیں گزری ہیں۔ اللہ کے سامنے، مخلوق کی طاقتِ پرِ کاہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ نے ایسے نافرمانوں کو تباہ کر دیا۔

## حق کا تقاضا ہے کہ ایک یوم حساب ہو:

یہ سوچتے نہیں کہ اگر قیامت کا یقین اٹھ جائے، اگر قیامت نہ ہو تو پھر دنیا کی تخلیق ایک مذاق بن جائے۔ ظالم، چور، ڈاکو، لٹیرے عیش کر گئے۔ نیک لوگ تکلیفیں اٹھا اٹھا کر مر گئے۔ نہ ظالموں کو سزا ملی نہ نیکوں کو اجر ملا تو فائدہ کیا؟

اللہ کریم فرماتے ہیں: وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس کو محض کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ ہم نے ان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فرمایا، خالقِ کائنات نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ وہ سب سے بڑا عادل و منصف ہے۔ اس نے ہر چیز حق پر پیدا کی ہے۔ یہ تخلیق تقاضا کرتی ہے کہ انصاف کا ایک دن ہو۔ نیکی کا انعام ملے، ظلم و جبر، کفر و شرک کی سزا ملے۔ یہ جاہل اس نظام کو دیکھ کر بھی نہیں سمجھتے کہ یہ جہان، یوم جزا کا طالب ہے۔ دنیا میں ایسے ظالم ڈاکو گزرے ہیں

کہ ظلم کرتے رہے، عیش و آرام سے رہے اور ساری عمر پکڑے نہ گئے۔ عیش کرتے کرتے ہی مر گئے۔ اگر ان مظلوموں کو انصاف نہ ملے جن کو اس ظالم نے لوٹا تھا اور اس ڈاکو کو سزا نہ ملے تو یہ ایک تماشا ہو گیا۔ بدکار اور ظالم حکومتیں کرتے رہے اور نیکوں کو ذلیل و رسوا کرتے رہے۔ اگر ان نیکوں کو جزا نہ ملے اور ظالم کو سزا نہ ملے تو پھر بات ہی ختم! دنیا میں اللہ کی حکمت کا کیا ہوا؟ یہ نظام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایک یومِ حساب ہو جس نے زیادتی کی ہے وہ سزا پائے، جس نے بھلائی کی ہے اسے انعام ملے۔

دنیا کے نظام کو دیکھو! ایک درخت لگا یا جائے تو اس کے کتنے فوائد ہوتے ہیں۔ ایک درخت لگانے کے کتنے نتائج نکلتے ہیں۔ پھول دیتا ہے، پھل دیتا ہے، پھل نہ دے تو سایہ ضرور دیتا ہے۔ اس کی لکڑی فرنیچر بنانے کے کام آتی ہے۔ مکان کی تعمیر میں استعمال ہوتی ہے اور کچھ نہیں تو ایندھن کے کام آ جاتی ہے۔ اگر اس کو لگانے کا کچھ بھی نتیجہ نہ نکلے تو پھر درخت لگانے کا کوئی مقصد ہے؟ یا کوئی کھیتی بوتا رہے اس میں کبھی فصل نہ آئے تو اس کا کوئی فائدہ ہے؟ جس نے کھیتی پر محنت نہیں کی اور جس نے کی دونوں کا ایک نتیجہ ہو تو یہ نظام کھیل تماشا ہوا اور اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا۔ ایسا کام تو مخلوق میں کوئی عام انسان بھی نہیں کرتا جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو؟

## جس کو جتنی استعداد دی اتنا اس سے حساب لیا جائے گا:

اس نظام کے بنانے والے نے کوئی شے ایسے نہیں بنائی۔ کائنات کا وجود ہی، قیامت اور روزِ جزا کا تقاضا کرتا ہے۔ فرمایا، ہم نے ایک ایک فرد کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ انصاف ہوگا۔ جس کو جتنی استعداد دی ہے اتنا اس سے حساب لیا جائے گا۔ عالم کا حساب اپنا ہوگا، صوفی کا اپنا ہوگا۔ حاکم کا اپنا اور محکوم کا اپنا ہوگا۔ دانشمند کا اپنا اور کم عقل کا اپنا حساب ہوگا لیکن سب کے ساتھ انصاف ہوگا۔ فرمایا جتنی جس کو استعداد دی اُتنی ہی اس کی جواب طلبی کریں گے۔ جس میں جو استعداد ہم نے نہیں دی اس کے بارے اس سے پوچھیں گے ہی نہیں۔ یہ انصاف کا تقاضا ہے۔ سب کے ساتھ انصاف ہوگا۔ جس شخص کو جتنا علم دیا، جتنی قوتِ کار دی، عہدہ دیا اتنی ہی جواب طلبی کریں گے لیکن یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ اکثریت ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ یہ سوچتے ہی نہیں۔ اکثریت اس بات پر توجہ ہی نہیں کرتی، انہیں یہ خیال ہی نہیں آتا!

## دنیا کی زندگی میں ہی رحمتِ الٰہی کو پالو:

دنیا کی زندگی کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔ اسی وقت میں اللہ کی رحمت حاصل کر لو۔ کیونکہ جب یہ مہلت ختم ہوگی تو پھر اللہ کے حضور جمع ہو کر پیش ہونا پڑے گا۔ وہاں عمل کا وقت نہیں ہوگا۔ فرمایا: اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ

اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۴۰﴾ بے شک فیصلے کا دن ان سب کا وقتِ مقررہ ہے۔ یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ مَوۡلًی عَنۡ مَّوۡلًی شَیۡـًٔا وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۱﴾ جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کو مدد ملے گی۔ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۲﴾ مگر جس پر اللہ رحم فرمائیں بے شک وہ زبردست ہیں، مہربان ہیں اور قیامت کا دن ان سب کی ملاقات کا دن ہوگا۔ سب ایک جگہ جمع کیے جائیں گے۔ سب کے سامنے سب کا حساب لیا جائے گا۔ کھرا، کھوٹا الگ کیا جائے گا سب کو پتا چلے گا، کھرا اس طرف ہے اور کھوٹا اُس طرف۔ فیصلے کا دن ایسا ہوگا جس میں کوئی دوست، کوئی ساتھی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ کوئی معاون ہوگا نہ مددگار۔ ہر ایک کا حساب بلا رورعایت لیا جائے گا۔ وہاں کوئی ناجائز حمایت نہیں ہوگا، کوئی انصاف سے محروم نہیں رہے گا۔ ہاں! وہی گرفت سے بچیں گے جن پر اللہ نے رحم فرمایا۔

یہ زندگی، دنیا میں یہ مہلت اس لیے ہے کہ ہم اپنے عقیدے اور کردار سے غضبِ الٰہی سے بچ کر رحمتِ الٰہی کو پالیں۔ اللہ نے ہم پر بڑے انعام کیے ہیں۔ قرآن حکیم میں اپنے بے شمار انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے اور سب سے بڑا احسان اس نے امت پر یہ فرمایا: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیا: 107) اور ہم نے آپ کو (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ فرمایا، ساری کائنات کے لیے جو رحمتِ مجسم ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تم میں مبعوث فرمایا۔ اور كُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ (ال عمران: 110) اب ساری کی ساری رحمت کا خزانہ اس امت کو عطا کر دیا اور کوئی منہ پھیر کر چل دے اور کہے کہ مجھے ضرورت نہیں ہے تو اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہوگی؟

کافر تو بدنصیب ہیں کہ انہوں نے ایمان قبول ہی نہیں کیا۔ ہم تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور اتنی فرصت نہیں کہ فرض نماز ادا کریں، روزہ رکھیں، اللہ کا دین سیکھیں۔ یہ کون سی قسم ہے مسلمانی کی؟ اس دن اندازہ ہوگا جب یومِ حساب ہوگا۔ وہی بچیں گے جن پر اللہ رحم فرمائے گا۔

یہ زندگی اسی لیے ملی ہے کہ غضبِ الٰہی سے بچ جاؤ۔ رحمتِ الٰہی کو پالو۔ اللہ بے حد کریم ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ زندگی کی مہلت ہے۔ فیصلے کا اختیار ہے۔ رحمت کو حاصل کرلو! صرف یہی جائے پناہ ہے۔ وہ طاقتور ہے، عزیز ہے، غالب ہے لیکن بڑا رحیم۔ اس کی رحمت عام ہے!

# سورۃ الدخان رکوع 3 آیات 43 تا 59

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿٤٥﴾
كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ
رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿٤٩﴾ اِنَّ هٰذَا
مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿٥١﴾ فِيْ جَنّٰتٍ
وَّعُيُوْنٍ ﴿٥٢﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٥٣﴾ كَذٰلِكَ
وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ
فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّنْ
رَّبِّكَ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٥٧﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿٥٩﴾

بے شک تھوہر کا درخت ﴿۴۳﴾ گناہگار (کافر) کا کھانا ہے ﴿۴۴﴾ جیسے پگھلا
ہوا تانبا، پیٹوں میں اس طرح کھولے گا ﴿۴۵﴾ جیسے گرم پانی کھولتا ہے ﴿۴۶﴾
اس کو پکڑ لو پھر کھینچتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ ﴿۴۷﴾ پھر اس کے سر پر
تکلیف دینے والا کھولتا ہوا پانی انڈیل دو ﴿۴۸﴾ اب (مزہ) چکھو! تو ہی سردار
(اور) بڑی عزت والا ہے ﴿۴۹﴾ بے شک یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک
کیا کرتے تھے ﴿۵۰﴾ بے شک پرہیزگار لوگ امن کے مقام میں ہوں
گے ﴿۵۱﴾ باغوں اور چشموں میں ﴿۵۲﴾ حریر کا باریک اور دبیز لباس پہن کر
ایک دوسرے کے سامنے بیٹھیں گے ﴿۵۳﴾ اس طرح (ہوگا) اور ہم ان کا بڑی

بڑی آنکھوں والی (گوری رنگت والیوں) سے بیاہ کر دیں گے ﴿۵۴﴾
(اور) وہاں اطمینان سے ہر قسم کے پھل منگواتے ہوں گے ﴿۵۵﴾ وہاں پہلی
دفعہ مرنے کے سوا موت کا (مزہ) نہیں چکھیں گے اور ان کو دوزخ کے عذاب
سے بچا لیں گے ﴿۵۶﴾ یہ سب آپ کے پروردگار کی مہربانی سے ہوگا بڑی
کامیابی یہی ہے ﴿۵۷﴾ پس ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان (عربی)
میں آسان کر دیا ہے تاکہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں ﴿۵۸﴾ تو آپ منتظر رہیے یہ
لوگ بھی منتظر ہیں ﴿۵۹﴾

# تفسیر و معارف

جنہیں اللہ کی اطاعت اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں عار محسوس ہوتی تھی ان کے لیے عذاب تیار ہے۔ جنہوں نے حلال حرام کی تمیز کیے بغیر اعلیٰ کھانے کھانوں میں زندگی قربان کر دی دنیوی لذتوں میں گم ہو گئے آج انہیں دوزخ کا تھوہر کھانا پڑے گا۔ دنیا کا پودا تھوہر ایسا ہے کہ اس کے پھل پر بھی بے شمار کانٹے لگے ہوتے ہیں۔ یہ عجیب پودا ہے۔ سخت بدذائقہ، کڑوا، مضر صحت اور کانٹوں سے بھرا ہوا۔ یہ تو دنیا کا تھوہر ہے۔ آخرت کا تھوہر تو سخت تکلیف دہ ہوگا۔

فرمایا: اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ بے شک تھوہر کا درخت۔ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ گناہگار (کافر) کا کھانا ہے۔ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ جیسے پگھلا ہوا تانبا۔ پیٹوں میں اس طرح کھولے گا۔ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ جیسے گرم پانی کھولتا ہے۔ کانٹے دار تھوہر کھلا کر پھر ان کی حالت کا بیان ہے کہ وہ کھانا ان کے پیٹ میں یوں چکر کھائے گا جیسے پگھلا ہوا تانبا۔ جس طرح پانی کو ابالیں تو اوپر کا پانی نیچے اور نیچے کا اوپر ہو جاتا ہے اس طرح تھوہر ان کے پیٹ میں گھومے گا۔ اس شدت کی تکلیف میں پھر حکم ہوگا خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ اس کو پکڑ کر پھر کھینچتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ۔ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ پھر اس کے سر پر تکلیف دینے والا کھولتا ہوا پانی انڈیل دو۔ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اب (مزہ) چکھو تو ہی سردار (اور) بڑی عزت والا ہے۔ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ بے شک یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

ان کے اندر تھو ہر کھول رہا ہوگا اوپر سے دوزخ کا کھولتا ہوا پانی پھینکا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اب چکھو، کھاؤ، مزے کرو۔ دنیا میں تو بڑا عیاش تھا۔ لوگوں کا مال لوٹ کر کھاتا تھا۔ مالِ حرام سے اعلیٰ غذائیں کھاتا تھا۔ اب اس غذا کو بھگتو! آج کا دن تھا جس کے بارے تم شک میں رہتے تھے۔ تمہیں یقین ہی نہیں تھا کہ یومِ حساب آئے گا۔ تم اس پر ایمان ہی نہیں رکھتے تھے۔ اب اس کا نتیجہ سامنے ہے اور تمہیں بھگتنا ہے۔

ایک طرف یہ ہو رہا ہوگا اور دوسری طرف اسی لمحے اسی میدان میں اللہ کے انعامات بٹ رہے ہوں گے فرمایا: اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ﴿۵۱﴾ بے شک پرہیز گار لوگ امن کے مقام میں ہوں گے۔ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ﴿۵۲﴾ باغوں اور چشموں میں۔ یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴿۵۳﴾ حریر کا باریک اور دبیز لباس پہن کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھیں گے کَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ﴿۵۴﴾ اس طرح (ہوگا) اور ہم ان کا بڑی بڑی آنکھوں والی (گوری رنگت والیوں) سے بیاہ کر دیں گے۔

## متقین، مقامِ امن میں:

جن لوگوں نے دنیا میں خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت اختیار کی وہ امن کے مقام میں ہوں گے۔ وہ ہر طرح سے محفوظ و مامون ہوں گے۔ انہیں گرمی ستا رہی ہوگی نہ ٹھنڈ کی تکلیف پہنچے گی۔ دوزخ کا خوف ہوگا نہ کسی عذاب کا ڈر۔ انہیں باغوں اور چشموں کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ وہ حریر و اطلس اور کمخواب، ریشم کے باریک اور گاڑھے بنے ہوئے کپڑوں کے لباس پہنے ہوں گے۔ کوئی باریک ریشم پسند کرے گا، کوئی گاڑھا! اعلیٰ لباس پہنے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف ہوں گے۔ یقیناً ایسا ہی ہوگا!

## حوریں، ایک مغالطے کی اصلاح:

حوریں، جنت کی مخلوق ہیں۔ جنت میں پیدا ہوئیں۔ اہلِ جنت کو ہی ملیں گی۔ یہاں ایک مغالطہ ہو جاتا ہے کہ مردوں کو تو حوریں مل جائیں گی تو وہ خواتین جو دنیا میں تھیں ان کا کیا ہوگا؟ جنت کی حور، دنیا میں نہیں آئی۔ اسے دنیوی نفس نہیں ملا۔ اسے بھوک، پیاس نے ستایا نہ نیند، بیداری کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی طرف کوئی نبیؐ مبعوث ہوئے نہ کوئی کتاب آئی۔ وہ ایمان لائی نہ ہی کوئی عمل کیا۔ وہ دنیا کے اس سارے امتحان سے الگ رہی۔

اللہ نے حور کی تعریف فرمائی ہے۔ اس کا یقیناً بڑا مقام ہوگا۔ حسین و جمال میں بھی اور اطاعتِ الٰہی اور

قربِ الٰہی میں بھی خاص مقام رکھتی ہوگی لیکن جن خواتین نے اس دنیا میں قدم رکھا۔ دامانِ نبوت تھاما، دنیا کے سرد وگرم برداشت کر کے اللہ کی اطاعت کی، ان کا مقام حوروں سے کروڑوں گنا زیادہ ہوگا۔ ان کا حسن بھی حوروں سے زیادہ اور مثالی ہوگا۔ یہ مت بھولو کہ فرشتے، دوزخ میں بھی ڈیوٹی دیں گے اور جنت میں بھی۔ انہیں دوزخ کی آگ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی نہ جنت کی ہوائیں انہیں لطف دیں گی۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ دنیا میں آئے نہ مکلف بنے۔ انہوں نے نبی کا دامن تھامانہ برائی کا موقع ان پر آیا کہ وہ برائی چھوڑ کرنیکی اپناتے۔ اللہ نے انہیں آسمانوں پر پیدا کیا وہ وہیں بسر کر گئے۔ اطاعت الٰہی کرنا ہی ان کی ذمہ داری ہے۔ انہیں عذاب ہے نہ ثواب۔ حور بھی اسی طرح جنت کی مخلوق ہے۔ وہ دنیا میں نہیں آئی۔ اس نے دامانِ مصطفوی نہیں تھاما۔ اس نے گناہ، ثواب کا موقع نہیں پایا۔ اگر اس کے اتنے مراتب ہیں تو جس خاتون نے دنیا کے دکھ سہے، اتباعِ رسالت کیا، اس کا مقام کیا ہوگا! یہ حوریں، ان دنیا سے جانے والی خواتین کی خادمائیں ہوں گی۔ اگر خادماؤں کا حسن و جمال اتنا ہے تو ان سے رتبے میں جو بلند بیبیاں ہیں ان کا حسن و جمال اور ان کا کمال، کیا کہنے! فرمایا، ہم ان بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے ان جنتیوں کو بیاہ دیں گے۔

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ (اور) وہاں اطمینان سے ہر قسم کے پھل منگواتے ہوں گے اردگرد خدام خدمت پر موجود ہوں گے۔ طرح طرح کے پھلوں کی فرمائشیں کرتے ہوں گے۔ خدام انہیں پیش کر رہے ہوں۔ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾

وہاں پہلی مرتبہ مرنے کے سوا موت (کا مزہ) نہیں چکھیں گے اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالیں گے۔ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ یہ سب آپ کے پروردگار کی مہربانی سے ہوگا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

دنیا میں کسی چیز کو دوام نہیں۔ جتنی بھی لذتیں نصیب ہوں، موت بے لطف کر دیتی ہے۔ یہ خیال رہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر مر جانا ہے لیکن وہاں انہیں موت کا بھی ڈر نہیں ہوگا۔ وہی موت تھی جو گزر گئی۔ اب جنت پہنچ گئے۔ قصہ ختم۔ اب جنتیوں کو موت آئے گی نہ دوزخیوں کو۔ اور ہم متقین کو دوزخ کے عذابوں سے قطعی طور پر محفوظ رکھیں گے۔ انہیں ہرگز کوئی بدبو یا اس کی تپش نہ آئے گی۔

یہ سب کیسے ہوگا؟ اس آیۂ کریمہ میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے بلکہ فرمایا یہ آپ کے پروردگار کے فضل سے ہوگا۔ ربّ وہ ہے جو اسباب بھی پیدا کرتا ہے اور نتائج بھی۔ وہی ہر

ضرورت مند کی ہر ضرورت، ہر وقت ہر جگہ پوری فرماتا ہے۔ یہاں اللہ کریم نے جنت اور جنت کی نعمتوں کا پورا نقشہ کھینچا ہے۔ جنت کی یہ ساری نعمتیں ربّ کا کرم ہیں۔ بے شک جنتیوں کا ایمان، کردار، اللہ کی اطاعت، اتباع رسالت بھی ہے۔ لیکن یاد رہے! انسان جتنی بھی عبادت کر لے، نجات پانے کے لیے، جنت جانے کے لیے اللہ کی رحمت کا محتاج ہے۔ جتنی نعمتیں وہ اللہ سے دنیا میں لے چکا ہے۔ اس کی ساری اطاعت اور عبادت ان میں سے ایک کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتیں۔ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ وہ بڑا پارسا ہو گیا ہے اب جنت دینا اللہ پر واجب ہو گیا۔ نہیں! نیکی کی توفیق بھی اللہ کی عطا ہے، کمانے کی توفیق اللہ کی عطا ہے، علم کا حصول، اس کے دین کا بیان سب اللہ کی توفیق ہے۔ پھر انسان ناز کرتا ہے تو کس برتے (بَل) پر کرتا ہے؟

یہاں یہ دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ اوّل یہ کہ جنت کے انعامات اللہ کی عطا ہیں۔ دنیا کی نعمتیں اللہ کی عطا ہیں۔ قوتِ کار اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بے شک ہر نعمت، ہر توفیق اللہ کی طرف سے ہے لیکن فیصلہ بندے کا اپنا ہے اور بندے کے پاس صرف یہی اختیار ہی ہے۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الانسان:3)

بے شک ہم نے اسے راہ بھی دکھا دی۔ چاہے تو شکر ادا کرے اور چاہے تو ناشکرا ہو۔ یہ طے کرنا انسان کا کام ہے کہ وہ شکر کا راستہ اپنانا چاہتا ہے یا ناشکری کا۔ بندہ جب نیکی کے راستے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو آگے توفیق وہ خود دیتا ہے۔ جب کوئی برائی اور کفر کا فیصلہ کرتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی نعمتیں، دماغ، نظر، قوتِ گویائی، طاقت، دولت سب کچھ اللہ کی نافرمانی پر خرچ کرتا ہے تو یہ کتنا بڑا جرم ہے کہ اسی کی دی ہوئی قوتیں اور نعمتیں اسی کی نافرمانی پر خرچ کی جائیں!

(1) عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَدِّدُوْ وَقَارِبُوْ وَاَبْشِرُوْ فَاِنَّهُ لَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ اَحَدًا عَمَلُهٗ قَالُوْ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ. وَاعْلَمُوْا اَنَّ اَحَبَّ الْعَمَلِ اِلَى اللهِ اَدْوَمُهٗ وَاِنْ قَلَّ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زوجہ مطہرہ سیدہ عائشہؓ روایت فرماتی ہیں دیکھو، جب نیک کام کرو ٹھیک طور پر کرو اور حد سے نہ بڑھو جاؤ بلکہ اس کے قریب رہو؟ میانہ روی اختیار کرو اور خوش رہو۔ پس بے شک کوئی شخص بھی اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ صحابہؓ نے عرض کی کیا آپ ﷺ بھی؟ فرمایا میں بھی، مگر یہ کہ اللہ کی رحمت مجھے ڈھانپ لے اور جان لو کہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ

ہے جس پر دوام اختیار کیا جائے چاہے وہ تھوڑا ہو۔

(2) دوسری روایت: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ لَنْ یُدْخِلَ اَحَدًا مِنْکُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوا ولا اَنْتَ یا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَتَغَمَّدَنِیَ اللهُ مِنْهُ بِفَضْلٍ وَّرَحْمَةٍ دونوں احادیث مسلم شریف کی ہیں: (کتاب صفة القیامة والجنة والنار باب لن یدخل احد الجنة بعمله)

فرمایا، یہ تمہارے پروردگار کی عطا ہے۔ یعنی بندہ اپنی حیثیت کے مطابق اطاعت کرے گا، نیکی کرے گا لیکن اللہ اپنی شان کے مطابق دے گا۔ بندے کی اپنی حیثیت ہے۔ ربّ کریم جب عطا کرنے پر آئے گا تو اپنی شان کے مطابق عطا فرمائے گا۔ جنت کی نعمتیں انسان کے وہم وگمان سے برتر ہیں کہ یہ اللہ کی شان کے مطابق ہیں۔ اس کی شان کو یہی سزاوار ہے!

بندہ جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ بندے نے تو صرف یہ فیصلہ کرنا ہے کہ مجھے اللہ کی اطاعت کرنی ہے۔ یہ جو کہتے ہیں کہ ہمارے ایمان کمزور ہیں، فیصلے کمزور ہیں وہ یاد کرلیں! کمزور فیصلہ، فیصلہ نہیں ہوتا۔ فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ جب بات طے کرلی جائے تو پھر اس پر ڈٹ جایا جائے۔ ایمان ایک فیصلہ ہے۔ جب بندہ طے کرلیتا ہے کہ مجھے اس راستے پر چلنا ہے تو پھر اس کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اس کے خلاف ہر چیز کا خود دفاع کرتا ہے۔ ربّ کریم، پروردگار ہے وہ ان پر ثمرات مرتب فرمادیتا ہے۔ یہ یاد رہے! فیصلہ دل سے ہوتا ہے۔ فیصلہ مضبوط ہی ہوتا ہے، اسی لیے فیصلہ ہوتا ہے۔ کمزور فیصلہ، فیصلہ ہی نہیں اور ربّ کریم انسان کے فیصلوں پر نتائج مرتب فرماتا ہے۔ جس نے جو بویا وہی کاٹے گا۔

دوزخ سے بچ جانا، اللہ کی رضا پا کر جنت میں چلے جانا، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ بادشاہ سے لے کر فقیر تک ہر شخص کامیابی کی تلاش میں رہتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں حقیقی کامیابی یہ ہے کہ جو جنت پہنچ جائے۔ جو اللہ کی رضا کو پالے، اس کی رحمت کو پالے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی جنت نہیں جائے گا۔ حبیبہ ء حبیب کبریا ام المومنین عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ آپ بھی (صلی اللہ علیہ وسلّم!) آپ کو تو اللہ نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت سے تو دوسروں کی بخشش ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ یہ بھی تو اللہ کی رحمت ہے!

بندہ نیکی کر کے کبھی اس پر فخر نہ کرے۔ اللہ کا شکر ادا کرے۔ اس کا احسان مانے کہ اس نے اپنی رحمت

سے توفیق بخشی۔اس کے کرم کا امیدوار ہے اور مزید اطاعت پر کمر بستہ رہے۔

## قرآن کا معنی وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا:

فرمایا: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴿۵۸﴾ پس ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان پر اسے آسان کر دیا۔اس کا مطلب ہے کہ قرآن کے وہی معنی صحیح ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقام ایک ڈاکیہ کا نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم قرآن لائے اور دے کر چلے گئے۔اب ہم اس سے جو چاہیں سمجھیں۔ایسا نہیں ہے۔ بلکہ فرمایا گیا ہے: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ پس ہم نے اس (قرآن) کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے۔جس طرح ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے قرآن کے الفاظ وصول کیے اسی طرح الفاظ کے معانی ومفاہیم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے سمجھنے ہوں گے۔ جو قرآن کے معنی اپنی مرضی سے کرے گا وہ قرآن کے معانی نہیں ہوں گے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلام میں فرقہ بندی ہے تو یہ درست نہیں۔ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ جتنی فرقہ بندی ہوتی ہے وہ اسلام سے باہر نکل کر ہوتی ہے۔ جب کوئی اصولِ دین میں اختلاف کرتا ہے تو وہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔اسلام میں نہیں رہتا۔ جو قرآن پر ایمان میں اختلاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں اختلاف کرتا ہے، آخرت اور فرشتوں کے ہونے میں، نبوت ورسالت میں اختلاف کرتا ہے تو وہ الگ دین بناتا ہے۔اس لیے جتنے فرقے اسلام کے نام پر بنے ہوئے ہیں۔ یہ اسلام سے باہر ہیں۔ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ اسلام سیدھا سیدھا ایک ہی دین ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے کہ سیدھا راستہ وہ ہے: مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔وہ راستہ جس پر میں چل رہا ہوں اور میرے صحابہؓ چل رہے ہیں۔

امت میں احکام کی تشریح میں جو اختلاف ہے وہ اصول دین کا اختلاف نہیں، تشریح کا ہے۔اور وہ بھی صرف فضیلت کے پہلو سے۔ مثلاً حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ (احکام کی تشریح) میں سب اصولِ دین پر متفق ہیں۔ فروعات میں اختلافِ رائے ہے۔سب ہی مانتے ہیں کہ نماز میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے رفع یدین کیا ہے۔ حنفی اور مالکی وغیرہ میں فرق یہ ہے کہ حنفی کہتے ہیں آخر عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم صرف تکبیرِ اولیٰ پر ہاتھ اٹھاتے تھے لہٰذا یہ افضل ہے۔ دیگر فقہ کے لوگ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم چونکہ پہلے ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھایا کرتے تھے لہٰذا یہ

زیادہ بہتر ہے۔ یہ فرق جائز ہے۔ دونوں درست کہتے ہیں۔ دونوں کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت سے دلائل ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو غلط نہیں کہتے بات صرف افضل قرار دینے کی ہے۔

فرمایا، ہم نے قرآن پاک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مبارک پر آسان کر دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک پر آسان فرما دیا ہے۔ یعنی یہ تب آسان ہوگا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی اس کے معانی ارشاد فرمائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہی اس کی تشریح فرمائیں گے۔ تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

فرمایا: فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ۝۵۹ تو آپ منتظر رہیے یہ لوگ بھی منتظر ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو تشفی دی جا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کام تو ان تک حقائق پہنچا دینا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پوری دلسوزی اور جانفشانی سے اپنا فریضہ انجام دیا۔ اگر یہ نہیں مانتے تو صبر کیجیے، برداشت کیجیے۔ آپ انتظار کیجیے، یہ بھی منتظر ہیں۔ ایک وقت آ رہا ہے۔ انہیں بھی وہیں پہنچنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی وہیں جلوہ افروز ہوں گے۔ فیصلہ ہو جائے گا! گزشتہ آیات میں قرآن نے وضاحت سے بتا دیا کہ کیا فیصلے ہوں گے اور کس طرح ہوں گے۔

# سورۃ الجاثیہ رکوع 1 آیات 1 تا 11

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ؕ﴿۳﴾ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ
لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ
وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ
ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا
عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ِۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؕ﴿۹﴾ مِنْ
وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؕ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

حٰمٓ۔اس کتاب کا نازل فرمانا اللہ غالب (اور) دانا کی طرف سے ہے ﴿۲﴾
بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿۳﴾ تمہارے
پیدا کرنے میں بھی اور جانوروں کے جن کو (زمین میں) پھیلا رکھا ہے، یقین کرنے
والوں کے لیے (بہت) نشانیاں ہیں ﴿۴﴾ اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے
جانے میں اور جو اللہ نے آسمان سے رزق نازل فرمایا، پھر اس سے زمین کو اس کے

مرجانے کے بعد زندہ کیا اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿۵﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں تو پھر یہ لوگ اللہ اور اس آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ﴿۶﴾ ہر جھوٹے گنہگار پر افسوس ہے ﴿۷﴾ کہ اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جو اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ تکبر کرتا ہوا اس طرح اڑا رہتا ہے کہ گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں سو اس کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں ﴿۸﴾ اور جب ہماری آیتوں میں سے کسی کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے ﴿۹﴾ ان کے آگے جہنم ہے اور جو کام وہ کرتے رہے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور نہ ہی جن کو اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا ﴿۱۰﴾ یہ (قرآن) سرتا سر ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کو سخت درد دینے والا عذاب ہوگا ﴿۱۱﴾

# تفسیر و معارف

سورۂ جاثیہ شروع ہوتی ہے۔ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ حٰمٓ ① یہ حروف مقطعات ہیں۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② اس کتاب کا نازل فرمایا اللہ غالب (اور) دانا کی طرف سے ہے۔

یہ کتاب اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ہے جو سب جانتا ہے، دانا تر ہے۔ ہر بات کی حکمت جانتا ہے اور غالب بھی ہے جو چاہے کرسکتا ہے۔ اللہ کا ہر حکم، ہر ارشاد، ہر فیصلہ اور ہر کتاب حکمت سے پُر ہے۔

ساری مخلوقات سے زمین و آسمان پُر ہیں۔ ایک سے ایک خوبصورت، طاقتور، ذہین مخلوق بنائی ہے لیکن سب سے بڑھ کر خوبصورت تخلیق انسان ہے۔ ارشادِ باری ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین: 4) کہ یقیناً ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا۔ انسان کو بہترین اندازے پر پیدا فرمایا۔ کبھی انسان سوچے کہ جو وجود اللہ نے ہمارا بنایا ہے اس سے بدل کر کوئی اور نقشہ بنا کر دیکھے۔ جہاں اللہ نے ہاتھ بنائے ہیں انہیں کہیں اور رکھ کر دیکھے کیسا عجیب ہوگا! جو اللہ نے بنایا ہے وہ خوبصورت ترین ہے۔ جب وجود بہترین

بنایا تو اس میں پوری مخلوق سے جدا اور بہترین اوصاف بھی رکھے۔ جو دماغ انسان کو دیا ہے وہ دوسری مخلوق کے پاس نہیں۔ جو دل اسے دیا ہے وہ دوسروں کے پاس نہیں۔ جو سماعت و بصارت و گویائی اسے دی ہے وہ کسی دوسرے کے پاس نہیں۔ اتنی خوبیاں ظاہری وجود کی ہیں۔ باطنی خوبیاں اس سے سوا ہیں۔

ساری مخلوق میں، فرشتوں، جنوں میں صرف انسان کو اپنے جمال جہاں آرا کو دیکھنے کی طاقت عطا فرمائی۔ یہ سوال صرف انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کون ہے، کیسا ہے، کہاں ہے؟ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں یعنی معرفتِ الٰہی کی استعداد صرف انسان کو دی۔ اس کے دل میں ایک لطیفۂ ربانی رکھ دیا۔ اس کی روح عالمِ امر سے بھیج دی۔ تمام ذوی الارواح میں روح حیوانی ہے۔ صرف انسان ہے جس میں روح ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ جنات میں روح حیوانی ہے۔ عالم امر کی روح نہیں اس لیے آخرت میں حساب کتاب کے بعد وہ فنا ہو جائیں گے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں جنات سے کہیں جنت کا وعدہ نہیں بلکہ فرمایا گیا ہے وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الاحقاف: 31) اور تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ رکھیں گے۔ جنات کی نجات یہ ہوگی کہ وہ قیامت کو فنا کر دیے جائیں گے۔ جنہوں نے جرم کیے وہ دوزخ جا کر سزا پوری کریں گے پھر فنا کر دیے جائیں گے مٹا دیے جائیں گے۔ انسان میں عالمِ امر کی روح ہے۔ عالمِ امر صفاتِ باری میں سے ہے۔ جہاں عالمِ خلق کی حد ختم ہوتی ہے وہاں عالمِ امر شروع ہوتا ہے۔ عالم امر کو فنا نہیں۔ روح امر سے ہے تو یہ بھی ہمیشہ رہے گی اور وجود کو بھی ہمیشہ ساتھ رہنا پڑے گا۔ جنت میں جائے گی تو ہمیشہ مزے کرے گی۔ جہنم گئی تو موت بھی نہیں آئے گی اور وجود فنا بھی نہیں ہوگا۔ اللہ کریم نے انسان کو ایسے بہترین اندازے پر بنا کر پھر اس کا امتحان رکھ دیا۔ دنیا سجا کر سامنے رکھ دی کہ دیکھیں آزمائش میں کیسے پورا اترتا ہے! اتنی حسین دنیا بنائی جس کی ہر نعمت لذت آفرین اور پرکشش ہے اسے اللہ نے اپنے مقابلے میں رکھ دیا۔ انسان تو کمزور ہے۔ وجود مادی دیا، نعمتیں مادی دین ظاہر ہے وہ مادی طرف لڑھک جائے گا۔

## عظیم الشان مخلوق کے لیے بہترین راہنمائی:

فرمایا، میں اس کے لیے بہت عظیم اہتمام کروں گا۔ عالمِ انسانیت کو نبوت سے سرفراز کروں گا۔ ان میں انبیاؑ مبعوث کروں گا۔ ایسے بندے پیدا کروں گا جو ہمہ وقت مجھ سے کلام کریں گے۔ مجھ سے پوچھ کر ہر کام کریں گے اور میرے بندوں کو میری رضا پانے کے لیے راہنمائی کریں گے۔ اس کے لیے اپنی کتاب الْكِتٰبُ نازل فرمائی۔ یہ عام کتاب نہیں۔ یہ حقیقی کتاب ہے۔ اس کا کوئی ثانی نہیں۔ دنیا میں تو ہر مضمون پر، ہر شعبۂ زندگی پر کتابیں ہیں۔ سائنس، سیاست، کاروبار، ثقافت، عدل و انصاف، میڈیکل پر ہیں۔ لیکن ہر کتاب ادھوری ہے۔ جو سائنس کی ہے

اس میں سیاسیات نہیں۔ ٹیکنالوجی کی ہے تو اس میں صحت کی بات نہیں۔ صرف یہ الکتاب ہے۔ اس میں علم کے تمام شعبوں کے ہر سوال کا جواب ہے۔ ہر موضوع پر راہنمائی ہے۔ کوئی موضوع ہو، زندگی کے کسی پہلو کا ہو، زندگی کے بارے، زندگی سے پہلے کیا تھا، موت کیا ہے، موت کے بعد کیا ہوگا۔ زندگی میں کیا کرنا چاہیے، کیا نہیں کرنا چاہیے۔ جسمانی صحت کے لیے کیا مفید ہے۔ ایمان کی سلامتی کے لیے کیا مفید ہے۔ دنیا و آخرت کے ہر سوال کا جواب دیتی ہے۔ اپنے نزول سے لے کر قیامت تک اس نے انسانیت کو ساری کتابوں سے بے نیاز کر دیا، نئی نبوت کی ضرورت باقی رہی نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی کتاب نازل ہوئی۔ یہ حقیقی کتاب ہے اس لیے کہ یہ اللہ دانا تر اور غالب کی طرف سے ہے۔ تاریخ دیکھیں دنیا میں بڑے بڑے دانا گزرے ہیں۔ میڈیکل ڈاکٹروں میں بڑے نامور اپنے شعبہ کے ماہر گزرے ہیں۔ عجیب بات ہے دل کے ماہر دل کے دورے سے مر گئے۔ پیٹ کے امراض کے ماہر، پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ انسان تو ایسا مجبور اور بے بس محض ہے۔ ایک شعبہ کو جانتا ہے اور دوسرے شعبے میں کورا ہوتا ہے۔ طب کا ماہر ہے، کاروبار سے نابلد ہے۔ بڑے بڑے مؤرخ، مؤرخ ہی رہے انہیں اور کسی شعبہ کی خبر نہ ہوئی۔

فرمایا، یہ کتاب انسانوں کی نہیں، اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے۔ وہ جو ہر شئے پر غالب ہے وہ ایسا حکیم ہے کہ ہر چیز اور اس کے موقع اور محل کو جانتا ہے، انسان کو چاہیے کہ اللہ کی کائنات میں آنکھیں بند کر کے نہ رہے۔ جو حواس اسے دیے ہیں، جو عقل و شعور دیا ہے، تدبیر کی جو قوت ہے اسے استعمال کرے۔ فرمایا: اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ③ بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یعنی بندہ اگر ایمان پر قائم رہے تو زمین و آسمان، اللہ کی عظمت کی دلیلوں سے پُر ہیں۔ آسمان کیا ہیں، ان کا مادّہ کیا ہے، ان پر مخلوق کیسی ہے؟ وہ کیا کرتی ہے، وہاں کیا ہوتا ہے؟ کوئی تو ہے جس نے یہ سارا نظام بنا دیا! آسمان پر کتنی کہکشائیں ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کروڑہا کہکشائیں ابھی باقی ہیں۔ دریافت نہیں ہوئیں۔ زیرِ آسمان کتنی وسعت ہے۔ کون بنا رہا ہے، کون سنبھالے ہوئے ہے؟

پانی زمین پر ہے۔ سورج آسمان پر ہے جس کی تپش اسے بھاپ بنا دیتی ہے۔ ٹنوں پانی دھندسی بن کر ہوا میں تیرتا ہے۔ ہوا اسے اٹھائے پھرتی ہے۔ بادل کڑکتا ہے تو لگتا ہے سارے جہان کی بجلی اس میں ہے۔ گرجتا ہے تو زمین کو ہلاک کر رکھ دیتا ہے۔ برستا ہے تو زمین کانپنے لگتی ہے غرق آب ہو جاتی ہے۔ اتنا پانی ہواؤں پر کس نے لادا ہوا ہے، ہوائیں کیسے اٹھائے پھرتی ہیں؟ ایک ایک قطرہ وہاں جا کر برستا ہے جہاں اسے اللہ کا حکم ہوتا ہے۔

زمین کو دیکھو! آدم علیہ السلام سے اب تک کتنی مخلوق گزری۔ اسی زمین سے غذائیں لیتی رہی۔ کتنی غذائیں، پھل، سبزیاں، غلہ، چاول، دوائیں لوگ استعمال کرتے رہے۔ سب اسی زمین نے فراہم کیا۔ کاشتکار جانتا ہے کہ زمین کی سطح سے چارتا آٹھ انچ تک کی مٹی میں اگانے کی قوت ہوتی ہے۔ اس سے نیچے بیج چلا جائے تو بیج خراب ہو جاتا ہے۔ کچھ نہیں اگتا۔ اسی 6 تا 8 انچ زمین کی تہہ سے انسان کب سے کھیتیاں اگا رہا ہے۔ کپاس اگ رہی ہے اجناس اور ترکاریاں اگ رہی ہیں غذائیں ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں۔ کیا یہ عظمتِ الٰہی کے دلائل نہیں!

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ تمہارے پیدا کرنے میں بھی اور جانوروں کے جن کو (زمین میں) پھیلا رکھا ہے، یقین کرنے والوں کے لیے (بہت) نشانیاں ہیں۔

انسان اپنی تخلیق کو دیکھ لے کیا انسانی اعضا، انسانی وجود، حواس ظاہری کا کوئی ذخیرہ کیا گیا ہے کہ وہاں سے اٹھا اٹھا کر وجود کو لگائے جا رہے ہیں؟ یا کوئی مشین لگی ہوئی ہے کہ اسے چلایا جاتا ہے۔ اللہ تو ایسا قادر ہے کہ انسان کے وجودِ خاکی کے ذرّات کو کیا کیا روپ دیتا ہے۔ کہیں سے دودھ آ رہا ہے، کہیں سے گوشت، کہیں سے سبزی پھل! کیا یہ ساری غذائیں خاک میں پنہاں ذراتِ خاکی نہیں؟ اسی طرح باپ کے صلب سے ماں کے شکم تک کتنے مراحل سے گزر کر بچہ دنیا میں پیدا ہوتا ہے! انسانی وجود کے نظام کو دیکھیں۔ دماغ جیسا کمپیوٹر، دل جیسی بے مثال چیز۔ خون پہنچانے والی رگیں۔ گویا سارے وجود میں کئی نہریں جاری ہیں۔ معدہ کی بھٹی کیا ہے طاقت تقسیم کرنے کا کارخانہ لگا دیا ہے۔ غذا سے خون بن رہا ہے۔ اس کی ترسیل پورے بدن کو ہو رہی ہے۔ ایک کارگاہِ حیات ہے جو انسانی بدن میں کام کر رہی ہے۔ کیا اس میں تمہیں عظمتِ الٰہی کی نشانیاں نظر نہیں آتیں؟

اور صرف انسان ہی نہیں جانوروں کی تخلیق، ان کے رہنے سہنے کے نظام کو دیکھو! ہر جانور کی پیدائش کا طریقہ متعین کر دیا گیا ہے۔ ہر جانور پیدا ہوتے ہی اپنے ربّ کے ودیعت کردا شعور کے مطابق اپنی غذا تلاش کر لیتا ہے۔ مقررہ وقت تک زندہ رہ کر مر جاتا ہے یا ذبح ہو کر انسانوں کے کام آ جاتا ہے۔ ایک کارگہہ حیات چل رہی ہے مخلوق بن رہی ہے، مٹ رہی ہے، چیزیں بن رہی ہیں، ختم ہو رہی ہیں۔ مزید آتی جا رہی ہیں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک روئے زمین میں کتنی مخلوق آئی، زمین کے اندر سما گئی۔ زمین کے حجم کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ سب کچھ مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا وہی زمین ہے، وہی دریا، وہی پہاڑ، مخلوق آتی جاتی رہتی ہے۔ یہ کون کر رہا ہے؟ کیا یہ عظمتِ الٰہی کے دلائل نہیں ہیں؟ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ یقین کرنے والوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔ یہ نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جنہیں قوتِ یقین حاصل ہو۔ جو لوگ مذبذب رہتے ہیں کبھی ادھر کبھی ادھر۔ افواہوں پر یقین کرتے ہیں، جس بندے نے کچھ کہہ دیا وہی پلّے باندھ کر چل دیے۔ مسجد میں آئے وعظ سنا، کہنے لگے اچھی بات کہی ہے۔ کسی

دوسرے نے کہہ دیا مولوی صاحب غلط بیانی کر رہے ہیں تو اس کی بات مان لی۔ ایسے لوگوں کے لیے دلیلیں کام نہیں آتیں۔ دلیلیں ان کے لیے ہیں جو تحقیق کر کے حق و باطل میں فرق کرتے ہیں۔ جو حقائق پرکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ جو قوتِ یقین پیدا کرتے ہیں اور ایک بات پر جم جاتے ہیں۔

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝۵ رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور جو اللہ نے آسمان سے رزق نازل فرمایا، پھر اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کیا اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

رات اور دن کے اختلاف کو دیکھو! ایسا عجیب نظام ہے کہ پورا سال لمحوں کے اعتبار سے معیّن ہے۔ جہاں، جس علاقے میں رات کو جتنا طویل ہونا ہے اتنی ہی وہ طویل ہوتی ہے۔ جہاں دن کو بڑا ہونا ہے وہاں وہ ہمیشہ اتنا ہی بڑا ہوتا ہے۔ کسی خطہءِ زمین پر ایک لمحے کی تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔ ہر کوئی اپنا اپنا کام کر رہا ہے تو کون ہے جو اس نظام کو اس صحیح ترین طریقے سے چلا رہا ہے۔ قائم رکھے ہوئے ہے؟

بادل اور بارش کے نظام کو دیکھ لو۔ جہاں چاہتا ہے برساتا ہے۔ کاریگر ایسا ہے کہ ایک قطرے میں الگ الگ تصویریں ہیں۔ ایسا لگتا ہے کسی بہت کاریگر سنار نے زیور بنا دیا ہے۔ پانی کے ہر ذرے میں ایک الگ تصویر ہے۔ اگر ہر ذرّے کا ڈیزائن فرق ہے تو ہر ایک کی تاثیر بھی جدا ہوگی! کون ہے جو اتنی باریکی سے ہر شئے سنبھالے ہوئے ہے؟ دھوپ کی تپش سے جب سبزہ جل جاتا ہے دھول اڑنے لگتی ہے تو کون پانی برساتا ہے کہ ہر چیز میں زندگی آ جاتی ہے۔ پھولوں میں رنگ اور خوشبو آ جاتی ہے۔ درخت سرسبز ہو جاتے ہیں۔ ہر شئے پھر سے زندہ ہو جاتی ہے۔ کیا کوئی انسان ہوا کو اپنی مرضی سے چلا سکا ہے؟ کہ وہ چاہے کہ آج ہوا کا یہ رخ ہو جائے۔ اِدھر سے نہ چلے اُدھر سے چلے کیا کوئی ہواؤں پر کنٹرول حاصل کر سکا؟ یہ سارے عظمتِ الٰہی کے دلائل ہیں اگر انسان کی عقل سلامت رہے۔ اگر وہ دنیا کی حرص میں پاگل نہ ہو جائے!

## ایک مثال:

خانہ بدوشوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ گیدڑ کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی خاص ہتھیار، بندوق وغیرہ نہیں ہوتی وہ گیدڑ کو کُڑکی میں پھنسا کر مار لیتے ہیں۔ میں نے ایک دن ان خانہ بدوشوں سے پوچھا کہ گیدڑ تو بہت چالاک جانور ہے یہ آسانی سے پھنسنے والا نہیں، تم لوگ اسے

کیسے پھنسا لیتے ہو؟ اس نے کہا واقعی یہ بہت چالاک جانور ہے۔ ہم یہ کرتے ہیں کہ کسی قصاب سے جانور کا پھیپھڑا لے آتے ہیں۔ اسے رسی میں ڈال کر جنگل میں گھسیٹنا شروع کر دیتے ہیں ڈیڑھ دو میل اسی طرح اِدھر اُدھر گھسیٹتے رہتے ہیں۔ پھر آگے جا کر اس میں کُڑکی لگا کر اس میں گوشت رکھ کر مٹی اور پتوں سے ہلکا سا ڈھانپ دیتے ہیں۔ گیدڑ کو چلتے پھرتے زمین سے گوشت کی بو آنے لگتی ہے۔ وہ اس بُو کے پیچھے پیچھے چل پڑتا ہے۔ جب اسے ڈیڑھ دو میل پھرنا پڑتا ہے تو اتنے میں وہ گوشت کے لیے بے قرار ہو چکا ہوتا ہے۔ دیوانہ وار کُڑکی میں رکھے گوشت پر منہ مارتا ہے اور اس میں پھنس جاتا ہے۔

انسان کی بھی یہی مثال ہے۔ جب اسے دنیا کا چسکا لگ جائے تو حرص کے پھندے میں گر جاتا ہے۔ شیطان کی کُڑکی میں پھنس جاتا ہے۔ کفر اور گناہ تب ہوتا ہے جب عقل ساتھ چھوڑ دے۔ جیسے شکاری نے کہا تھا کہ گیدڑ کی عقل ماری جاتی ہے۔ انسان بھی خواہشات کے پیچھے لگ کر گناہ کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے اس کے سوچنے کی قوت ماری جاتی ہے۔ جنھوں نے اپنی عقل ماؤف کر لی اور دنیا کی بُو پر چل پڑے تو پھر وہ شیطان کی کُڑکی میں ہی پھنسیں گے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں تو پھر یہ لوگ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟

اللہ کا کلام ہو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوا ہو تو اس کی عظمت اور شان کے کیا کہنے! اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم پر اللہ کی عظمت کے دلائل حق و صداقت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ اب یہ اللہ کی بات نہ مانیں تو پھر اللہ کے علاوہ کون ہے جس کی بات یہ مانیں گے۔ جو اللہ کی بات نہیں مانتا وہ ذرا سوچے کہ اگر اللہ کی بھی نہیں مانتا تو کس کی مانے گا؟ کوئی ہے جو اللہ سے بھی بڑا ہو اور تمھیں پناہ دے! یقیناً نہیں۔ کوئی نہیں! کافر و مشرک جو کفر و شرک میں مبتلا ہیں، یہ اگر اللہ کی عظمت کے اتنے عظیم اور واضح دلائل کو بھی نہیں مانتے تو ان کا یہ مرض لا علاج ہے۔ یہ اپنے فیصلے کے برے نتیجے کو ضرور پائیں گے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝٧ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٨ کہ اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جو اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں پھر وہ تکبر کرتا ہوا اس طرح اڑا رہتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ سو اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، صد افسوس ہے اس پر! جس نے سچ کو چھوڑ کر گناہ اور جھوٹ کو پسند کیا۔ اللہ نے تو اسے انسان بنایا۔ عالی دماغ دیا، سوچنے سمجھنے اور بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اپنا عظیم المرتبت رسول صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث فرمایا، اپنی عظیم ترین کتاب اتاری اور وہ شخص اپنی ساری توانائیاں اللہ کی نافرمانی پر خرچ کر رہا ہے۔ پھر

صد افسوس کہ وہ مارا گیا۔ اس نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا۔ اور گناہ کی سزا یہ ہے کہ اس کے سامنے جب اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ اکڑ کر منہ پھیر کر چل دیتا ہے۔ سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

فرمایا، جو اللہ کے احکام اور اس کی آیات سے یہ سلوک کرتا ہے اسے ایک خوشخبری سنا دیجیے کہ اس جرم پر بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ ہر کام کا جب نتیجہ آئے تو مبارکباد دی جاتی ہے۔ فرمایا انہیں بھی مبارکباد دیں کہ تم بھی اپنے انجام کو پہنچ گئے یہ عذاب تمہیں مبارک ہو۔ فرمایا، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔ یہ ان کے کیے کا نتیجہ ہے۔ اس لیے انہیں اس نتیجہ نکلنے کی مبارکباد دی جا رہی ہے!

انسان جب بھٹکتا ہے تو کتنی دور نکل جاتا ہے۔ فرمایا: وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْــًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ اور جب ہماری آیتوں میں کسی کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ یہ ایسے بدبخت ہیں کہ یہ واضح دلائل جو اللہ نے ارشاد فرمائے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر وارد ہوئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جاری ہوئے، یہ سنتا ہے تو ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ دین کا مذاق اڑانے والوں کے لیے صرف عذاب نہیں، ذلت بھرا عذاب ہے۔ جو راہ انہوں نے اپنائی ہے اس کی منزل جہنم ہے۔ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْــــًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ان کے آگے جہنم ہے اور جو کام وہ کرتے رہے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور نہ ہی جن کو اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔

ہر شخص جس راستے پر چلتا ہے، ایک دن اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ انہوں نے دوزخ کی راہ اپنائی تو جہنم ان کے سامنے ہے۔ دنیا میں جو کام یہ کرتے رہے ان میں سے جو کام لوگوں کے فائدے کے تھے ان کا اجر انہیں دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے۔ بعض کافر اور مشرک دنیا میں ایسے کام کر دیتے ہیں جن سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے لیکن کافر اور مشرک تو اللہ کو مانتا ہی نہیں۔ اس کا آخرت پر ایمان ہی نہیں۔ اس نے یہ بھلائی کا کام اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان کر نہیں کیا تو اس کا اجر انہیں دنیا میں مل جاتا ہے۔ فرمایا، جو مجھے نہیں مانتا، آخرت کو نہیں مانتا، وہ میرے لیے اور آخرت کے فائدے کے لیے نیکی کیوں کرے گا؟ یہ لوگ نیکی بھی کرتے ہیں تو دنیا کے لیے کرتے ہیں کہ شہرت ہوگی، عزت ہوگی، دولت آئے گی یعنی کوئی نہ کوئی دُنیوی مقصد ہوتا ہے۔ وہ انہیں دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ اللہ کافر کی بھی نیکی ضائع نہیں کرتا اللہ کو چھوڑ کر جو آسرے پکڑ رکھے تھے ان میں سے کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔ دنیا میں تو دوسروں پر بڑا بھروسہ تھا کہ فلاں مدد کرے گا، فلاں دادرسی کرے گا لیکن یہاں،

آخرت میں ان کا کوئی معاون اور مددگار نہیں بنے گا۔ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ جس عذاب کو مالک الملک عظیم کہہ رہے ہیں ہم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ وہ کتنا بڑا ہوگا، اللہ ہی جانے!

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ یہ (قرآن) سرتا سر ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کو سخت درد دینے والا عذاب ہوگا۔

یہ اللہ کی باتیں، اللہ کی کتاب، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات، سراسر ہدایت ہے۔ دنیا کے لیے بھی، آخرت کے لیے بھی۔ آخرت کیا ہے؟ دنیوی امور پر، دنیا میں کیے گئے اعمال پر جو نتیجہ نکلنا ہے۔ اس کے ظہور کا دن آخرت ہے۔ کافر اور مومن سب کے کام تو وہی ہوتے ہیں۔ وہی انسانی ضروریات اور ان کے پورا کرنے کے طریقے۔ کافر بھی اولاد پالتا ہے، مومن بھی پالتا ہے۔ روزگار، کمانا خرچ کرنا صحت اور بیماری یہ سب کچھ مومن اور کافر دونوں کرتے ہیں۔ مومن، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھ کر کرتا ہے، ان کی اطاعت میں کرتا ہے لہٰذا اجر کا مستحق ہے۔ کائنات اللہ کی ہے، کافر اس میں اپنی مرضی چلاتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے۔

یہ قرآن، یہ ارشاداتِ نبوی، قرآن کی تفسیر، یہ ہدایت و راہنمائی ہے، سیدھا راستہ ہے اور جس نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، نافرمانی کی، نہ مانا، ان کے لیے بہت درد دینے والا، بہت دکھ دینے والا عذاب ہے۔

# سورۃ الجاثیہ رکوع 2 آیات 12 تا 21

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی
الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا
یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ؗ ثُمَّ اِلٰى
رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۱۶﴾
وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا
فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ
وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا
بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ
اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ
سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۠﴿۲۱﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں (سمندری جہاز) چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل (روزی) سے تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو ﴿۱۲﴾ اور تمہارے لیے سب کچھ اپنی طرف سے مسخر فرما دیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿۱۳﴾ آپ ایمان والوں سے فرما دیجیے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے تا کہ وہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے ﴿۱۴﴾ جو نیک عمل کرے گا تو اپنے لیے اور جو بُرا کام کرتا ہے تو اس کا وبال اُسی پر پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۵﴾ اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائی اور انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں اور انہیں اہلِ عالم پر فضیلت بخشی ﴿۱۶﴾ اور ان کو دین کے بارے میں دلیلیں عطا کیں پھر علم آچکنے کے بعد انہوں نے آپس کی ضد سے باہم اختلاف کیا بے شک آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے فیصلہ کرے گا ﴿۱۷﴾ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلتے جایئے اور ان جاہلوں کی خواہشوں پر مت چلیے ﴿۱۸﴾ یقیناً یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہیں آسکتے اور یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ پرہیزگاروں کے دوست ہیں ﴿۱۹﴾ یہ (قرآن) لوگوں کے لیے دانائی کی باتیں ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے ہدایت اور رحمت ﴿۲۰﴾ یہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کی زندگی اور موت ایک جیسی ہوگی یہ لوگ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں ﴿۲۱﴾

# تفسیر و معارف

اللہ کریم اپنے احسانات یاد کراتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اَللّٰهُ الَّذِىْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِىَ

الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں (سمندری جہاز) چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل (روزی) سے تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔

یہ اس ذاتِ کریم کا کرم ہے کہ اس نے سمندر بھی تمہارے لیے مسخر کر دیے۔ جس طرح زمین کے خزانوں کو استعمال کرتے ہو اسی طرح سمندری خزانوں پر بھی تمہیں اختیار دے دیا۔ اللہ نے اس میں تمہارے لیے خوراک رکھ دی، مچھلیاں پکڑتے ہو، استعمال کرتے ہو۔ اس کی تہہ میں موتی، جڑی بوٹیاں اور دیگر خزانے رکھ دیے جیسے تیل نکالا جاتا ہے۔ اللہ کی اجازت سے تم ان سمندروں پر سفر کرتے ہو۔ کشتیاں اور جہاز چلاتے ہو۔ ذرائع سفر بناتے ہو۔ یہ سب کچھ اللہ نے تمہارے لیے آسان کر دیا ہے۔ اس لیے آسان کیا ہے کہ اس میں سے رزق پاؤ اور زندگی کی سہولیات حاصل کرو۔ اللہ کریم کے سارے احسانات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ صدقِ دل سے اس کے ممنون ہو، اس کی عظمت کے قائل ہو جاؤ اور اس کی اطاعت کرو۔

## اللہ کا شکر کیسے ادا ہو؟

شکر ایک وسیع المعانی لفظ ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ علمائے ربانی کے بے شمار اقوال، اس ضمن میں ملتے ہیں۔ سب کی باتوں کا ماحصل یہ ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شکر ادا کرنے کا سب سے اعلیٰ طریقہ اللہ کی اطاعت ہے اور سب سے بڑی ناشکری عدمِ اطاعت ہے۔

فرمایا، صرف یہی نہیں کہ اس نے تمہیں سمندروں پر اختیار دے دیا، اس کے خزانوں تک دسترس عطا فرما دی بلکہ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ اور تمہارے لیے سب کچھ اپنی طرف سے مسخر فرما دیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

اس نے ارض و سما کو تمہارے لیے ذریعہء آرام و سکون بنا دیا ہے۔ رزق کا وسیلہ بنا دیا ہے اور اسے ہی تمہارے لیے بے شمار سہولتوں کا سبب بنا دیا ہے۔ جتنے ستارے سیارے جوِ آسمانی میں ہیں ان کے اثرات زمین پر مرتب ہوتے ہیں۔ سورج کا زمین پر براہ راست اثر آتا ہے۔ دن کی روشنی پھیل جاتی ہے، حرارت پیدا ہوتی ہے، چیزوں میں نمو پیدا ہوتی ہے۔ بخارات بنتے ہیں بادل بنتے ہیں اور دیگر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ چاند کی چاندنی طرح طرح کے اثرات پیدا کرتی ہے۔ کہیں پھلوں میں مٹھاس، کہیں مختلف ذائقے غرض تمام سیارگان کا جو اثر زمین

اوراس کی چیزوں پر پڑتا ہے ان سے سب حیوان، پرندے، آبی مخلوق تک متاثر ہوتے ہیں۔ اللہ کریم کی قدرت ہے کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے اور طلوع وغروب سے سمندروں کی لہریں بھی متاثر ہوتی ہیں۔ ان میں مدوجزر پیدا ہوتا ہے۔ یہ چاند کے ساتھ سمندروں کا عجیب سا تعلق ہے۔

چند سال پہلے سویڈن کی حکومت نے فیصلہ کیا کہ اپنی بندرگاہ کے قریب سمندر میں ایک دیوار بنادی جائے جس میں صرف جہازوں کے آنے جانے کا راستہ رکھا جائے تاکہ سمندری مدوجزر بندرگاہ کو خراب نہ کرے۔ چنانچہ انہوں نے سمندر میں ایک رکاوٹ کھڑی کردی کہ جولہریں اٹھیں اس دیوار سے ٹکرا کر واپس چلی جائیں اور بندرگاہ کا پانی ساکن رہے۔ پانی تو ساکن ہو گیا لیکن ساتھ یہ بھی ہوا کہ اس میں موجود مچھلیاں مرنے لگیں اور پانی پر تیرنے لگیں۔ اہل مغرب کی تہذیب عجیب ہے۔ یہ انسانوں کو بے دریغ قتل کرتے ہیں۔ ایسی دوائیں بناتے ہیں جس سے انسان مرتے رہیں۔ ایسے ہتھیار بناتے ہیں جن سے انسانیت کا بے دریغ قتل ہو لیکن جانوروں کو مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔

جب مچھلیاں مرنے لگیں تو واویلا ہوا۔ مچھلیوں کے مرنے کی تحقیق کی گئی تو پتا چلا کہ دیوار بنانے سے سمندر کے مدوجزر بھی ختم ہو گئے تھے۔ جب سمندروں میں جوار بھاٹا آتا ہے تو نیچے کا پانی اوپر اور اوپر کا پانی نیچے چلا جاتا ہے۔ آکسیجن کی سطح درست رہتی ہے۔ دیوار کے بنانے سے پانی اوپر نیچے ہونے سے رو کا گیا۔ پانی میں آکسیجن کا ذخیرہ کم ہو گیا اور مچھلیاں مرنے لگیں۔ انہوں نے پھر وہ دیوار ہٹادی یہ تو ایک مثال تھی۔ ان کے اثرات سے زمین پر جتنی بھی تبدیلیاں آتی ہیں ان سے بالآخر انسان ہی استفادہ کرتا ہے۔ اسی طرح ساری مخلوقات سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے کسی پر سواری کرتا ہے۔ کسی کا گوشت استعمال کرتا ہے، کسی کی کھال سے استعمال کی مصنوعات بناتا ہے۔ یہ سب اس کی مخلوق ہیں لیکن اس نے انسان کے تابع کر دیا تو جولوگ ذرا سا تفکر کرتے ہیں ان کے لیے ان میں اللہ کی عظمت کے بڑے دلائل ہیں۔ ان پر غور وفکر کریں تو دل اللہ کے احسنات پر تشکر سے بھر جاتا ہے لیکن وہ لوگ جو ذرا سمجھ رکھتے ہیں۔

## معاشرتی زندگی کے اصول:

فرمایا: قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴿۱۴﴾ آپ ایمان والوں سے فرمادیجیے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے تاکہ وہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے۔

اللہ کریم نے معاشرتی زندگی کے بہترین اصول ارشاد فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ جو ایمان لے آئے ہیں، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن تھام لیا ہے ان سے فرما دیجیے کہ جو لوگ اللہ کے احسانات کو نہیں مانتے۔ اس کی عظمت پر یقین نہیں رکھتے ان کے ساتھ روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں مت الجھیں۔ انہیں برداشت کریں۔

معاشرتی زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھایا گیا۔ معاشرے میں مل جل کر رہنا، انسانی ضرورت ہے اس میں اصول یہ ہے کہ کہیں درگزر کیا جائے اور کہیں سزا دی جائے۔ ان دونوں حالتوں کے اپنے قرینے ہیں۔ جہاں معاشرتی جرم سرزد ہوگا وہاں اصول یہ ہے کہ قانون کے مطابق سزا دی جائے۔ معاشرتی جرم کیا ہے؟ کسی کو پیٹنا، زخمی کر دینا۔ کسی کو نقصان پہنچانا، کسی کی چوری کر لیا، کسی کا مال چھین لینا، آبرو برباد کر دینا، قتل کر دینا۔ یہ معاشرتی جرائم ہیں۔ ان جرائم پر معاشرے کا ہر فرد گرفت نہیں کر سکتا۔ حکومت کا متعلقہ ادارہ اس کا محاسبہ کرے اور اسے سزا دے۔

دوسری صورت روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے معاملات ہیں۔ ان میں واضح اصول ہے کہ کفار کی شرارتوں سے نہ گھبرائیں۔ ان سے جھگڑا نہ کریں۔ درگزر کریں۔ یہاں اصول یہ ہے کہ کسی کا عقیدہ اللہ کے بارے صحیح نہیں۔ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے صحیح عقیدہ نہیں رکھتا، دین کو نہیں مانتا تو اسے برداشت کریں۔ اس کا محاسبہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جو غلط عقیدہ رکھنا چاہتا ہے اسے اللہ نے انتخاب کا حق دیا ہے، اختیار دیا ہے۔ وہ اپنے اختیار کو استعمال کر کے گمراہ رہنا چاہتا ہے تو رہے۔ تم اس سے تعلق نہ رکھو۔ فرمایا، اس نے میری بارگاہ میں آنا ہے۔ اس کا حساب میں خود لوں گا۔

جس نے اسے پیدا کیا، رزق دیا، عقل و شعور دیا، بے شمار نعمتیں دیں جب اس کا احسان نہیں مانا جائے گا تو وہ خود پوچھے گا۔ اب بھلا یہ کہاں گنجائش نکلتی ہے کہ کوئی بندہ بندوق اٹھالے اور قتل کرنا شروع کر دے کہ فلاں کو بھی مار دو، فلاں پر گولی چلا دو کہ اس کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی جرم کرے گا قانون توڑے گا تو انصاف کے لیے قائم حکومتی ادارے اس سے پوچھیں گے۔ عوام منصف بن کر سزا نہیں دے سکتے۔ اگر کسی کا عقیدہ غلط ہے تو اسے وہ پوچھے گا جو ان کا خالق و مالک ہے۔ وہی ان سے برے عقیدے کا حساب لے گا۔ لوگوں میں سے کوئی ان پر بم نہیں چلا سکتا، قتل نہیں کر سکتا، کسی کو عقیدہ بدلنے پر زبردستی نہیں کر سکتا۔

عجیب بات ہے دہشت گردی کو اسلام سے کیسے جوڑا جا سکتا ہے؟ اللہ کریم تو اسلامی معاشرے میں رہنے والوں سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کی وساطت سے کہہ رہے ہیں کہ مومنین سے کہیے کہ جو کافر اسلامی معاشرے میں رہتے ہیں، یہ تو اللہ کے جزا و سزا کے معاملات پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ ان سے حسنِ اخلاق کی کیا توقع؟ ان سے ان کا مالک ہی حساب لے گا۔ ان سے درگزر کیجیے تاکہ اللہ ان سے انصاف کرے۔ ان کے عقیدے، ان کی

سوچ وفکر، ان کے عمل کی جزا وسزا دینا اس کا کام ہے جس نے انہیں پیدا کیا۔ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ جو کافر اسلامی معاشرے میں رہیں ان کو ان کے انسانی حقوق عطا کرے۔ ان کی جان، مال، آبرو کی حفاظت کرے۔ صحت اور تعلیم مہیا کرے رزق کے وسائل کھلے رکھے۔ اسلام میں کسی کے ساتھ زبردستی کی گنجائش نہیں۔ عقیدے کے اعتبار سے نہ عمل کے اعتبار سے۔ عقیدے کے بارے اللہ کریم خود پوچھیں گے۔ اعمال وکردار میں جرم کرے گا تو حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہوگی کہ اس سے باز پرس کرے۔ حکومت نہیں پوچھے گی تو حکومت سے بھی اللہ پوچھ لیں گے کہ اس نے انصاف کیوں نہیں کیا۔

فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٥﴾ جو نیک عمل کرے گا تو اپنے لیے اور جو برا کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔ پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

اصولی بات یہ ہے کہ قانون الٰہی ہے کہ نیکی کرنے والے کو اپنی نیکی کا فائدہ پہنچ کر رہتا ہے اور برائی کرنے والے پر اس کی برائی کا وبال ضرور آتا ہے۔ جو ایمان لاتا ہے، عبادت کرتا ہے تو اپنے لیے کرتا ہے، کسی پر احسان نہیں کرتا اور جو ایمان نہیں لاتا، جس کا عقیدہ صحیح نہیں، اعمال غلط ہیں تو اس نے برے عقیدے اور برائی کی سزا خود پانی ہے۔ جو نیکی کرے گا وہ اپنے لیے کر رہا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ خود بھگتے گا۔ فرمایا، اور یہ بات طے ہے کہ تم سب نے واپس اس کی بارگاہ میں جوابدہی کے لیے حاضر ہونا ہے۔ مومن بھی کافر بھی، نیک بھی بدکار بھی، چھوٹا بڑا عالم جاہل، مرد عورت ساری مخلوق اس کی بارگاہ میں حاضر ہوگی تو وہ سب کو خود دیکھ لے گا، ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا ضرور دے گا۔

## انسانی مزاج یہ ہے۔۔۔:

انسانی مزاج پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ جب یہ عظمتِ الٰہی سے ناآشنا ہوتا ہے تو پھر اسے اپنی بڑائی کی فکر پڑ جاتی ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ میں سب سے بڑا ہوں جو میں کہتا ہوں وہ سب کو ماننا چاہیے۔ جو میں کہوں وہ سب کو کرنا چاہیے۔ میری ہی رائے مانی جائے۔ فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائی اور انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں اور انہیں اہلِ عالم پر فضیلت بخشی۔

فرمایا، ہم نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کی حد کر دی۔ ظاہری نعمتوں سے نوازا اور معنوی نعمتوں سے بھی

نوازا۔ انہیں کھانے پینے، لباس سے لے کر تمام ضروریاتِ زندگی اعلیٰ درجے کی عطا فرمائیں۔ فرعون کی غلامی سے چھڑا کر حکومت عطا کر دی۔ اور سب سے بڑی نعمت ان میں اپنا اولوالعزم رسول موسیٰ علیہ السلام مبعوث فرما دیے۔ نبوت عطا کی، سلطنت بھی دی اور حکومت بھی عطا کی۔ یعنی دنیا میں جو نعمتیں عطا ہو سکتی ہیں، ان کی بنی اسرائیل پر انتہا کر دی۔ اس عہد کی، اس زمانے کی اقوامِ عالم پر انہیں فضیلت دے دی۔ ان پر اتنی نعمتیں یکجا کر دیں کہ اس زمانے کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿17﴾ اور ان کو دین کے بارے دلیلیں عطا کیں۔ پھر علم آچکنے کے بعد انہوں نے آپس کی ضد سے باہم اختلاف کیا۔ بے شک آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے فیصلہ کرے گا۔

فرمایا، ہم نے انہیں دین کے بارے واضح دلائل عطا فرمائے۔ اللہ کی کتاب ہو، اس کو بیان کرنے والا اللہ کا رسول ہو پھر اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے۔ ہمارے اتنے احسانات کے بعد بنی اسرائیل نے کیا کیا؟ اختلافات کی نذر ہو گئے۔ دین سے ہٹ گئے۔ مختلف عقائد، مختلف کردار بن گئے۔ علم آنے کے بعد فرقہ فرقہ کیوں ہو گئے؟

اس کی وجہ محض اپنی بڑائی چاہنا ہے اپنی بڑائی کے لیے وہ فرقوں میں بٹ گئے۔ اپنی بات منوانا چاہی کہ چونکہ میں کہہ رہا ہوں اس لیے سب کو ماننی چاہیے۔ اس پر نہ رہے کہ وہ مانا جائے جو اللہ فرماتے ہیں وہ مانا جائے، جو اللہ کے پیغمبرؑ فرماتے ہیں وہ مانا جائے، جانتے بوجھتے ہوئے فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک دوسرے سے بغاوت کر کے ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے۔ لیکن یاد رکھو! فیصلے کا دن آرہا ہے۔ آپ کا ربّ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔

یہاں صفتِ ربوبیت یاد دلائی جا رہی ہے کہ ربّ وہی ہے جو وسائل پیدا کرتا ہے اور ان پر نتائج بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ راہنمائی فرماتا ہے تو اعمال کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔ فیصلہ بھی وہی فرمائے گا۔ فیصلہ بھی اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ جس طرح وہ بیج پر پھل لگاتا ہے۔ دانے سے فصل اگاتا ہے، قطرۂ آب سے حیات بخشتا ہے اسی طرح ہر عقیدے پر نتیجہ عطا کرنا بھی اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ قیامت کے دن بڑے انصاف سے صحیح صحیح فیصلہ فرما دیں گے۔ طے ہو جائے گا کہ حق کیا ہے، باطل کیا ہے؟ حق پر انعاماتِ باری عطا ہوں گے، باطل کو سزا ہو گی۔

یہاں تک بنی اسرائیل کا تذکرہ ہوا۔ اگلی آیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی بات ہو رہی ہے۔ درحقیقت دینِ حق اسلام اوّل دن سے اسلام ہی ہے۔ آدم علیہ السلام سے بعثتِ عالی تک تمام انبیاؑ اسلام ہی پیش فرماتے رہے۔ تمام انبیاؑ کی نبوت میں اصولِ دین ایک ہی رہے۔ احکام تبدیل ہوتے رہے۔ ہر عہد، ہر دور کی

ضرورت کے مطابق احکام نازل کیے گئے نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلّم کے مبعوث ہونے کے بعد احکام میں صرف اسلام پر عمل ہوگا۔اب صرف شریعت مطہرہ پر عمل ہوگا۔

فرمایا:ثُمَّ جَعَلۡنٰكَ عَلٰى شَرِيۡعَةٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡهَا وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸﴾

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلتے جایئے اور ان جاہلوں کی خواہشوں پر مت چلیے۔

فرمایا، اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلّم!) ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بہت خوبصورت طرزِ حیات عطا فرما دیا ہے جو عقائد سے لے کر اعمال تک کو محیط ہے۔عقیدہ بنیاد ہے جسے ایمان کہتے ہیں۔عمل اس کا گواہ ہے۔ایمان کے ہونے کی گواہی بندے کے اعمال دیتے ہیں۔جیسے میں کسی سے کہوں کہ مجھے پانی لا دو۔وہ کہے ابھی لا کر دیتا ہوں لیکن لائے نہیں۔تو کیا اس نے بات مانی؟ زبانی کہہ دیا،عملاً نہیں مانا۔اس کا مطلب ہے نہیں مانا۔اسی طرح زبانی کہہ دینا میں مسلمان ہوں لیکن اسلام پر عمل نہ کرنا۔یہ ظاہر کرتا ہے کہ زبانی مانتا ہے عملاً نہیں مانتا۔بندہ تو یہ برداشت نہیں کرتا کہ کہہ کر بیٹھا ہوا ہے لیکن پانی نہیں لا رہا۔اللہ ایسا کریم ہے کہ اس کے زبانی کہہ دینے کو بھی ضائع نہیں فرماتا۔اس پر بھی اجر دیتا ہے۔بندے کو چاہیے کہ جہاں اس نے 'ہاں' کی ہے وہاں 'ہاں' کرے۔اپنے زبانی کہنے کو عمل سے ثابت کرے۔

فرمایا:فَاتَّبِعۡهَا۔۔۔آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم)اس شریعتِ مطہرہ کا اتباع کیجیے۔اس پر قائم رہیے۔یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کیا گیا ہے۔قرآن کریم میں جہاں یہ اندازِ تخاطب آتا ہے وہاں اس قانون کی اہمیت واضح کرنے کے لیے آتا ہے۔اس امت کو تاکید ہوتی ہے کہ پوری امت یہ جان لے کہ جو حکم آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم کو مخاطب کر کے دیا جا رہا ہے اس کی سخت ترین پابندی ہر اُمتی کے لیے لازم ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی وساطت سے یہ اُمت کو سنایا جا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے طریقے کو لازم پکڑ لو۔جاہلوں کی پروا نہ کرو نہ ان کے پیچھے جاؤ۔دین کے خلاف دانشوری بگھارنے والے جاہل ہیں،جاہل کسے کہتے ہیں؟ جو کام نہ جانتا ہو۔ایک شعبے میں قابل ہو دوسرے میں جاہل ہو۔جیسے ایک آدمی بہت عالم فاضل ہو لیکن اسے گاڑی چلانا نہیں آتی تو ڈرائیونگ کے معاملے میں وہ جاہل ہے۔اسی طرح ماسٹرز کی ڈگریاں رکھنے والے پی ایچ ڈی کر لینے والے کو اگر اللہ کا پتا ہو نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا۔دین کا نہ آخرت کا تو جن مضامین میں وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکا ہے ان کا تو وہ عالم ہوگا لیکن دین کے معاملے میں وہ جاہل ہی ہوگا۔جو لوگ عظمتِ الٰہی سے ناآشنا ہیں۔معاشرے میں بدعقیدگی،برائی اور بےحیائی پھیلاتے ہیں یہ جاہل ہیں،ان کی فضول باتوں پر کان نہ دھریں۔

آج سب سے بڑی شکایت ہی یہ ہوتی ہے کہ کیا کریں زمانہ ہی ایسا ہے! معاشرہ ہی ایسا ہے، میڈیا، ماحول، موبائل، انٹرنیٹ، ہر طرف بے حیائی ہے تو ہم کیا کریں؟ اللہ کریم نے آسان سانسخہ بتا دیا کہ جو بات دین کے خلاف ہے وہ نہ سنو، پروا نہ کرو۔ پھر کیسی عجیب بات ہے کہ لوگ معاشرے کی برائی لے لیتے ہیں، دین کی پروا چھوڑ دیتے ہیں۔ معاشرے سے باطل کو لے لیتے ہیں اور اللہ کے دین اور شریعتِ مطہرہ کو چھوڑ دیتے ہیں حکم تو یہ دیا جا رہا ہے کہ جاہل لوگوں کو چھوڑ دو وہ اپنا انجام پا لیں گے۔ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے چلتے رہو، معاشرہ تمہارا کیا بگاڑ لے گا۔

إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾ یقیناً یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہیں آسکتے اور یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کے دوست ہیں۔

معاشرے کے بے دین، دیدہ دلیر، گناہوں پر ڈٹے ہوئے یہ لوگ، اللہ کی بارگاہ میں تمہارے کسی کام نہ آئیں گے۔ اللہ کا دین، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم، محاسبے کے وقت تمہارے ساتھ کھڑے ہوں گے، تمہاری حمایت کریں گے، تمہاری سفارش کریں گے، تمہارے کام آئیں گے۔ یہ بے دین، بے حیائی، بے دینی کی طرف راغب کرنے والے لوگ۔ یہ فضول بحثیں کرنے والے صحافی، دانشور، برائی پھیلانے والے لوگ نہ یہاں تمہارا کچھ سنوار سکتے ہیں نہ حساب کے دن تمہارا ساتھ دیں گے تو پھر ان کا دامن کیوں تھامتے ہو؟ یہ کیسی شکایت ہے کہ معاشرہ ہی ایسا ہے! معاشرہ تمہیں کیوں بدلتا ہے، تم معاشرے کو کیوں نہیں بدلتے؟

ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ دنیا میں بدکار، بدکاروں کی حمایت کرتے ہیں، چور ڈاکو اپنے جیسوں کا ساتھ دیتے ہیں، ظالم، ظالموں کا ساتھ نبھاتے ہیں۔ ان کی دوستی اپنے ہم خیال لوگوں سے ہی ہوتی ہے۔ قیامت میں تو یہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

اور جو اللہ کا دین تھام لیتے ہیں، اللہ ان کا دوست ہے۔ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾ اگر کافر، کافر سے دوستی نبھاتا ہے تو تم کیوں گھبراتے ہو؟ تم نے دین کا دامن تھاما ہے تو پھر اللہ تمہارا دوست ہے، تمہیں کس بات کا غم؟

ہم کیسے مسلمان ہیں اور ہماری کیسی مسلمانی ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ فلاں ملک فلاں سے مل گیا ہے بہت خطرہ ہے۔ اگر ہمارا دامن صاف ہے، ہم نے دامانِ رسالت تھاما ہوا ہے تو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر ہم شکوے کیوں کرتے ہیں؟ ہم نے ادھر تو نبھایا نہیں۔ اللہ سے وفا کی نہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے نہ اللہ کے قرآن سے اور اسی بات پر رہے کہ کافر طاقتیں ہمارا ساتھ کیوں نہیں دیتیں! قرآن حکیم واضح اصول بتا رہا ہے کہ کافر کافر کا ساتھ دے گا۔

ظالم، ظالم سے دوستی کرے گا۔ بُرا بُرے سے تعاون کرے گا۔ اور جو لوگ دامانِ رسالت تھام کر، خلوص سے اس پر عمل کرتے ہیں ان سے اللہ دوستی کرتا ہے۔ اللہ، ہر مسلمان کا دوست ہے۔ ہر مسلمان ولی اللہ ہے بشرطیکہ اس کا عقیدہ بھی درست ہو، عمل بھی پوری کوشش اور دیانتداری سے کرے۔ ولایت کا ایک درجہ ہر بندۂ مومن کو حاصل ہے۔ اب اس سے ترقی کرے، برکات حاصل کرے، خلوص پیدا کرے تو اور بات ہے لیکن بنیادی طور پر ہر مومن ولی اللہ ہے۔

## اہلِ یقین کے لیے رحمت کا سبب:

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۲۰ (قرآن) لوگوں کے لیے دانائی کی باتیں ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے ہدایت اور رحمت۔

فرمایا، قرآنِ حکیم، یہ ارشاداتِ باری، ان کی تشریح، سنتِ نبوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات عالیہ، یہ کیا ہیں؟ یہی بصائر ہیں! لوگوں کی آنکھیں کھولنے والی چیز ہے۔ یہی بصیرت ہے، یہی دانائی ہے، یہی دنیا کے ہر کام کرنے کا صحیح طریقہ ہے اور یہ رحمت ہے۔ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتائے ہوئے پر عقیدہ رکھنا اور عمل کرنا، اللہ کی رحمت کے حصول کا سبب ہے۔ صرف دنیوی راحت وسکون نہیں، دنیوی فائدے ہی نہیں، اخروی کامیابیاں، اخروی راحتیں بھی اسی کے سبب ہیں۔

لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ لیکن یہ ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جنہیں دولتِ یقین نصیب ہو۔ جو یقین کی دولت سے مالا مال ہوں۔ جو دامانِ رسالت کو پورے یقین سے تھامتے ہیں۔ اعتبار کے اعلیٰ درجے کو یقین کہتے ہیں۔ اعتبار کر لینا ایک بات ہے اور اعتبار سے بڑھ کر یقین کرنا دوسری بات ہے۔ اعتبار مان لینا لیکن یہ خیال آجائے کہ کہیں گڑبڑ نہ ہو تو وہ یقین نہیں۔ جب بات پر دل مطمئن ہو، کوئی کھٹکا نہ ہو تب یقین ہے۔

فرمایا، جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے سچ فرمایا ہے انہیں چشم کشائی نصیب ہوتی ہے، ہدایت نصیب ہوتی ہے، رحمتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے اور جن کے دل میں یہ بات ہے کہ کلمہ تو پڑھ لیا ہے پتا نہیں آگے کیا ہوگا، آگے جائیں گے تو دیکھیں گے، انہیں سمجھ نہیں آتی۔ ان کی بصیرت کھلتی ہے نہ انہیں ہدایت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی وہ رحمتِ الٰہی کو پا سکتے ہیں۔

## بھلائی اور برائی کا اپنا اپنا انجام:

ہر کام کا اپنا نتیجہ ہوگا۔ فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۲۱ یہ لوگ جو بُرے کام کرتے

ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اُن کو اُن لوگوں جیسا کر دیں گے۔ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کی زندگی اور موت ایک جیسی ہوگی۔ یہ لوگ بہت بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔

کفار و مشرکین کہتے تھے کہ آپ ہمیں اللہ کے عذابوں سے ڈراتے ہیں لیکن اللہ نے تو ہمیں بہت کچھ دے رکھا ہے۔ دولت، اقتدار، اولاد، صحت کیا نہیں ہے۔ اگر کوئی قیامت ہے اور اگلی زندگی ہے تو وہاں بھی وہ ہمیں ہی دے گا۔ فرمایا، ان کا یہ خیال باطل ہے کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان لانے والے، نیک عمل کرنے والے اور وہ جنہوں نے کفر کیا، برائی کی وہ ایک جیسے انجام کو پہنچیں گے؟ ہرگز نہیں۔ ایمان والوں کا اپنا انجام خیر ہوگا اور کفر و برائی کرنے والوں کا انجامِ بد ہوگا۔ ایمان کا اپنا نتیجہ ہوگا اور کفر اپنے نتائج بھگتے گا یہ تو موت کے بعد کی بات ہے۔ اس پر یقین تو تب آتا ہے جب کسی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر یقین و اعتبار آئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت اتنی مضبوط ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر وحی نازل ہوتی تھی تو کوئی دوسرا گواہ نہیں کہ وہ سن کر کہے کہ یہی وحی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت پر صرف اللہ کی گواہی کافی ہے۔ اللہ فرماتا ہے میں خود گواہ کافی ہوں۔

جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لا کر اطاعت کی، یہ کافر کہتے ہیں کہ موت کے بعد کی زندگی اگر ہے تو پھر بھی انہیں ہی وہاں کی نعمتیں ملیں گی۔ کیسے جاہل ہیں! تم آخرت کی بات کرتے ہو، دنیا میں ہی دیکھ لو کیا کافر اور مومن کی زندگی ایک جیسی ہے؟ مومن غریب بھی ہو تو اس کے دل میں سکون ہوتا ہے۔ کافر، بادشاہ بھی ہو تو اس کا دل بے سکون رہتا ہے۔ زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ نافرمانوں کے دکھ بہت عجیب ہوتے ہیں۔ آرام دہ بستروں پر نیند نہیں آتی! کیونکہ ان کے باطن میں چین نہیں ہوتا۔ مومن اور کافر کی تو دنیا کی زندگی ایک جیسی نہیں تو آخرت کیسے ایک جیسی ہوگی؟

# سورۃ الجاثیہ رکوع 3 آیات 22 تا 26

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَلِتُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍ بِمَا كَسَبَتۡ
وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰٮهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ
وَّخَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ
اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوۡا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا
وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا
يَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا
ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ
يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر کوئی زیادتی نہ کی جائے گی ﴿۲۲﴾ بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا اور اللہ نے اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے سو ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت کرے کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ ﴿۲۳﴾ اور کہتے ہیں یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے ہم (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو صرف زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں مگر وہ صرف ایسا گمان کرتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور جب ان پر ہماری صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کا صرف یہ جواب ہوتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے

باپ دادوں کو (زندہ کر کے) سامنے لاؤ ﴿۲۵﴾ فرما دیجیے کہ اللہ تم کو زندہ رکھتے ہیں پھر تم کو موت دیں گے پھر قیامت کے دن جس میں ذرا شک نہیں تم کو جمع فرمائیں گے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۲۶﴾

# تفسیر و معارف

## ہر چیز عدل پر قائم ہے لہٰذا انسانی کردار کے ساتھ عدل ہوگا:

ارشادِ باری ہے: وَخَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۔۔۔ کہ ذرا اس کائنات کے نظام پر غور کرو۔ کیا اس کا ایک ایک لمحہ انصاف عدل اور توازن پر برقرار نہیں؟ کائنات کی کوئی شے، کوئی سورج، کوئی ستارہ، کوئی سیارہ، کوئی جھونکا ہوا کا، کوئی قطرہ پانی کا بغیر کسی پروگرام کے اپنی مرضی سے چلتا ہے؟ کوئی ذرّہ اپنی مرضی سے حرکت نہیں کرتا اور یہ اتنا خوبصورت اور اتنا متوازن نظام ہے کہ جس میں کوئی شخص مزید بہتری کی تجویز پیش نہیں کر سکتا یعنی سارا نظامِ کائنات عدل پر قائم ہے۔ گرمیاں آتی ہیں، دوست شکایت کرتے ہیں آج بڑی گرمی ہے تو میں صرف یہ جواب دیتا ہوں کہ گرمیوں میں گرمی ہی ہوا کرتی ہے آپ گرمیوں میں سردی کیوں تلاش کرتے ہیں؟ سردیاں آتی ہیں تو شکایت ہوتی ہے آج سردی بہت زیادہ ہے تو میں یہی کہا کرتا ہوں کہ سردیوں میں سردی ہی ہونی چاہیے۔ یہی تقاضا ہے عدل کا انصاف کا۔ گرمیوں میں سردی آجائے، سردیوں میں گرمی لگے تو یہ اُس کے خلاف ہے، یہ عدل کے خلاف ہے۔ ہر ذرّہ ہوا کا ایک جھونکا، پانی کا ایک قطرہ، آسمانوں کی بناوٹ، ستارے، سیارے، ستاروں سب کا زمین سے تعلق ہے، اُن کے اثرات زمین تک پہنچتے ہیں بلکہ وہاں تک بھی جو خود انسان کے وجود کے اندر ہے جسے ہر بندہ استعمال کر رہا ہے۔ پھر ارض و سما کی وسعتیں، کائنات کا نظام ایک ایک ستارے، ایک ایک سیارے کی حرکت اُن کے مقرر راستے۔ ایک ستارہ ایک سیارہ اپنے مقرر راستے سے ہٹ جائے تو ساری کائنات تباہ ہو جائے۔ ایک سے ٹکرائے وہ اگلے سے وہ اگلے سے ہر چیز تباہ ہو جائے۔ فرمایا، اس نظام پر غور کرو۔ جب اس سارے نظام میں عدل قائم ہے جس کی وجہ سے نظام چل رہا ہے تو تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ انسانی کردار میں عدل نہیں ہوگا؟ انسان ایک واحد مخلوق ہے جسے اللہ نے اختیار دیا ہے باقی کسی مخلوق کے پاس کوئی اختیار نہیں جس کام پر اُسے لگا دیا ہے وہ کر رہے ہیں۔ ایک چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، فطری جذبات جو اُس میں رکھ دیے ہیں وہ ان کے مطابق چل رہا ہے۔ شہد کی مکھی کتنی کاریگر ہے۔ عجیب بات ہے ہمیں تو نظر نہیں آتا اُس پھول کو نچوڑ لو تو کوئی شہد نہیں بنتا۔ جن پھولوں سے رس لے کر وہ

شہد بناتی ہے اُنہی پھولوں کو ابال لیں، کاڑھ لیں کسی طریقے سے رس نکال لیں تو کوئی شہد نہیں بنتا۔ اللہ نے یہ کاریگری اُسی کو دی ہے لیکن کیا وہ کوئی اور کام کر سکتی ہے؟ چھتہ بنائے گی، بچے پالے گی، شہد بنائے گی بڑی کاریگر ہے لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ کر سکتی ہے؟ نہیں۔ جو فطرت میں رکھ دیا، جس کام پر لگا دیا وہ کر رہی ہے۔ اُس کے علاوہ اُسے خبر ہی نہیں کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا۔ کائنات کی جتنی چیزیں ہیں، حیوانات، چرندے پرندذرّات، پتے، درخت ہر چیز اپنا اپنا کام کر رہی ہے BOTANY والے کہتے ہیں کہ ہر پتے میں ایک بھٹّی لگی ہوئی ہے۔ درخت کے ہر پتے میں بھٹّی ہے۔ زمین سے جڑ غذا لیتی ہے تو وہ سیدھی پتے میں جاتی ہے وہاں جا کر پکتی ہے۔ اُسے پختہ کیا جاتا ہے۔ اُس میں سے اصل جو درخت کے کام کا ہے وہ رس نکالا جاتا ہے۔ پھر وہ تقسیم ہوتا ہے۔ جڑ کا حصہ پھر واپس جڑ کو جاتا ہے جس سے جڑ آگے اور پھیلتی ہے۔ تنے کا تنے کو، شاخوں کا شاخوں کو، پتوں کا پتوں کو، پھول کا پھول کو، پھل کا پھل کو۔ کوئی کہیں کبھی گڑ بڑ ہوئی ہے کہ جس درخت پر انگور لگنے تھے اُس پر انار لگ جائیں یا جس پر انار لگنے تھے اُس پر آم اُگ آئیں۔ کوئی ذرا کہیں گڑ بڑ ہو گندم کے خوشوں میں جَو کے دانے نکل آئیں، جَو کے خوشوں میں چنوں کے، کبھی ہوئی ہے گڑ بڑ؟ تو پھر تم نے کیسے سوچ لیا کہ تم برائی کرو گے تو اُس پر انعام ملے گا یا پوچھے گا کوئی نہیں یا نیکی کرو گے تو ضائع ہو جائے گی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نظام کو نہیں دیکھتے؟ یہ سارا عدل پر قائم ہے۔ تم واحد مخلوق ہو جسے اُس نے اختیار دیا ہے کہ یہ راستہ بھلائی کا ہے یہ برائی کا ہے۔ فیصلہ تمہارا ہے اور تمہیں اختیار اس لیے دیا گیا ہے کہ انسان کے علاوہ ساری مخلوق حکم کی پابند ہے، حاکم کو نہیں جانتی واحد مخلوق ہے انسان جو ذاتِ باری کی طرف نگاہ کرتا ہے، اللہ کون ہے، کہاں ہے، اللہ کیسا ہے؟ انسان کے علاوہ کسی مخلوق میں یہ جرأت نہیں ہے۔

جب میری ذات پر نگاہ کرنا چاہتے ہو تو پھر میں نے اپنے مقابلے میں ایک بازار سجا دیا ہے۔ کہا جاتا ہے دنیا بڑی مردار ہے، دنیا بڑی بُری ہے حالانکہ دنیا تو بڑی خوبصورت ہے، دنیا اللہ کی نعمتوں سے پُر ہے۔ دنیا میں اتنی لذّتیں ہیں کہ قربِ باری اور وصالِ باری کی لذّتوں کو چھوڑ کر انسان اُس میں غرق ہو گیا۔ اِس لیے کہ مادّی نگاہ اور مادّی حسیات ہر بندے میں ہیں۔ ہر پیدا ہونے والے میں ہیں۔ اللہ کی ذات سے، اللہ کی برکات سے، اللہ کے تعارف سے، اُس کے جاننے سے، اُس کی عظمت سے روح کا تعلق ہے روح میں حیات نورِ ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔ جینے کے لیے صرف حیات نہیں چاہیے ایک شخص زندہ ہو اسے دکھائی بھی نہ دیتا ہو، سنائی بھی نہ دیتا ہو، اُٹھ بھی نہ سکتا ہو تو کیا زندگی ہے؟ حیات بھی چاہیے اور صحت بھی چاہیے۔ صحت آتی ہے اتباعِ رسالت سے روح میں زندگی آتی ہے ایمان لانے سے۔ اس کی صحت کا مدار ہے اتباعِ رسالت پر۔ اگر یہ دو نعمتیں نصیب ہو جائیں تو پھر تجلیاتِ باری کا ادراک ہر بندے کو اپنی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے اور جب اسے جمالِ باری کا ادراک ہوتا ہے، صفاتِ الٰہی کی کوئی

جھلک پاتا ہے، رحمتِ الٰہی کا کوئی جھونکا نصیب ہوتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی کیا حیثیت ہے! ایک شخص ساری عمر چنے ہی کھاتا رہے، چنے ہی کھاتا رہے، وہ کہتا ہے چنے بڑے لذیذ ہیں، طاقتور ہیں۔ کبھی اُسے گندم کی ایک روٹی کھلا دو پھر وہ کہے گا کھانا تو یہ ہے۔ ایک آدمی دال ساگ کھاتا رہے، وہ سمجھتا ہے دنیا میں دال ساگ ہی سب سے بہتر نعمت ہے۔ اسے کوئی اچھا سالن کھلا دو پھر اس کی آنکھیں کھلیں گی کہ کھانے کی چیز تو یہ تھی۔ جب روح میں حیات اور صحت آتی ہے تب پتا چلتا ہے کہ دنیا کی کیا حیثیت ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر دنیا ہی سب کچھ ہے ایک خلقِ خدا اس میں غرق ہو رہی ہے۔ دنیا عارضی ہے یہاں کی نعمتیں اللہ نے بنائی ہیں۔ استعمال کرنے کے لیے بنائی ہیں۔ ان میں کھو کر اللہ کو بھول جانا آخرت کی زندگی کو برباد کر دیتا ہے۔ فرمایا، یہ نظامِ کائنات دیکھو، یہ سارا عدل پر قائم ہے۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ جو تم کرو گے اُس پر عدل نہیں ہوگا؟ فرمایا: حَقِّ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۔۔۔ ہر نفس ہر جان ہر بندہ جو کرے گا اس کا بدلہ پائے گا، اس کا نتیجہ پائے گا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴿۲۲﴾ کسی کے ساتھ رائی برابر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ کسی سے زیادتی نہیں ہوگی کہ کسی کا نیک عمل ضائع کر دیا جائے یا کسی نے برائی کم کی تھی، سزا زیادہ دی جائے یا ایک کے گناہ دوسرے پر لاد دیے جائیں یا دوسرے کی نیکیاں کسی اور کو دی جائیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔ عدل ہوگا وہاں۔ عدل اور ظلم ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ جہاں سے عدل اٹھتا ہے وہاں ظلم ہوتا ہے۔ جہاں ظلم مٹتا ہے وہاں عدل آ جاتا ہے یہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں ایک دوسرے کے۔ عدل نہیں ہوگا تو ظلم ہوگا۔ ظلم نہیں ہوگا تو عدل ہوگا تو فرمایا، اس کی بارگاہ میں ظلم نہیں ہوگا، زیادتی نہیں ہوگی۔ غلط کام نہیں ہوگا۔

لیکن لوگوں کا کیا حال ہے؟ فرمایا، ہم نے تو انہیں معرفتِ الٰہی کی استعداد دی تھی۔ ہم نے تو یہ نعمت کائنات پر پیش کی، پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں پر پیش کی کہ ہے کوئی مخلوق میں جو اس امانت کو اُٹھا سکے؟ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا (الاحزاب: 74) یہ غلط کار اور ناعاقبت اندیش ہے۔ اس نے سینے سے تو لگا لی یہ نہیں سوچا کہ اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں! اس کا انجام کیا ہوگا! تو فرمایا جب ساری کائنات نظامِ عدل پر قائم ہے تو تمہارے کردار کا عدل کیسے نہیں ہے؟ یہ کیسے سوچ لیا تم نے؟ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۔۔۔ ہر ایک کا الگ الگ ہے، سوچ الگ ہے، عقیدہ الگ ہے، یقین اپنا اپنا ہے، کردار اپنا اپنا ہے، فکر اپنی اپنی ہے، اُس کے مطابق اُس کے ساتھ برتاؤ کیا جائے گا۔ زیادتی نہیں کی جائے گی۔ لیکن انہوں نے کیا کیا؟ ہم نے معرفتِ حق کی استعداد دی انہوں نے خواہشِ نفس کو معبود بنا لیا: اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۔۔۔ آپ دیکھتے ہیں جن لوگوں نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے، اس کی عبادت کرتے ہیں۔ میرے خیال میں روئے زمین پر کوئی ایسا بندہ نہیں ہوگا جو یہ اقرار کرے کہ میں خواہشِ نفس کی پوجا کرتا ہوں یا عبادت کرتا ہوں لیکن جو اللہ نے فرمایا وہ حق ہے۔

عبادت کسے کہتے ہیں؟ عبادت نام ہے اطاعت کا، غیر مشروط اطاعت۔ نفع کی اُمید یا نقصان کے ڈر سے اطاعت، یہ عبادت کہلاتی ہے نہیں کروں گا تو یہ نقصان ہوگا، کروں گا تو یہ فائدہ ہوگا لہٰذا کرنا چاہیے۔ یہ کیا ہے؟ عبادت! اللہ کے علاوہ، اللہ کا حکم چھوڑ کر اس کے حکم کے خلاف کسی کا بھی حکم مانا جائے کہ اس سے مجھے فائدہ ہوگا نہیں مانوں گا تو نقصان ہوگا یہ اسی کی عبادت ہے۔ فرمایا جب یہ خواہشِ نفس جو نفس میں پیدا ہوتی ہے۔ نفس خود ایک بخار ہے جو مادی اجزا کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے اس کا رجوع مادے کی طرف ہے۔ وہ مادی لذات کی طرف جاتا ہے۔ مادی حسن کی طرف جاتا ہے تو لوگ وہ اطاعت جو اللہ کے لیے تھی، اللہ کے احکام کو چھوڑ کر اس کی شروع کر دیتے ہیں تو گویا انہوں نے اپنے نفس کو معبود بنا رکھا ہے۔ بظاہر تو کوئی نہیں مانتا کہ میں نفس کی پوجا کرتا ہوں لیکن اکثریت پوجا نفس ہی کی کرتی ہے۔ فرمایا، کتنا بڑا جرم ہے کہ ہم نے تمہیں معرفتِ الٰہی کی استعداد دی، اسے ایک طرف پھینک کر تم نے نفس کی عبادت شروع کر دی! یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا کیا دی جاتی ہے؟ فرمایا، دنیا میں اس کی سزا یہ ہے: وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ۔۔۔ جانتے بوجھتے گمراہ ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ جانتا نہیں، جان رہا ہوتا ہے کہ یہ برائی ہے لیکن کر رہا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے۔ یہ قرآن نے معیار جو دیے ہیں، یہ ہر فرد کے اپنے لیے ہیں۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم یہ معیار دوسروں پر جانچتے ہیں کہ فلاں کیسا ہے! یہ مسئلہ فلاں کا اللہ کے ساتھ ہے۔ اللہ جانے اور فلاں جانے! ہمیں خود کو جاننا چاہیے کہ میں دن میں کتنے گناہ کرتا ہوں؟ اگر کرتا ہوں تو یہ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ یہ مجھے اللہ کریم کی طرف سے سزا ہے مجھے۔ مجھے توبہ کرنی چاہیے، رجوع الی اللہ کرنا چاہیے۔

اگر اس سے بھی بڑھتا ہے: وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ ۔۔۔ اُس کے کانوں پر مہر کر دیتا ہوں۔ وَقَلْبِهٖ ۔۔۔ دل پر مہر کر دیتا ہے۔ پھر دل میں نیکی جمتی نہیں، نورِ ایمان آتا ہی نہیں۔ دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے۔ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۔۔۔ اُس کی آنکھوں پر بھی پردہ ڈال دیتا ہے۔ دیکھتے، سنتے برائی میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۔۔۔ جب اللہ سے اُس کی بات اتنی بگڑ گئی اور اللہ کریم اتنے ناراض ہو گئے اور اسے احساس ہی نہیں ہوا پھر کائنات میں کوئی ہستی ہے جو اس کی راہنمائی کر سکے، ہدایت دے سکے؟ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اسے پھر کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تم نے کبھی سوچا نہیں، کبھی خیال نہیں کیا؟

ہم کہیں تھوڑی سی رقم INVEST کرتے ہیں، INVEST کرنے سے پہلے بھی سوچتے ہیں، دوستوں سے مشورہ کرتے ہیں۔ خود کمپیوٹر لے کر حساب کتاب نکالتے ہیں کہ اس سے مجھے یہ آمدن ہو، کوئی امید لگتی ہے کہ نفع دے گا تو کرتے ہیں نہیں تو نہیں کرتے۔ کہیں جانا ہوتا ہے تو سوچتے ہیں کتنا سفر کرنا ہے، کس کو ملنا ہے، کیا کام ہے۔ نہیں تو کیا

ضرورت ہے سفر کرنے کی؟ ارے! زندگی خرچ کر رہے ہو تم نے کبھی سوچا نہیں کہ لمحات ہاتھ سے نکلتے جارہے ہیں کہاں صرف ہو رہے ہیں، میں کیا کمار ہا ہوں، اُس کا مجھے منافع یا نقصان یا نفع کیا ہو رہا ہے؟ IN RETURN مجھے کیا مل رہا ہے؟ یا محض میں نے دن خرچ کرنے ہیں۔ضائع کرنے ہیں؟ یہ تو ایک ایک لمحہ قیمتی ہے: اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝۲۳ تم نے کبھی بیٹھ کر خیال نہیں کیا؟ تم نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی، کبھی سوچا نہیں؟

اندھا کہتا ہے کہ دنیا میں، کوئی کالا پیلا سفید نہیں ہے سب ایک سا ہے۔ سب اندھیرا ہی ہے، یہ بھی کہتے ہیں: وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا ۔۔۔کوئی نہیں جی بس یہی دنیا کی زندگی ہے، پیدا ہوئے ہیں کھایا پیا، موج کرلو، مر گئے قصہ ختم ہو گیا: نَمُوْتُ وَنَحْيَا ۔۔۔ہم پیدا ہوتے ہیں، مر جاتے ہیں بس: وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۔۔۔اور یہ مرورِ زمانہ جو ہے یہ ہمیں ہلاک کر دیتا ہے۔ وہ کسی نے کہا تھا:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے اُنھی اجزا کا پریشاں ہونا

ارے بھئی یہ بات تو آپ نے سمجھ لی کہ عناصر میں ترتیب آئی تو زندگی ہے بکھر گئی تو موت لیکن عناصر آئے کہاں سے، کس نے پیدا کیے ہیں؟ عناصر میں ترتیب کس نے پیدا کی، اور اُنہیں بکھیرتا کون ہے؟ دنیا کا کوئی کام از خود نہیں ہوتا تو انسانی عناصر از خود بن گئے؟

## دہر یا زمانہ کیا ہے؟

یہ کہتے ہیں ہمیں زمانہ مار دیتا ہے۔ زمانہ کیا ہے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں میری عظمت کا انکار کرتے ہیں اور میری جگہ زمانے کا نام لے لیتے ہیں، اللہ نہیں کہتے، زمانہ کہہ دیتے ہیں چونکہ یہ زمانے کو ہی خالق اور زمانے کو ہی موت اور حیات کا مالک بنا لیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا ہے کہ لوگ کہتے ہیں زمانہ بڑا بُرا ہے لیکن زمانے کو بُرا نہ کہو اللہ کے اسمائے الٰہی میں دہر اللہ کا نام نہیں ہے لیکن دہریوں نے اللہ کا نام رکھا ہوا ہے۔'زمانہ'۔ جب یہ کہتے ہیں زمانہ ہمیں پیدا کرتا ہے تو مراد اللہ ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ زمانہ از خود تو کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیا ہے زمانہ، یہ بھی تو خود مخلوق ہے۔ زمانے کو کس نے بنایا، اسے کون کنٹرول کرتا ہے، کون چلاتا ہے؟ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۔۔۔علم میں سے کوئی ذرہ ان کے پاس نہیں ہے۔ سب سے بڑی حقیقت، سب سے بڑی صداقت، اللہ کی ذات ہے۔ وہ جس نے اللہ ہی کو نہ جانا پھر وہ پڑھتا رہے، سائنس سیکھ لے، کاریگری، اُس نے کیا جانا؟ اب دن ہے، ایک بندے کو یہ ادراک ہی نہ ہو کہ دن ہے یا سورج نکلا ہوا ہے تو آپ کہیں یہ بڑا جانتا ہے۔ کیا جانتا ہے بھئی؟

اسے جاہل کہا جائے گا فرمایا دن تو مخلوق ہے، جو خالق ہی سے نا آشنا ہے اُس نے کیا پڑھا، کیا سمجھا، کیا جانا؟ فرمایا: وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۔۔۔ان حقائق کے بارے میں یہ جاہل ہیں ان کا علم ہی نہیں ہے۔ یہ نہیں جانتے: اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ یہ محض گمان کے گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں۔ گمان کرتے رہتے ہیں، یہ ہوگا، یہ ہوسکتا ہے۔ یہ نہیں ہوگا، یہ کیسے ہوگا یہ کیوں ہوگا! بس اسی میں عمر ضائع کر دیتے ہیں۔

## جاہل کج بحثی کرتا ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ فرمایا، ان کی جہالت دیکھو جب انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ نظامِ کائنات عدل پر قائم ہے اس لیے انسان کے ساتھ بھی عدل ہوگا۔ اس کی زندگی ختم ہوگی تو دارِ عمل سے جائے گا۔ دارِ عمل میں کوئی نیکی کر رہا ہے یا برائی کر رہا ہے تو ایک عمل کر رہا ہے۔ وہ ایک چیز خرید رہا ہے۔ قیامت قائم ہوگی۔ انہیں زندہ کیا جائے گا۔ جو کچھ جس نے خریدا ہے وہ اس کو دے دیا جائے گا۔ دنیا کے بازار سے وہ جو لایا ہے، وہ اسے دے دیا جائے گا اگر برائی لایا ہے تو سزا پائے گا۔ نیکی لایا ہے تو جزا پائے گا۔ جب یہ بات کی جاتی ہے تو یہ کہتے ہیں، ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر دوبارہ زندگی ہے تو ہمارے آباو اجداد کو زندہ کر کے دکھاؤ۔ قرآن فرماتا ہے جاہلو! یہ تو بات ہی نہیں ہو رہی کہ جو مر گئے ہیں وہ دوبارہ اس دنیا میں زندہ ہوں گے۔ یہ دلیل تو تم تب پیش کرتے جب یہ بات ہوتی کہ جو مر گئے ہیں اُنہیں اسی دنیا میں زندہ کر کے یہاں حساب ہو بات یہ ہو رہی ہے کہ مرنے کے بعد یہ جہان بھی ختم ہو جائے گا۔ زمینیں، آسمان، سورج، چاند، ستارے، ہوائیں، یہ زمانہ یہ سارے ہر چیز ختم ہو جائے گی۔ پھر زندہ کر کے میدانِ حشر میں لایا جائے گا اُس کے خلاف کوئی دلیل پیش کرو۔ یہاں کی تو بات ہی نہیں ہو رہی، یہ تو کج بحثی ہے۔ یہ تو بحث نہیں ہے یہ تو کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہاں آنے کی بات کس نے کی؟ قرآن نے کی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، اللہ نے کی؟ کسی نے نہیں کی۔ بات یہ ہو رہی ہے کہ یہ نظام لپیٹ دیا جائے گا: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ (سورۃ ابراہیم: 48) زمین بدل دی جائے گی، یہ نہیں ہوگی۔ اُس میں نہ پہاڑ ہوگا نہ دریا ہوگا نہ کوئی سمندر ہوگا، نہ کوئی نشیب ہوگا، نہ کوئی فراز ہوگا۔ ایک چٹیل میدان ہوگا۔ ساری مخلوق جمع کی جائے گی اُس کے بارے تمہاری کیا دلیل ہے؟ قرآن نے تو دلیل دی ہے کہ ہر چیز عدل پر قائم ہے لہٰذا انسانی کردار کے ساتھ بھی عدل ہوگا۔ تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ لیکن یہ لوگ تو محض کج بحثی کرتے ہیں۔

انہیں فرما دیجیے: قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ۔۔۔ فرما دیجیے کہ اللہ تم کو زندہ رکھتے ہیں۔ وہ اللہ ہے جو تمہیں حیات

دیتا ہے۔ بے جان ذراتِ خاکی کو مختلف تجربات سے گزارتا ہے۔ ایک لمبے PROCESS سے گزار کر تمہارے وجود کو بناتا ہے۔ اس کی نشوونما کا اہتمام کرتا ہے۔ درجہ بدرجہ بچے سے جوان بناتا ہے۔ جو اپنا نظام اتنی باریک بینی سے چلا رہا ہے وہ ایسا ہی قادر ہے کہ تمہیں مارنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔ اس کے لیے کچھ مشکل نہیں! تم بتاؤ، تم اپنی حیات کہاں سے لائے ہو۔ وہی تمہیں زندگی عطا کرتا ہے ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ۔۔۔ پھر تم کو موت دیں گے۔ اگر کسی کا بس ہے تو کوئی نہ مر کے دکھائے۔ کر لو ضد مقابلہ کر لو کہ میں نے نہیں مرنا! زندگی بھی دیتا ہے، موت بھی دیتا ہے، وہ پھر تمہیں زندہ کرے گا، تم نہیں رک سکو گے۔ تم انکار نہیں کر سکو گے۔ جو تمہیں زندگی دیتا ہے پھر تمہیں موت دیتا ہے۔ فرمایا، کوئی روک کر دیکھے کہ میں نے نہیں مرنا۔ مر جاتے ہو اسی طرح پھر جب زندہ کرے گا، زندہ بھی ہو جاؤ گے گھبراؤ نہیں تمہارے انکار کرنے سے تم بچ نہیں سکو گے۔ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔۔۔ قیامت کے دن جس میں ذرا شک نہیں تم کو جمع فرمائیں گے۔ آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر اُن لوگوں تک جن پر قیامت قائم ہوئی سب کو ایک وقت میں ایک میدان میں ایک جگہ جمع کر لے گا۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۔۔۔ قیامت کا دن ایسا یقینی ہے کہ اُس میں شک کا ادنیٰ درجہ بھی نہیں ہے، شبہے کے ادنیٰ درجے کو ریب کہتے ہیں۔

رائی برابر بھی اُس میں شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۲۶ لیکن بد نصیبی لوگوں کی یہ ہے کہ جو عظمتِ الٰہی سے، نظام عدل سے، جزا و سزا سے واقف نہیں وہ جاہل ہے خواہ وہ کتنا پڑھا لکھا، کتنا بھی جانتا ہے! اور جو یہ باتیں جانتا ہے اور پھر برائی کرتا ہے وہ یہ سمجھ لے کہ اُس نے کوئی ایسی گستاخی کی ہے کہ جاننے بوجھنے کے باوجود اُس پر عذابِ الٰہی ہے کہ پھر برائی کر رہا ہے۔

## عالمِ بے عمل کے لیے:

ہم لوگ جو منبروں پر بیٹھ کر وعظ کرتے ہیں، ہم لوگ جو قرآن کی تفسیر حدیث اور فقہ بیان کرتے ہیں، جب ہم جھوٹ بولتے ہیں، جب ہم کسی کا مال ناجائز لیتے ہیں، جب ہم گناہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ سب سے زیادہ علم تو میرے پاس تھا میں کیوں گناہ کر رہا ہوں؟ یقیناً مجھے میرے کسی گناہ کی یہ سزا مل رہی ہے۔ میرے پاس علم ہے لیکن اپنے علم پر خود یقین نہیں ہے۔ لوگوں کو قیامت قیامت کہتے ہو، خود اعتبار نہیں ہے، خود برائی کرتے ہو۔ یہ آیات کافروں سے پہلے اہلِ علم کو متنبہ کرتی ہیں کہ صرف جاننا شرط نہیں ہے۔ قرآن حفظ کر لیا ٹھیک ہے، حدیث پڑھ لی ٹھیک ہے فقہ پڑھ لی انعامِ الٰہی ہے لیکن انعام تب ہے جب جان کر اُس پر عمل کی توفیق بھی ہو۔ اور جانتے ہو عمل نہیں کرتے تو یہ اُس کی ناراضگی ہے، سزا ہے۔ اُس نے توفیقِ عمل چھین لی ہے۔ وہ جانتے بوجھتے گمراہ

ہو جاتا ہے۔ لوگوں سے مال لوٹ رہا ہے۔ لوگوں کی عزتیں لوٹ رہا ہے لوگوں سے خود کو سجدے کروا رہا ہے! کمال ہے، حد ہو گئی! منبر پر بیٹھے ہو، قرآن بیان کرتے ہو، حدیث بیان کرتے ہو اور لوگوں کو کہتے ہو مجھے سجدہ کرو۔ اس سے بڑی گمراہی کیا ہو گی؟ تو یہ کیا ہے؟ فرمایا، یہ اللہ کی طرف سے سزا ہوتی ہے اور جب یہ بڑھتی ہے تو دلوں پر، کانوں پر، آنکھوں پر مہر کر دی جاتی ہے پھر ساری عمر وہی کرتے چلے جاتے ہیں تا آنکہ موت آ جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہر انسان کے لیے تنبیہہ ہے کہ ہر ایک کو معرفتِ حق کی استعداد تو دی گئی۔ ہر ایک کے لیے کتابیں نازل کی گئیں۔ ہر ایک کے لیے نبی مبعوث کیے گئے۔ اللہ نے علم کے سارے ذرائع مہیا کر دیے پھر اُس کی حفاظت فرمائی آخری کتاب آئی فرمایا، میں اس کی حفاظت کروں گا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: 9) یقیناً یہ کتاب، یہ نصیحت، یہ قرآن ہم نے اتارا ہے۔ ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ پندرہ صدیاں گواہ ہیں۔ پندرہ سو سال سے دنیائے کفر ساری کوششیں کر چکی۔ مختلف قرآن چھاپے گئے زیر زبر بدلا کر جملے بدلا کر بڑی کوشش کی گئی۔ حقیقتِ قرآن کے انکار کا عقیدہ گھڑا گیا کہ قرآن میں تحریف ہو گئی ہے اس کے لیے ایک فرقہ بنایا گیا۔ سارے حیلے کیے گئے لیکن قرآن اپنی جگہ موجود ہے۔ ہر زیر زبر ہر نقطے کے ساتھ، نہ صرف کتاب کے اوراق میں محفوظ ہے اللہ نے اپنے بندوں کے سینوں میں محفوظ کر رکھا ہے اِس کی حفاظت کا ایسا سامان بنایا کہ اسے انسانی سینوں میں سمو دیا۔ اتنی بڑی کتاب، سات آٹھ سال کا بچہ، اُس کے دل میں جمع کر دیتا ہے، سمو دیتا ہے۔ بڑے سے بڑا عالم جب آیت پڑھتا ہے ایک زیر زبر غلط ہو تو وہ بچہ کھڑا ہو جاتا ہے کہ یہاں زبر نہیں، زیر ہے۔ یہاں آپ زیر پڑھ رہے ہیں یہاں پیش ہے یہاں آپ نے نقطہ پڑھا ہے، یہاں نقطہ نہیں ہے۔ یہاں 'ی' نہیں 'ب' ہے۔ اُس نے ایسے اسباب بنا دیے وہ قادر ہے اور فرمایا، میں اسے قیامت تک محفوظ رکھوں گا یہ حقائق ہیں قرآن کی حفاظت کے، حفاظت کیا ہے؟ کیا صرف قرآن کتابوں میں محفوظ رہے اُسے ماننے والا کوئی نہ ہو تو حفاظت کا حق ادا ہو گیا؟ عمل ہی کرنے والا کوئی نہ ہو۔ فرمایا، یہ کتاب بھی رہے گی اِس کے جاننے والے بھی ہوں گے اس کے سمجھنے والے بھی ہوں گے، اس کے ماننے والے بھی ہوں گے، اس پر عمل کرنے والے بھی ہوں گے۔ یہ قیامت تک رہے گی۔

ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ میرا کردار، کیا یہ گواہی دیتا ہے کہ میں اُن لوگوں میں ہوں جنہیں اللہ کی حفاظت ہے؟ جو قرآن کے ساتھ ہیں یا کہیں اُدھر تو نہیں چلا گیا جو زبانی قرآن تو پڑھتے ہیں عملاً چھوڑ بیٹھے ہیں؟

# سورۃ الجاثیہ رکوع 4 آیات 27 تا 37

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ
الْمُبْطِلُوْنَ ۝٢٧ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٢٨ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا
نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٢٩ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝٣٠ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا
مُّجْرِمِيْنَ ۝٣١ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا
نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝٣٢ وَبَدَا
لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٣٣ وَقِيْلَ
الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا
لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝٣٤ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝٣٥ فَلِلّٰهِ
الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٦ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣٧

اور اللہ ہی کی بادشاہت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جس روز قیامت قائم ہوگی
اس روز اہل باطل خسارے میں پڑ جائیں گے ﴿۲۷﴾ اور آپ ہر فرقے کو دیکھیں

گے کہ گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے ہر فرقہ اپنے نامہء اعمال کی طرف بلایا جائے گا آج تم کو تمہارے کاموں کا بدلہ ملے گا ﴿۲۸﴾ یہ ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلے میں ٹھیک بول رہا ہے تم جو کچھ کیا کرتے تھے، ہم لکھواتے جاتے تھے ﴿۲۹﴾ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان کے پروردگار ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیں گے یہ بڑی واضح کامیابی ہے ﴿۳۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) بھلا ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی نہ جاتی تھیں؟ سو تم نے تکبر کیا اور تم نافرمان لوگ تھے ﴿۳۱﴾ اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں، تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے؟ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو (اس پر) یقین نہیں ﴿۳۲﴾ اور (اس وقت) ان کو اپنے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا ﴿۳۳﴾ اور ارشاد ہوگا جس طرح تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اسی طرح آج ہم تمہیں بھلا دیں گے (پرواہ نہ کریں گے) اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ﴿۳۴﴾ یہ اس لیے ہے کہ تم اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج نہ تو یہ لوگ اس (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی ﴿۳۵﴾ سو تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے (اور) تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۳۶﴾ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی بڑائی ہے اور وہ غالب (اور) دانا ہے ﴿۳۷﴾

# تفسیر و معارف

## زمین و آسمان اللہ کی بادشاہت کے تابع ہیں:

کفار کو یہ گمان تھا کہ کوئی آگ میں جل گیا، کوئی سمندروں میں ڈوب گیا، کسی کو درندے کھا گئے، جو دفن ہوا اسے مٹی کھا گئی تو یہ دوبارہ زندہ کیسے ہوں گے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ

تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور اللہ ہی کی بادشاہت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہلِ باطل خسارے میں پڑ جائیں گے۔

فرمایا، تم تو خاک ہو کر ذرّات بن کر زمین پر ہی پھیلتے ہو۔ اللہ کی سلطنت زمین کے ہر ذرّے پر ہے۔ زمین تو زمین، آسمان بھی اس کی بادشاہت کے تابع ہے۔ زمین و آسمان اس کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ اگر مرنے کے بعد بالفرض تمہاری خاک کے ذرّات آسمانوں پر بھی چلے جائیں تو اُس کے لیے انہیں جمع کرنا کیا مشکل ہے! تم اس کی سلطنت سے باہر نہیں جا سکتے۔ زمین و آسمان کی اور ساری مخلوق اس کی بادشاہت کے تابع ہے۔ آج تم مان کر نہیں دے رہے۔ اس حقیقت کی تمہیں تب سمجھ آئے گی جب قیامت قائم ہو جائے گی۔ پھر تمہیں پتا چلے گا کہ تم کتنے نقصان میں رہے اور اس کا انکار کر کے تم نے اپنے لیے تباہی کے کتنے سامان پیدا کر لیے!

## سب سرِ تسلیم خم کیے ہوں گے:

فرمایا: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ اور آپ ہر فرقے کو دیکھیں گے کہ گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے ہر فرقہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا آج تم کو تمہارے کاموں کا بدلہ ملے گا۔ اس روز ہر فرقہ گھٹنوں کے بل ہوگا۔ کوئی سرکشی نہیں کر سکے گا۔ گھٹنوں کے بل ہونے کا حقیقی معنی سے مراد ہے کہ سرِ تسلیم خم کر دینا۔ اپنی عاجزی قبول کر لینا، محاورے میں استعمال کیا جائے تو بھی یہی معنی ہے۔ اس دن کسی میں جرأت نہیں ہوگی کہ انکار کرے۔ ہر فرقے کو اس کے نامۂ اعمال کے مطابق عطا کیا جائے گا۔ اسے اس کے اپنے کردار کی طرف بلایا جائے گا کہ یہ تمہارا عقیدہ تھا، یہ نظریہ تھا، یہ تمہارا عمل تھا، یہ تمہاری گفتگو تھی۔ ہر ایک کا کردار اپنا اپنا تھا اور نتیجہ بھی اپنا ہوگا۔ دارِ عمل گزر گیا۔ عمل کی فرصت ختم ہوئی۔ اب بدلے کا دن ہے۔ جو کرتے رہے ہو آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اچھائی کا بدلہ انعامات ہوں گے اور برائی کا بدلہ سزا ہوگی۔ جو کما کر لائے ہو آج وہ مل جائے گا۔ اس دن ہر کوئی سرِ تسلیم خم کیے ہوگا۔ یہی کام منکرین دنیا کی مہلتِ عمل میں کر لیتے تو کتنا انعام پاتے!

فرمایا: هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ یہ ہمارا دفتر ہے جو تمہارے لیے ٹھیک بول رہا ہے، تم جو کچھ کیا کرتے تھے، ہم لکھواتے جاتے تھے۔

ہم نے کراماً کاتبین مقرر کر رکھے تھے۔ جو لفظ تمہارے منہ سے نکلتا تھا، جو کام تم کرتے تھے وہ لکھ لیتے تھے۔ آج یہ تمہارا سارا اعمال نامہ ہے۔ اللہ اتنے کریم ہیں کہ دنیا میں ہی آخرت کا نقشہ کھینچ کر دکھا رہے ہیں وہ ایسا

کریم ہے کہ انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ معاملہ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہوتا ہے۔ فرشتوں کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اگر دلی ارادے یا سوچ میں برائی آ گئی لیکن انسان نے اس پر عمل نہیں کیا، رک گیا تو معاف کر دیتا ہے۔ اس پر سزا نہیں دیتا۔ نیکی کی کوئی سوچ آئی، ارادہ کیا پھر وہ نیکی نہیں کر سکا تو اس نیکی کی سوچ پر بھی اجر اور انعام دیتا ہے۔ اللہ کریم تو بہت رعائتیں دیتے ہیں لیکن کسی کو حاصل کرنے کا خیال تو ہو!

قیامت کا دن بڑا بھاری ہوگا۔ بہت مشکل وقت ہوگا۔ گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے، منکرین کو جھڑک پڑ رہی ہوگی وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (النزعٰت:36) اور دیکھنے والوں کے لیے دوزخ سامنے لائی جائے گی۔ جہنم سامنے ہوگی، اعمال نامے پڑھائے جا رہے ہوں گے صرف دوزخ نہیں لائی جائے گی۔ جنت بھی زیادہ دور نہیں ہوگی۔ سجی سجائی ہوگی۔ جس لمحے کافر کو یہ دردناک عذاب دکھائے جا رہے ہوں گے اسی لمحے وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ (ق:31) اور جنت پرہیزگاروں کے لیے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی۔

## حقیقی کامیابی:

فرمایا: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان کے پروردگار ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیں گے یہ بڑی واضح کامیابی ہے۔

حقیقی کامیابی یہ ہے کہ میدانِ حشر میں جب کفار پر عتاب ہو رہا ہو، جہنم دہک رہا ہو، سورج آگ برسا رہا ہو، زمین تانبے کی طرح تپتی ہوئی ہو، غضبِ الٰہی کی گرج ہو، اس وقت رحمتِ الٰہی کے سائے میں، بہترین ماحول اور فضا میں کوئی محفوظ و مامون کھڑا ہو! یوں تو ساری عمر ہر کوئی کامیابی کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے لیکن اصل کامیابی یہ ہے۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (ال عمران:185) جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو یقیناً وہ مراد کو پہنچا۔ یہی وہ حقیقی اور واضح کامیابی ہے۔

## اہلِ باطل کے لیے ابدی خسارہ:

رہی بات کافروں کی تو وہ ابدی خسارے میں ہوں گے۔ ایک ہی میدان میں اللہ کی ایک ہی مخلوق ہوگی لیکن ایک طبقے پر غضب برس رہا ہوگا، کیوں کہ انہوں نے دنیا میں باطل کا انتخاب کیا تھا۔ فرمایا: وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) بھلا ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی نہ جاتی تھیں؟ سو تم نے تکبر کیا اور تم نافرمان لوگ

تھے۔ دنیا میں تمہارے سامنے انبیاؑ تشریف لائے، کتابیں نازل ہوئیں۔ دعوت الی اللہ تم تک پہنچی۔ تم اکڑ گئے کہ ہم اپنی مرضی سے جئیں گے، ہم اللہ کی غلامی قبول نہیں کرتے۔ یہ تکبر ہے۔

## دورِ حاضر کا فتنہ:

آج کے دور کا نیا فتنہ یہ ہے کہ ''یہ میری زندگی ہے، میں اسے اپنی مرضی سے جیئوں گا۔'' نئی نسل کو یہ باور کرا دیا گیا ہے کہ اپنی زندگی، اپنی مرضی سے جینا چاہیے۔ پتا نہیں یہ غلط فہمی کہاں سے پیدا ہوگئی؟ زندگی تمہاری اپنی کیسے ہے؟ کیا تم نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا، بینائی، شنوائی، گویائی، توانائی یہ سب قوتیں تم نے خود اپنے وجود میں پیدا کیں؟ تم اپنی مرضی سے مرو گے؟ تمہارا کچھ بھی دخل نہیں تو یہ زندگی تمہاری کیسے ہے؟ یہ زندگی اپنی ہے نہ وجود اپنا ہے نہ استعداد اپنی ہے نہ کائنات اپنی ہے۔ سب اس کی عطا ہے۔ زندگی جس کی عطا ہے اس کے حکم کے مطابق اپنی زندگی چل رہی تھی اس نے ختم کر لی کوئی جرم نہیں ہوتا لیکن زندگی اللہ کی امانت تھی اس نے دخل اندازی کی تو حرام کام کیا۔ زندگی اللہ کی عطا ہے اسے اطاعت کے دائرے کے اندر صرف کرنی چاہیے۔

اہل باطل کو بھی یہی کہا جا رہا ہے کہ تم پر اللہ کی آیات پیش کی جاتی تھیں، انبیاؑ کی تبلیغ تم لوگوں تک پہنچی تھی لیکن تم اکڑ جاتے تھے۔ کہتے تھے یہ ہماری اپنی زندگی ہے ہم جو چاہیں کریں۔ تم من حیث القوم نافرمان لوگ تھے۔ اللہ کی کائنات میں اس کے حکم کے خلاف کرنا جرم ہے تم جرم کرتے تھے۔ آج اللہ کی مخلوق رحمتِ الٰہی کے بارانِ رحمت میں موج کر رہی ہے۔ جنت کی ہوائیں چل رہی ہیں، انعامات ہو رہے ہیں اور تمہارے سامنے جہنم ہے۔ غضبِ الٰہی کا نزول ہو رہا ہے آج شکوہ کیوں کرتے ہو؟ زندگی اللہ کی امانت تھی۔ ان لوگوں نے اسے اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کیا تمہیں جب یہ باتیں پہنچائی گئیں تو تم نے تکبر کیا۔ تم تھے ہی نافرمان!

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُم مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿٣٢﴾ اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں، تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے؟ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو (اس پر) یقین نہیں۔

جب تمہیں دنیا میں کہا جاتا تھا کہ کائنات کا سارا نظام اس پر گواہ ہے کہ قیامت ضرور قائم ہوگی۔ اللہ کا حکم بھی ہے۔ اللہ کی کتاب میں بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ قیامت قائم ہوگی اس میں کوئی شبہ نہیں تو تم کہتے تھے لوگ مر گئے قصہ ختم۔ ہاں! لوگ قیامت کے بارے باتیں کرتے ہیں تو ہمیں وہم سا ہوتا ہے کہ اتنے لوگ

کہتے ہیں شاید کچھ ہو لیکن اس پر اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ یقین نہیں آتا کہ ایسا ہو گا۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ اور (اس وقت) ان کو اپنے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا۔

ان کا کردار مجسم ہو کر ظاہر ہو جائے گا۔ کردار کا ایک وجود ہو گا جو کھل کر سامنے آجائے گا یہ کفر ہے، یہ تکبر ہے، یہ لالچ اور یہ بدکلامی! ہر برا عمل ظاہر ہو جائے گا۔ دنیا میں کوئی کفر بکتا ہے یا گالی دیتا ہے تو کچھ مجسم نہیں ہوتا اس کی کیفیت ہے جو معنوی طور پر دل پر وارد ہوتی ہے قیامت کو سب برائیاں مجسم سامنے آجائیں گی اور جس حساب کتاب کے دن کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کے گلے پڑ گیا۔ اب یہ اس سے جان نہیں چھڑا سکتے۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ اور ارشاد ہو گا جس طرح تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اسی طرح آج ہم تمہیں بھلا دیں گے (پرواہ نہ کریں گے) اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

## اللہ کے بُھلا دینے سے کیا مراد ہے:

اللہ کا علم اس کی ذات کی طرح قدیم ہے۔ جس کے بھولنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح کے الفاظ کی نسبت جب اللہ کریم کی طرف ہوتی ہے تو اس سے معنی بعید مراد ہوتا ہے۔ معنی بعید اس معنی کو کہتے ہیں جو اس لفظ یا جملے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بھلا دینے کے لفظی معنی ہیں، یاداشت سے، ذہن سے نکل جانا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس چیز کی کوئی پروا نہیں رہتی۔ جو چیز یاد ہی نہ رہے تو اس کی پروا بھی نہیں رہتی کہ وہ ٹوٹ گئی اس پر گرد پڑ رہی ہے یا اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے! ایسے لفظ کی جب اللہ کریم کی طرف نسبت ہوئی ہے تو اس سے مراد ہے کہ جس طرح دنیا میں تمہیں ہماری عظمت کی پروا نہیں تھی آج ہمیں تمہاری کوئی پروا نہیں ہے کہ جہنم کے کس گوشے میں جل رہے ہو، کس عذاب میں ذلیل ہو رہے ہو! جس طرح تم نے یومِ حشر کو بھلا رکھا تھا، آج ہم نے بھی تمہارے ساتھ وہی سلوک کرنا ہے جو بھولی بسری چیزوں سے ہوتا ہے۔ کوئی پروا نہیں کہاں گئی۔ آج تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہاں کوئی کسی کی مدد کرنے والا نہیں۔

یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم دنیا میں اللہ کے احکام کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ کہتے تھے بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے؟ یہ بھی کوئی بات ہے! ایسا کیوں کیا جائے وغیرہ۔ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہ اس لیے ہے کہ تم اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج نہ تو یہ لوگ اس (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ہی ان کی توبہ قبول ہوگی۔

دنیا میں تمہارا کردار یہ تھا کہ تم احکامِ الٰہی کو نہ صرف یہ کہ مانتے نہیں تھے بلکہ مذاق بھی اڑاتے تھے۔ دنیا کی زندگی کی وقتی لذات، دنیوی شہرت، چند ٹکے دولت کے عوض تم نے آخرت چھوڑ دی۔ بڑا دھوکا کھایا۔ اب قیامت کے بعد اعمال کا دور ختم ہوگیا۔ اب نہ توبہ قبول ہوگی نہ کوئی جہنم سے نکالے گا۔ دنیا میں تم کفر پر جمے رہے آخرت میں دوزخ میں جمے رہو۔ دنیا میں موت کے آنے سے پہلے تک تمہارے پاس معافی کی، توبہ کی فرصت تھی۔ تم نے ضائع کر دی۔

## بڑائی صرف اللہ کو سزاوار ہے:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ سو تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے (اور) تمام جہانوں کا پروردگار ہے وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی بڑائی ہے اور وہ غالب (اور) دانا ہے۔

سارے کمالات، ساری خوبیاں سب اللہ کے لیے ہے۔ سب کچھ اسی کا ہے۔ سب کو اس نے دیا ہوا ہے۔ کسی چیز میں کوئی کمال کسی کا ذاتی نہیں ہے۔ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ کسی جڑی بوٹی میں شفا ہے تو اس نے رکھی ہے۔ کسی انسان میں حسن و جمال ہے، استعداد و قابلیت ہے تو اسی کی دی ہوئی ہے۔ سب تعریف اس کی ہے جو تمام عالمین کا پالنہار ہے۔ سب کا خالق سب کو قائم رکھنے والا وہی واحد ولاشریک ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی اسی کو سزاوار ہے۔

انسان، اپنی بڑائی میں کھویا رہتا ہے۔ بچپن میں چار ٹانگوں پر، ہاتھوں پاؤں پر چلنا شروع کرتا ہے پھر دو پر آجاتا ہے پھر تین پر آجاتا ہے۔ آخر میں لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوکر قبر کو جا رہا ہوتا ہے۔ کیا بڑائی ہوگی انسان کی؟

بڑائی اللہ کے لیے ہے، عظمت اس کے لیے ہے۔ وہ غالب ہے جو چاہے کر سکتا ہے لیکن وہ حکیم ہے، دانا تر ہے، ہر کام، ہر بات اس کی حکمت کے تقاضے کے مطابق انجام پاتی ہے۔

## OUR CONTACT

Ph: 0543-562200
Fax: 0543-562198

EMAIL: darulirfan@gmail.com

WEBSITE: www.oursheikh.org

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کے قلم سے چھ جلدوں پر مشتمل منفرد تفسیر

# اسرار التنزیل

اسرار المعارف کے حوالے سے
فہم القرآن میں ہر قاری کے لیے مددگار
علما اور تفسیر کے طلبا کے لیے علم و حکمت کا انمول خزانہ
اور سالکین طریقت کے لیے راہِ سلوک میں راہنما ہے۔

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دار العرفان منارہ ضلع چکوال

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی
کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور